وحدتِ ادیان کا نظریہ اور اسلام

سلطان احمد اصلاحی

ادارہ تحقیق و تصنیفِ اسلامی، علی گڑھ

وحدتِ ادیان کا نظریہ

اور

اسلام

سلطان احمد اصلاحی

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی
پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

سلسلۂ منشورات ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۲۰)

کتاب	:	وحدتِ ادیان کا نظریہ اور اسلام
مصنف	:	سلطان احمد اصلاحی
ناشر	:	ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ
خوش نویس	:	غیاث الدین اٹاوی
طابع	:	ہندوستان لیتھو آفسیٹ پریس، دہلی
صفحات	:	۱۹۲
تعداد	:	۱۱۰۰
ایڈیشن	:	باراول، رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ / فروری ۱۹۹۵ء
قیمت	:	[illegible] روپے

Rs. [illegible]/=

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین الی یوم الدین۔ امابعد:

موجودہ ہندوستان میں دعوتِ اسلامی کو درپیش مسائل میں 'وحدتِ ادیان' کے مسئلہ کو سرفہرست کہا جاسکتا ہے۔ برادرانِ وطن کی گفت گو اسی طرح اسلام پسندوں کا کوئی مذاکرہ اور سیمینار جس میں انھیں اظہارِ خیال کا موقع ملے، عام طور پر اس تذکرے سے خالی نہیں ہوتا کہ تمام مذاہب یکساں برحق ہیں اور ان میں سے کسی ایک کی پیروی سے کائنات کے خالق خدا اور پرمیشور کی رضا اور خوشنودی یکساں طور پر حاصل کی جاسکتی ہے۔ بظاہر یہ بات جس قدر نیک اور سیدھی نظر آتی ہے اپنی حقیقت اور مضمرات کے اعتبار سے اتنی ہی الٹی اور پریشان کن ہے۔ اس کتاب میں ان مضمرات کی نشاندہی کے ساتھ اس سے وابستہ الجھنوں اور دشواریوں کو پوری تفصیل سے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ 'وحدتِ ادیان' کی اس گفت گو میں بالعموم غیر مسلم برادران وطن کی طرف سے یہ بات بھی آئے بغیر نہیں رہتی کہ 'اسلام کے ماننے والوں کا یہ اصرار کہ تنہا انہی کا مذہب آخری، آسمانی برحق مذہب ہے اور انسان کی نجات اور مکتی اس کی بے لوث پیروی کے بغیر ممکن نہیں، یہ رویہ بیجا سختی اور تشدد کا ہے جس سے بھارت جیسے ملک میں جسے مختلف ادیان و مذاہب کے گہوارے کی حیثیت حاصل ہے، انسانی بھائی چارے اور پرامن بقائے باہمی کے عظیم مقصد کو نقصان لاحق ہوتا ہے'۔ یہ گفتگو اپنے آپ میں مذہب کو انسان کا اختیار تمیزی تسلیم کرتی ہے۔ جب کہ اللہ کے پہلے اور آخری دین 'اسلام' کا

اقرار ہے کہ یہ انسان کا نہیں بلکہ اس کے پیدا کرنے والے خدا کا اختیار تمیزی ہے اور اسی کا کہنا ہے کہ آدمی کی دنیا و آخرت کی فلاح و کامرانی کا انحصار اسی ایک سچے دین کی پیروی میں مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہند کی اس سرزمین میں اب اسلام غیر معروف اور اجنبی نہیں رہ گیا ہے۔ اس دین اور اس کی حامل امت کی نسبت سے پھیلائی گئی بہت ساری غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کے باوجود برادرانِ وطن کی ایک اچھی بھلی تعداد اسے سمجھنے اور جاننے کی آرزومند نظر آتی ہے اور اس خصوص میں دین کے خادموں سے ان کی گفتگو اور تبادلۂ خیالات کا سلسلہ برابر قائم رہتا ہے لیکن دیکھنے میں یہ آتا ہے یہ گفتگو اکثر و بیشتر اصول و کلیات سے زیادہ لامتناہی جزئیات کے دائرے تک پہنچ جاتی ہے۔ اسلام کی جزئیات اور اس سے متعلق کسی بھی مسئلے پر سیر حاصل گفتگو اور تبادلۂ خیالات سے فرار کی کوئی وجہ نہیں لیکن جب تک دین برحق کی اساسیات و کلیات کے سلسلے میں ذہن واضح نہ ہو، فرعی مسائل اور جزئیات پر محنت بہت زیادہ بار آور نہیں ہو سکتی۔ کتاب کے اس رخ سے دعوتی میدان میں اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کی منصوبہ بندی اور انھیں اقتصاد کے ساتھ استعمال کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ ساتھ ہی اس کی روشنی میں داعیانِ حق مذاہب عالم کے پھیلے ہوئے لٹریچر سے اپنے کام کا مواد اخذ کر سکتے اور اللہ کے آخری دین کے حق میں اس سے انتہائی موثر طور پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

بدقسمتی سے اس عزیز ملک میں 'وحدت ادیان' کے مروجہ فلسفہ کو دانستہ یا نادانستہ اللہ کے آخری سچے دین سے بچنے اور لوگوں کو اس سے دور رکھنے کے لیے ایک کارگر تدبیر کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ آئندہ سطور میں پوری دل سوزی اور دردمندی سے برادرانِ وطن کو اس کے جال میں پھنسنے سے بچانے کی سعی کی گئی ہے اور اس سلسلے میں جو چند در چند الجھنیں اور رکاوٹیں ہو سکتی ہیں انھیں ایک ایک کرکے دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس پوری گفتگو میں ممکن حد تک دعوتی آداب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ مذاہب کی تقابلی گفتگو میں کوئی بات جادۂ اعتدال سے ہٹتی محسوس ہو تو وہ غیر اختیاری اور

لکھنے والے کا منشا نہیں ہے۔ توقع ہے کہ نفس مسئلہ پر اس کا کوئی اثر محسوس نہیں کیا جائے گا۔ مصنف کی یہ کاوش اگر برادران وطن کے کسی ایک حصہ کو بھی اللہ کے آخری دین کے حق میں سنجیدہ غور وفکر کے لیے مہمیز کر سکے تو وہ یہ سمجھے گا کہ اس کی محنت رائگاں نہیں گئی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے دین کی اس حقیر علمی خدمت کو شرف قبول سے نوازے اور اس کے طفیل روز محشر رسوائیوں سے بچائے۔ خاص طور پر غیر مسلم برادران وطن کی رعایت سے احادیث اور عربی عبارتوں کے ساتھ آیات قرآنی کے ترجمہ میں بھی ترجمہ سے زیادہ ترجمانی کا انداز اختیار کیا گیا ہے جس سے کہ بات پوری طرح سمجھ میں آجائے اور مزید تشریح و توضیح کی احتیاج نہ رہے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

سلطان احمد اصلاحی

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

۱۰ر شوال المکرم ۱۴۱۲ھ

۱۴ر اپریل ۱۹۹۲ء

شنبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بابِ اوّل

وحدت ادیان کا نظریہ

"منزل ایک ہو تو راستوں کے اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمام مذاہب برحق ہیں۔ تمام مذاہب میں حق و انصاف، انسانوں کی خدمت، انسان دوستی اور انسانی بھائی چارے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس لیے تمام انسانوں کو تمام مذاہب کا یکساں ادب و احترام ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ کسی مذہب کے پیروؤں کا یہ احساس کہ حق و صداقت تنہا انہی کے مذہب کے ساتھ ہے اور آخرت کی نجات کے لیے تنہا اسی مذہب کی پیروی ضروری ہے۔ مذہب کے سلسلے میں یہ بیجا تشدد اور سختی کا رویہ ہے جس سے مختلف مذاہب کے درمیان بیجا ٹکراؤ کا راستہ نکلتا ہے اور ان مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان پُرامن بقائے باہم کے عظیم مقصد کو نقصان پہنچتا ہے۔ ہندوستان جیسے کثیر لسانی اور کثیر مذہبی ملک کے لیے دانشمندی اور سمجھداری کا راستہ یہ ہے کہ بے جا مذہبی تشدد کے راستے کو چھوڑ کر تمام مذاہب کا یکساں احترام اور یکساں طور پر ہر ایک کی صداقت و حقانیت کو تسلیم کیا جائے۔ تمام مذاہب کا سرچشمہ ایک ہی بزرگ و برتر ذات ہے جسے ناموں کے اختلاف خدا، بھگوان اور GOD مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ مختلف مذاہب خدا کی بندگی اور اس کو خوش کرنے کے مختلف ذرائع ہیں۔ تمام مذاہب کا اہم ترین عملی پہلو خدمت خلق اور انسانیت دوستی ہے۔ اس نسبت سے تمام مذاہب کا یکساں احترام اور ہر ایک کی یکساں صداقت کو تسلیم کیا جانا ضروری ہے۔ 'وحدت ادیان' کے اسی فلسفہ میں ہندوستان جیسے کثیر مذہبی ملک کی نجات ہے دوسرے تمام راستے اختلاف اور ٹکراؤ کے ہیں جو ملک اور باشندگان ملک دونوں کے لیے یکساں طور پر نقصان دہ ہیں۔ ملک کے ہر سمجھدار شہری کو ان سے بچنے اور پرہیز کرنے کی ضرورت ہے۔"

یہ ہے وحدت ادیان کے اس نظریے کا خلاصہ جس کا آج آزاد ہندوستان میں ہر جگہ چرچا ہے۔ خاص طور پر ملکی سیاست اور ملک کے سیاسی رہنماؤں کا یہ وہ وظیفہ ہے جس کے ورد سے شاید ہی ان کی کوئی مجلس اور گفتگو خالی جاتی ہو۔ ملک کی کسی بڑی مذہبی یا سیاسی شخصیت کو خراجِ عقیدت پیش کرنا ہو یا کسی سیاسی جلسہ جلوس کو خطاب کرنا، گھوم پھر کر اس میں 'وحدتِ ادیان' کے اس فلسفہ کا حوالہ کسی نہ کسی طرح ضرور آجائے گا۔ کسی بھی سیاسی تقریر کی غزل کے ٹیپ کا یہ وہ بند ہے جس کے بغیر یہ غزل مکمل ہی نہیں ہو سکتی۔ پروپیگنڈے کی طاقت سے قطع نظر حکومت وسیاست کے ایوان سے جو بات کہی جائے عوام الناس پر اس کا اثر پڑنا لازمی ہے۔ اسی لیے شاید مثل بھی کہی گئی ہے کہ 'الناس علیٰ دین ملوکھم' بادشاہ اور حکمراں جس بات کو اختیار کریں گے عامۃ الناس اس کی ہاں میں ہاں ملائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے جو ملکی عوام کی بڑی اکثریت آج اس فلسفہ پر ایمان رکھے ہوئے ہے۔ دانشوروں کا ایک قابل لحاظ طبقہ بھی اس فلسفہ کی صداقت وحقانیت کو تسلیم کرتا اور اپنے ذرائع سے اس کی تبلیغ واشاعت میں سرگرم نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں میں بھی ایسے افراد کی کمی نہیں جو اس فلسفہ کی صحت کے قائل ہیں، اور اس کے نتائج ومضرات سے آنکھیں میچ کر، اپنے دین وایمان سے کوئی ٹکراؤ محسوس نہ کرتے ہوئے، اس کے پھیلاؤ اور پرچار میں بھی کوئی تامل اور جھجھک محسوس نہیں کرتے۔

خالص ہندوستانی نظریہ:

لیکن 'وحدت ادیان' کا یہ نظریہ خالص ہندوستانی فلسفہ ہے جو خاص طور پر آزاد ہندوستان کی سیاسی حالات کی پیداوار ہے جس میں ایک محرک اگر ہندو مذہب کی داخلی ناہمواریوں، نارسائیوں اور معذوریوں (HANDICAPS) کی پردہ پوشی اور وسیع تر دائرے میں ملک وسماج کی تعمیر وتشکیل کی نااہلی (INCAPABILITY) کا بھی ہو تو اس پر چنداں تعجب کی ضرورت نہیں۔ ہندوستان کی آزادی کی تحریک کے نتیجے میں برطانوی سامراج سے نجات پانے کے بعد اقتدار ملکی عوام کو منتقل ہوا تو اس کے دو غالب شریک ہندو اور مسلمان تھے۔ بیرونی استعمار سے چھٹکارہ حاصل کر لینے کے بعد ان دونوں قوموں کے لیے کچھ مشکل نہ تھا، جبکہ

مسلمانوں کے لیے بالبداہت یہ زیادہ بہتر اور قابل ترجیح ہوتا کہ یہ دونوں قومیں اپنے لیے حکومت کا ایسا نظام تجویز کرتیں کہ دونوں کے لیے اپنے اپنے مذہب پر عمل زیادہ سے زیادہ ممکن اور آسان ہوتا۔ آبادی میں غالب اکثریت کے ساتھ ملکی دستور کی تیاری اور اس کے نظام حکومت کی تشکیل میں بھی ہندو قوم کو بالادست پوزیشن حاصل تھی۔ اس کا فائدہ اٹھا کر اس نے حکومت میں مذہب اور مذہبیت کے دخل کے بجائے ریاست کی سیکولر اور لامذہبی حیثیت کو قابلِ ترجیح قرار دیا۔ اپنے ایک محدود طبقے کی طرف سے مغربی تہذیب اور اس کے افکار و اقدار سے مرعوبیت کی حقیقت کے اعتراف کے باوجود اپنے مذہب کی شیدا اور رسیا بلکہ دوسرے تمام مذاہب پر اپنے مذہب کی فوقیت و برتری کی دعوے دار قوم کا من حیث القوم مذہب کو سیاست و حکومت سے بالکل دور رکھنے پر اصرار، اگر اس کے پیچھے اپنے مذہب کی ناقابل فہم اساطیریت و دیومالائیت، اس کے داخلی تضادات اور حکومت و سیاست کے معاملات سے عہدہ برآ ہونے کی اس کی عدم صلاحیت، اس اقدام میں اگر ہندو قوم کی اس کمزوری اور مجبوری کا بھی دخل ہو تو اس کے ناقابل فہم ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اپنی روایتی ذہانت و دوراندیشی کو کام میں لاتے ہوئے ریاست کے سیکولر ڈھانچے کو تسلیم کرا کر یہ قوم اپنے مذہب کو بے آنچ بچا لینے میں کامیاب ہو گئی۔

بہرحال ریاست کے اس سیکولر ڈھانچے کا تقاضا تھا کہ مذہب کو حکومت و سیاست کے معاملات سے زیادہ سے زیادہ بے دخل رکھنے کے لیے بعض دوسرے افکار و نظریات کی طرح 'وحدت ادیان' کے فلسفہ کا سہارا لیا جائے۔ اور تمام مذاہب کی یکساں صداقت کا قصیدہ پڑھ کر اپنے مذہب کو نقد و احتساب کی آنچ سے بچا کر ریاست کے معاملات میں دوسرے مذاہب کی طرف سے مداخلت کے امکانی خطرے سے تحفظ کر لیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں ایک ہی تیر سے دو شکار کر لیا جائے۔

ریاست کے اسی سیکولر ڈھانچے کا تقاضا تھا جو ہمارے یہاں مغرب سے درآمد کردہ اسی خیال کو رواج عام حاصل ہوا کہ 'مذہب انسان کی پرائیویٹ زندگی کا معاملہ ہے'،

دنیا کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے[1]۔ سیکولر ریاست کی اسی ضرورت سے 'وحدت ادیان' کے اس فلسفے کو بھی ایجاد کیا گیا۔ اپنی داخلی کمزوریوں کی پردہ پوشی کے لیے ہندو مذہب کی تو یہ ایک ضرورت تھی ہی، ریاست کی اپنی ضرورت نے اس کے لیے حالات کو اور بھی سازگار کر دیا۔ چنانچہ اس خیال اور اس کے حاملین کو آج وہ پذیرائی حاصل ہے جسکی عام حالات میں کوئی توقع نہ کی جاسکتی تھی۔

مذاہب کا سرسری مطالعہ:

لیکن مذاہب کا یہ انتہائی سطحی اور سرسری مطالعہ ہے جس کی بنیاد پر 'وحدت ادیان' کے اس فلسفہ کو کھڑا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کسی بھی دوسرے نظام فکر و عمل کی طرح مذاہب کے اندر بھی اصل حیثیت ان کے عقائد اور بنیادی تصورات و نظریات کو حاصل ہے۔ ان عقائد و تصورات سے صرف نظر کرکے ان کی جزوی اور فروعی تعلیمات میں ظاہری یکسانی و یگانگت کو دیکھ کر یہ فیصلہ کر دینا کہ تمام مذاہب کی اصلیت اور حقیقت ایک ہے۔ تمام مذاہب برحق ہیں اور ہر ایک کا مقصود و منتہا ایک ہے۔ اس سطحی اور سرسری مطالعہ کے نتیجے میں مذاہب کے سلسلے میں اس طرح کی کسی رائے کا مقصد اگر مغالطہ اور فریب دہی نہیں، تو اسے سادہ لوحی اور سطحیت پسندی کا ہی نام دیا جاسکتا ہے[2]۔ مذاہب کا یہ سطحی

---

[1] ہم نے اپنی کتاب 'مذہب کا اسلامی تصور' میں مغرب میں درآمد کردہ اس خیال کے پس منظر کو پوری تفصیل سے واضح کیا ہے اور مذاہب کی داخلی شہادت کی روشنی میں اس خیال کی غلطی کو بے نقاب کرکے اسلام کے وسیع تصور مذہب کی تفصیل پیش کی ہے۔ مطبوعہ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ۔ بار اول ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۱ء

[2] اس سرسری اور سطحی مطالعہ کا بہترین نمونہ ۶۸۳ صفحات پر پھیلی ہوئی ڈاکٹر بھگوان داس کی انگریزی کتاب (ESSENTIAL UNITY OF ALL RELEGIONS) ۔ (جملہ مذاہب کی بنیادی وحدت) مطبوعہ کاشی ودیا پیٹھ بنارس ۱۹۳۹ء ہے جس میں معروف عالمی مذاہب ہی نہیں، زردشت، لاؤزے اور کنفیوشس وغیرہ کی تعلیمات کا بھی احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ عربی سے اپنی ناواقفیت کے معترف مصنف اپنی اس کتاب میں

اور سرسری مطالعہ زیرنظر مسئلہ کی تحقیق میں کچھ مفید نہیں۔ مختلف مذاہب کس حد تک وحدت و یگانگت کے آئینہ دار ہیں اور ان کے بنیادی اختلافی نکات کیا ہیں جن کی موجودگی میں ان کے درمیان وحدت و یگانگت کے آئینہ دار ہیں اور ان کے بنیادی اختلافی نکات کیا ہیں جن کی موجودگی میں ان کے درمیان وحدت و یگانگت اور ان کی ہم رنگی و ہم زبانی کی بات کرنا، خام خیالی اور دھوکے کی بات ہے، اس کا فیصلہ مختلف مذاہب کے بنیادی عناصر ترکیبی اور ان کے جوہر اختلاف یا اتحاد کے مطالعہ کی صورت ہی میں ہو سکتا ہے۔ جب تک مختلف مذاہب کی اساسیات و کلیات کو زیر بحث نہ لایا جائے اور ان کا بے لاگ دیانت دارانہ تجزیہ نہ کیا جائے، اس وقت تک مختلف مذاہب کی ظاہری اور جزوی اور فروعی یگانگت و ہم رنگی کی بنیاد پر ان سب کے یکساں اور یک زبان ہونے کی بات کرنا اس سے ذرا مختلف نہ ہوگا کہ مثلاً شیر اور بکرے کے بعض ظاہری

دوسرے مذاہب کے ساتھ اسلام کے تئیں کس قدر انصاف کر سکے ہیں اس کا اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ کتاب کے آغاز ہی میں صفحہ ۱ سے پہلے صفحہ پر بیہقی فی شعب الایمان کے حوالہ سے مشکوۃ المصابیح جلد ۲ کتاب الآداب، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، فصل ثالث کتب خانہ رشیدیہ دہلی کی روایت کردہ حدیث "الخلق عیال اللہ" الخ (تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے) کے انگریزی ترجمہ کو وہ حدیث کے بجائے قرآن لکھتے ہیں۔ قرآن وسنت کے اسلام کے بنیادی مآخذ کے مقابلہ میں رومی و حافظ اور سعدی و عطار پر انحصار کرنے والا یہ مصنف اس سے بھی آگے ایک موقع پر "الطرق الی اللہ کنفوس بنی آدم" (جیسے کہ دنیا میں بے شمار انسان ہیں ویسے ہی خدا تک پہنچنے کے راستے بھی بے شمار ہیں) کے مجہول قول کو حدیث ص ۱۴۹، اور اسی طرح کے ایک دوسرے قول: "الخیر والشر من اللہ تعالیٰ" (بھلائی اور برائی سب اللہ ہی کی طرف سے ہے) کو قرآن بتاتے ہیں۔ ص ۱۵۲۔ اول الذکر مقولہ کا ترجمہ بھی مصنف صحیح نہیں کر سکے ہیں۔ "نفوس" کا ترجمہ انھوں نے سانسیں (breaths) جو "نَفَس" ف کے زبر کے ساتھ کی جمع "اَنفاس" کا ترجمہ ہے۔ "نفس" ف کے جزم کے ساتھ جس کی جمع "نفوس" ہے اس کے معنی جان، ہستی اور وجود کے ہیں۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ دوسرے مذاہب کے ساتھ مصنف نے جو گل کھلائے ہوں گے اس کا اندازہ انہی نمونوں سے کیا جا سکتا ہے۔ ان سے

پہلوؤں کو یکساں دیکھ کر ان دونوں کے ایک نسل اور ایک رنگ ہونے کا دعویٰ کر دیا جائے۔ اس طرح کی ظاہری اور جزوی مماثلت سے تو نیم اور جامن، سیب اور امرود، مونگ پھلی اور کاجو کو بھی یکساں اور ایک نسل کا باور کرایا جاسکتا ہے لیکن تعجب ہے کہ ان معمولی مادی چیزوں کے سلسلے میں اس طرح کی کسی کوشش کو جو لوگ باولے پن سے کم کسی دوسری چیز پر محمول نہیں کر سکتے، مذہب کے اس انتہائی اہم معنوی معاملے میں اس طرح کی کوششوں میں انھیں کوئی خامی اور نقص نظر نہیں آتا۔ بلکہ بسا اوقات اسے سیاست دانی ہی نہیں دانشوری کا بھی کمال سمجھا جاتا ہے۔

مذاہب کا جوہری اختلاف:

لیکن اس غلط فہمی اور خود فریبی کا کچھ فائدہ نہیں۔ مذاہب کا اختلاف انتہائی بنیادی اور جوہری اختلاف ہے۔ ہندو مذہب شرک و بت پرستی کا مذہب ہے، وحدت الوجود اس کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے، رسالت کا اس کے یہاں کوئی تصور نہیں ہے۔ عقائد کی دوسری خرابیاں اس کے علاوہ ہیں۔ خدا کا تصور مذاہب کی جان ہے۔ اپنی موجودہ

کم رتبہ کے دانشوران اور اہل قلم ہندو حضرات اس کی سلسلے کی دوسری کاوشوں کو بھی اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر ہندو مذہب اور اسلام کے حوالہ سے مذاہب کی یکسانیت پر سابق گورنر اڑیسہ جناب بی۔ این پانڈے (B.N. PANDE) کی قریبی کتاب (Basic Onness of All Religions With Special Pofrence to Hinduism & Islam) کا معاملہ اس سے مختلف نہیں ہے۔ جسے صحیح تر لفظوں میں جناب بھگوان داس کی مذکورہ کتاب کی ادھوری نقل ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ سلسلۂ سرسید میموریل لیکچرس ۱۹۸۶ء۔ شائع کردہ سرسید اکیڈمی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۸۸ء۔ مسلم یونیورسٹی سے اس مجموعہ لیکچرس کی جوں کی توں کسی نقد و نظر کے بغیر اشاعت باعث حیرت اور افسوس ناک ہے۔ ماضی میں توراۃ و انجیل اور قرآن دوسرے لفظوں میں اسلام اور یہودیت و عیسائیت کے حوالے سے وحدت ادیان کے تصور کا سراغ ملتا ہے۔ ایک عیسائی عالم کی کتاب زیر عنوان 'وحدۃ الادیان و وحدۃ الایمان فی التوراۃ والانجیل والقرآن، بحوالہ حیات جاوید/ ۱۱۹۔ لنڈن الطاف حسین حالی۔

حالت میں بدھ مت کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ جین مت انکار خدا کی تعلیم دیتا ہے۔ سکھ مت میں اس کے مقدس گوروں نے عملاً خدائی کا درجہ اختیار کر لیا ہے۔ یہودی اور عیسائی اپنے کو خدا کی اولاد اور اس کا چہیتا قرار دیتے ہیں اور اپنے مقابلہ میں کسی کو خاطر میں لانے کو تیار نہیں۔ دوسرے عالمی مذاہب کو بھی انہی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اسلام اپنے پیغمبرؐ کو خدا کا آخری نبی قرار دیتا ہے۔ جس کے بعد اب قیامت تک کوئی دوسرا رسول اور نبی نہیں آئے گا۔[1] شرک و بت پرستی کا تصور بھی اس کے لیے ناقابل قبول ہے۔ اسلام کے صحیفۂ ہدایت میں صاف طور پر کہہ دیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ شرک و بت پرستی کو ہرگز ہرگز معاف نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ وہ دوسرے تمام گناہوں کو معاف کر سکتا ہے۔[2] آخری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دین کے آجانے کے بعد قابل قبول دین صرف اور صرف یہی اسلام ہے۔[3] اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی پیروی کر کے اگر کوئی شخص خوشنودی رب کی آرزو رکھتا ہے تو اس کی یہ خواہش کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگی۔[4]

مذاہب کے اس بنیادی اور جوہری اختلاف کے باوجود حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے یہ دعویٰ کرنا کہ تمام مذاہب یکساں برحق اور قابل احترام ہیں، بڑے بھولے پن اور سادہ لوحی کی بات ہے۔ مذاہب کے احترام کا اگر یہ مطلب ہے کہ کسی مذہب کو برا بھلا نہ کہا جائے اور اس کی قابل احترام شخصیتوں کے سلسلے میں کوئی گستاخانہ رویہ اختیار نہ کیا جائے تو دوسرے مذاہب سے قطع نظر اس کا سب سے زیادہ لحاظ اسلام کو ہے۔ اسلام کے فلسفۂ مذہب کا یہ ایک انتہائی اہم اصول ہے اور اس نے اپنے ماننے والوں کو اس کی سختی سے پابندی کی تلقین کی ہے۔ آگے ہم اس کی تفصیل کریں گے۔ اس سلسلے میں اس نے ان جزئیات و تفصیلات اور ان باریکیوں کو مدنظر رکھا ہے کہ دوسرے مذاہب تو کیا آزادی فکر و نظر اور روشن خیالی کے دعوے دار دور جدید کے نظریات اور فلسفوں میں بھی کہیں اس کی کوئی نظیر نہیں ہے لیکن اگر مذاہب کے احترام کا مطلب یہ ہے کہ ہندو مذہب کے وسیع المشربی کی

---

[1] احزاب: ۴۰ [2] نساء: ۱۱۶ [3] آل عمران: ۱۹ [4] آل عمران: ۸۵

پیروی میں دنیا کے تمام مذاہب کو یکساں برحق اور ناقابل چیلنج باور کیا جائے، تمام مذاہب کے بسا اوقات باہم متضاد و متحارب عقائد وافکار کو یکساں درست تسلیم کیا جائے، کسی ترجیح وانتخاب کے بغیر ہر مذہب کی پیروی کو یکساں قابل قبول اور خدا کی خوشنودی کے حصول کا مساوی ذریعہ قرار دیا جائے، تو خیر اسلام کے لیے یہ مذہبی اباحیت کیا قابل قبول ہوگی، ہندو مذہب کے علاوہ دنیا کے دوسرے تمام مذاہب کی طرف سے اس کا ناقابل قبول اور مسترد کیا جانا یقینی ہے۔ پیروان مسیحؑ جو اپنے پیغمبر کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں جن کے نزدیک انسان ازلی گنہگار ہے۔ اس گناہ سے نجات دلانے کے لیے خدا کے بیٹے نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرکے اپنی اولاد کی جاں بخشی کا سامان کیا ہے۔ دنیا کا جو انسان اپنے کو اس گناہ سے نجات دلانے کا خواہش مند ہے، اس کے لیے اپنے کو پیروان مسیحؑ میں شامل کرنا ضروری ہے۔ آج دنیا میں مشرق سے مغرب تک عیسائی مشنریاں جو سرگرم عمل ہیں اور جو خوف ولالچ کے جائز وناجائز تمام ذرائع کو اختیار کرکے پوری انسانی برادری کو نجات کے راستے پر لگا دینے کے لیے بے چین ہیں، دوسرے تمام مذاہب کے برحق اور نجات کے لیے دنیا کے کسی بھی مذہب کی پیروی کا فلسفہ اگر ان کے لیے قابلِ قبول ہو، تو ان مشنریوں کی تمام تر تگ وتاز اور جدوجہد غیر ضروری اور فضول قرار پا جائے۔ بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ 'وحدت ادیان' کے اس فلسفہ کا اصل علم بردار ہندو مذہب بھی صحیح معنوں میں اس کا اقرار نہیں ہے۔ اگر تمام مذاہب یکساں برحق اور نجات کے لیے کافی ہیں تو آخر ہندوستان میں بدھ مذہب سے اس کی لڑائی کیوں ہوئی جس میں بالآخر بدھ مت کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اور موجودہ دور میں سوامی وویکانند اور رادھا کرشنن جیسے لوگوں کو عیسائی مذہب کے پیرو یورپ کو ہندو مت کا درس دینے اور اس کے فلسفہ کو اس کے لیے قابل قبول بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہی نہیں بلکہ اگر تمام مذاہب یکساں برحق اور نجات کے لیے کافی ہیں تو موجودہ ہندوستان میں تبدیلی مذہب پر ہندو اکثریت کو واویلا کرنے اور شور مچانے کی کیا ضرورت ہے؟ جبکہ ہندوستان کا دستور اپنے آزادانہ اختیار وانتخاب سے ملک کے ہر شہری کو اپنے مذہب کے تبدیل کرنے کی اجازت

دیتا ہے۔ ہندوستان کے ہر شہری کا یہ بنیادی حق ہے جس سے اسے محروم کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ جبکہ خاص طور پر ہندوستان کی مسلمان امت کے مقصدِ وجود کا تقاضا ہے کہ کسی قسم کا خوف اور لالچ دیئے بغیر محض دلیل و برہان کی قوت سے وہ اپنے مذہب کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کرے۔ دنیا کے تمام انسانوں پر حق کی گواہی دینا، انھیں بھلائی کا حکم کرنا اور برائی سے منع کرنا، اس امت کی اہم ترین دینی ذمہ داری ہے جس میں کوتاہی پر آخرت ہی میں نہیں، اس دنیا میں بھی خدا کی ناراضی اس کے حصہ میں آئے گی۔

مذاہب کے اس جوہری اختلاف کو سمجھنے کے لیے ہمیں کسی قدر ان کی تفصیل میں جانے کی ضرورت ہے۔ اسلام کے لیے تو خیر یہ قابلِ قبول نہیں[1] لیکن ہندو مذہب کو سب سے قدیم مذہب کہا جاتا ہے اور 'وحدتِ ادیان' کا زیرِ نظر فلسفہ بھی، جیسا کہ کہا گیا، اصلاً اسی مذہب کے حاملین کا پیش کردہ اور تجویز کردہ ہے اور ہندوستان میں ہمارا واسطہ بھی سب سے زیادہ اسی مذہب کے پیروؤں سے ہے، اس لیے سب سے پہلے ہم اسی مذہب کے اساسی عقائد و تصورات پر ایک نگاہ ڈالنی مناسب خیال کرتے ہیں۔

ہندومت اور اس کے اساسی عقائد و تصورات:

اسلام کے قرآن و سنت کی طرح ہندو مذہب کے بنیادی مآخذ ایک یا چند نہیں ہیں۔ ویدوں، پرانوں، اپنشدوں، منوسمرتیوں، رامائن اور گیتا وغیرہ کی صورت میں اس کے مآخذ کی ایک طویل فہرست ہے جس کے ساتھ ہندو قوم کی روایات (conventions) اور اس کے مراسم (Practices) الوٹ طور پر شامل ہیں۔ ان مآخذ اور ان روایات و مراسم کے استقصار سے ہم ہندومت کے اساسی عقائد و تصورات کو چار عنوانوں میں

---

[1] اسلام کے نقطۂ نظر سے پہلے انسان اور پہلے پیغمبر حضرت آدمؑ سے لے کر آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک سب کا مذہب ایک اسلام تھا۔ دوسرے تمام مذاہب اگر وہ ایجاد بندہ نہیں تو وہ اسی حقیقی مذہب کی بگڑی ہوئی مختلف صورتیں ہیں۔

تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ شرک وبت پرستی اور وحدۃ الوجود ۲۔ اوتار واد ۳۔ آواگون اور ۴۔ ورن آشرم

۱۔ شرک وبت پرستی اور وحدۃ الوجود:

ہندو مذہب کو اگر شرک وبت پرستی کا مذہب کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا جس کے ساتھ وحدۃ الوجود کی آمیزش نے اسے اور بھی دو آتشہ کر دیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہندو مت کے اہم ترین ماخذ رگ وید میں دھندلے انداز میں توحید کی تعلیم بھی ملتی ہے[1] لیکن ہندو مت کی جو بوالعجبیاں اور اس کے جو داخلی تضادات ہیں اس کا نتیجہ ہے کہ اسی رگ وید میں دیوتاؤں کی تعداد تینتیس ۳۳ بتائی گئی ہے۔ جو بعد میں بڑھ کر تین ہزار تین سو انتالیس ۳۳۳۹ ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ آگے چل کر یہی تعداد تینتیس کروڑ تک پہنچ جاتی ہے[2]۔ اس کے ساتھ اگر ہندو قوم کی عملی شہادت اور اس کی عملی زندگی کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ تعداد شاید اس سے بھی تجاوز کر جائے۔ لاتعداد دیوی دیوتاؤں کے علاوہ اس کائنات کی جان دار و بے جان ہر چیز اس قوم کی عقیدت کا محور اس کا معبود اور خدا ہے۔ سورج، چاند، دریا، پہاڑ، درخت، شیر، بندر، گائے بیل، سانپ بچھو دنیا کی کون سی چیز ہے جس کے سامنے اس قوم کا سر نیاز نہ جھکتا ہو اور اس سے اس کے عبودیت وبندگی

---

[1] رگ وید کا منتر: ۱، ۱۶۴، ۴۶، 'صداقت ایک ہے رشی اسے مختلف ناموں سے پکارتے ہیں' ہندوستانی فلسفہ کی پوری تاریخ میں اسے ہندوستانی توحید کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو: 'سید حامد علی کی کتاب 'ہندو مت اور توحید' ص ۶۶۔ جو بقامت کہتر اور بقیمت بہتر کا مصداق ہے۔ ادارۂ شہادت حق، میرٹھ، طبع اول سنہ ۱۹۶۴ء۔ اپنشد میں بھی ایک موقع پر اس سے صریح توحید کی تعلیم ملتی ہے۔ ہندو مت اور توحید/ ۸۵۔ محولہ بالا۔ ویدوں میں توحید کی تعلیم کے لیے مزید دیکھیے: ایک ایشور کی کلپنا (ہندی) از مولانا محمد فاروق خاں ص ۴۸ تا ۵۲۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی طبع دوم سنہ ۱۹۸۳ء نیز: وید اور قرآن (ہندی) مرتبہ مصنف مذکور ص ۲۳ تا ۲۵، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی سنہ ۱۹۸۹ء

[2] ہندو مت اور توحید ۶۲، ۶۳۔

کے رشتے استوار نہ ہوں اور یہ قوم انھیں اپنا ملجا اور ماوی تسلیم نہ کرتی ہو۔

شرک وبت پرستی کی اس قوم کی اس گمراہی کو اس کے وحدت الوجود کے فلسفہ سے اور بھی تقویت پہنچی ہے. جو اس قوم کے رگ و پے میں سرایت ہے، جس نے شاعری کی زبان ہی میں نہیں حقیقت کی زبان میں زمین کے ہر ذرے کو اس کے لیے دیوتا بنا دیا ہے. ہندومت کے دوسرے اہم ترین ماخذ اپنشد جو مختلف زمانوں میں لکھے گئے ہیں. ان کی خاص تحقیق ہی تمام اشیاء کی وحدت یعنی وحدۃ الوجود ہے[۱]۔ وحدت الوجود کے اس فلسفہ کا مطلب ہے کہ کائنات محض خواب ہے. موجود صرف ایک ذات ہے. یہ لامحدود ہستی خدا ہے. تمام مادہ اور روح اسی ایک ذات کے مختلف انعکاسات ہیں. بظاہر یہ سب فریب اور خواب ہے اور حقیقت کے اعتبار سے ہر شے خدا ہے[۲]۔ ساری فطرت جو کروڑہا روحوں پر مشتمل ہے، خدا کی مرضی کے تحت ہے، خدا ہر چیز میں سرایت کیے ہوئے ہے[۳]۔

خدا بیزار کسی بھی نظام فکر و عمل کی طرح شرک وبت پرستی کی یہ تاثیر بالکل سامنے کی حقیقت ہے کہ اس کا اصل اور بڑا خدا جن اوصاف و خصوصیات کا بھی حامل ہو، اس شرک و بت پرستی کے نتیجے میں وہ بالکل پردۂ خفا میں چلا جاتا ہے اور انسان اپنی عملی زندگی میں بالکل بے قید و بے مہار ہو جاتا ہے. لیکن ہندومت کی بوالعجبیاں اسی پر ختم نہیں ہوتیں. شرک وبت پرستی کے ساتھ اس کے یہاں الحاد و بے دینی اور انکار خدا کی بھی پوری گنجائش ہے. چنانچہ ایک شخص کھلے بندوں خدا پر اعتقاد نہ رکھتے ہوئے بھی اپنے کو ہندو کہہ سکتا ہے[۴]. ہندومت جو تمام طرح کے عقیدوں کو صحیح تسلیم کرتا اور ہر قسم کے مذہبی اعمال کی اجازت دیتا ہے، اس کے اندر اونچے درجے کے الحاد اور لاادریت کی بھی پوری طرح گنجائش ہے[۵]. ہندومت کے جو دو معروف فرقے ہیں ان میں اگر ایک آستک (خدا پرست) ہے تو دوسرا ناستک (منکر خدا) ہے. یہ الگ ہے کہ یہ دونوں فرقے

---

۱ ہندومت اور توحید ص ۷۴، ۲ حوالہ سابق ۸۸، ۳ حوالہ مذکور، ۸۵، مزید اسی کتاب کے صفحات ۲، ۳، ۸۶، ۸۷۔ ۴ حوالہ سابق، ۵ حوالہ سابق، ۱۰

بھی بے شمار فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔[۱] مزید برآں ہندو مت اپنے میں جین مت اور بدھ مت کو شامل قرار دیتا ہے[۲]۔ جبکہ جین مت صاف خدا کا انکار کرتا ہے[۳] اور بدھ مت خدا پر ایمان رکھے بغیر زندگی کے دکھوں کو درمیان ہی سے حل کرنا چاہتا ہے[۴]۔ کون نہیں جانتا کہ اگر شرک و بت پرستی عملی زندگی میں انسان کو بے قید و بے مہار کرتی ہے تو الحاد اور انکار خدا کوسوں آگے بڑھ کر اس کو اس کی آزادی اور لائسنس دیتا ہے۔

۲۔ اوتار واد:

ہندو مت کا دوسرا اہم ترین اساسی تصور 'اوتار واد' ہے۔ ہندو مذہب میں نبوت اور رسالت کا کوئی واضح تصور نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ مختلف ادوار میں انسانوں کی رہنمائی کے لیے انہی میں سے کچھ برگزیدہ ہستیوں کو اپنا پیغام دے کر بھیجتا رہا ہے کہ وہ لوگوں تک اس پیغام کو پہنچائیں اور انھیں خدا کے راستہ پر لگائیں۔ بلکہ یہاں اس نسبت سے جو کچھ ہے وہ اوتار واد کا تصور ہے[۵]۔ موجودہ عیسائیت نے جس طرح اپنے یہاں نبوت و رسالت کے تصور کو ناپید کر کے اپنے پیغمبر کو خدا کا بیٹا اور پھر خود خدا قرار دے لیا، ہندو مت نے اپنے وحدۃ الوجود کے فلسفہ کی برکت سے اس تصور کو مزید شدید اور

---

۱ حوالہ مذکور/۲۵۔ ۲ حوالہ سابق/۲۰۔ ۳ حوالہ مذکور ۲۶، ۲۷ ۴ حوالہ سابق ۲۶

۵ ویدوں میں توحید و آخرت کی طرح رسالت کے بھی کچھ دھندھلے نقوش دکھائی دیتے ہیں۔ رگ وید کے کئی منتروں میں 'دوت'، پیغمبر اور رسول کے الفاظ آئے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے 'وید اور قرآن' مرتبہ مولانا محمد فاروق خاں صاحب ص ۲۷ تا ۳۰، محولہ بالا۔ لیکن ہندو فلسفہ اور ہندو نظام دینیات میں بحیثیت مجموعی یہ تصور اس قدر ناقابل لحاظ اور ناقابل توجہ ہو کر رہ گیا ہے کہ اس کے ہونے کو نہ ہونے کے برابر کہا جائے تو کچھ غلط نہیں ہے۔ ہندو مت کی ہر مقدس شخصیت عملاً خدائی کے مقام پر فائز ہے جس کا رسالت و نبوت کی بشری خصوصیات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

گہرا کرتے ہوئے اسے 'اوتار واد' کی صورت دے دی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی زمانی تقلید کے بغیر خدا حق کے غلبہ اور انسانوں کی رہنمائی کے لیے مختلف ادوار میں انسانوں کا روپ دھار کر اس دنیا میں بار بار آتا ہے۔ اس کی سب سے نمایاں مثال شریمد بھگوت گیتا کے مرکزی کردار بھگوان کرشن ہیں جو مہابھارت کی مشہور لڑائی میں اس مقصد سے انسانی روپ دھار کر ارجن کو آمادۂ جنگ کرتے ہوئے انھیں اپنی نصیحتوں سے بہرہ مند ہونے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں: "جب دھرم مجروح ہوتا ہے اور ادھرم پھیلتا ہے، تب تب میں اوتار لیتا ہوں۔ بھگتوں کی حفاظت کرتا ہوں، پاپیوں کو تباہ کرتا ہوں"[1] دوسرے موقع پر فرماتے ہیں: "میں پیدا نہ ہونے والا لافانی اور پھر سب جانداروں کا مالک ہوں۔ پھر بھی اپنی سرشت کو لے کر اپنی قدرت کی طاقت سے جنم لیتا ہوں"۔ نیز: "جب جب دھرم سست پڑ جاتا ہے، ادھرم کا زور ہو جاتا ہے، تب تب میں جنم لیتا ہوں"[2]۔ اوتاروں میں بھگوان کرشن سے بھی اونچا درجہ رام کا ہے، رام زمانہ کے اعتبار سے جس طرح کرشن سے مقدم ہیں، ہندومت میں ان کا مقام بھی ان سے بلکہ دوسرے تمام اوتاروں سے اونچا ہے[3]۔ تلسی داس کی رامائن میں انھیں صاف وصریح لفظوں میں خدا کا اوتار بتایا گیا ہے۔ والمیکی کی رامائن میں بھی ان کی یہی حیثیت پیش کی گئی ہے[4]۔ رام کے علاوہ راجہ دسرتھ کے بقیہ تینوں بیٹے لکشمن، شترودھن اور بھرت بھی وشنو کے اوتار تھے[5]۔ بھگوان کرشن کو بھی وشنو کا اوتار مانا جاتا ہے۔ وشنو نے کرشن کے روپ میں جنم لیا تاکہ مہابھارت کی جنگ کرا کے ظالموں کا خاتمہ کرا دیں۔ اس طرح گیتا میں کرشن جی کا اپدیش گویا وشنو کا اپدیش ہے جو انھوں نے دنیا میں آ کر خود دیا۔ کرشن جی گیتا میں اپنے آپ کو اسی حیثیت میں پیش کرتے ہیں اور خدائے اعظم کی حیثیت سے اپنی پرستش اور بھگتی (عشق) کا مطالبہ کرتے ہیں[6]۔ رام اور کرشن کے یہ اوتار جو اسلام کے نقطۂ نظر

---

[1] شریمد بھگوت گیتا مع گیتا بودھ از مہاتما گاندھی ۵۰، چوتھا ادھیائے، گیان کرم سنیاس یوگ۔ لالہ لاجپت رائے اینڈ سنس تاجران کتب دہلی، [2] حوالہ سابق ۵۳، [3] ہندومت اور توحید ۵۲، [4] حوالہ مذکور ۵۰، ۵۸، [5] حوالہ سابق ۴۸، [6] حوالہ مذکور ۵۰۔

سے امکانی طور پر خدا کے پیغمبر اور رسول بھی ہو سکتے ہیں[1]، ہندو مت میں عملاً خدائی کا درجہ اختیار

---

[1] اسلام کے صحیفۂ ہدایت قرآن میں صراحت ہے کہ دنیا کی ہر قوم میں اللہ تعالیٰ نے اپنا کوئی نہ کوئی ڈرانے والا ضرور بھیجا ہے (فاطر: ۲۴)۔ اسی کتاب میں دوسرے موقع پر کہا گیا ہے قرآن میں مذکور پیغمبروں کے علاوہ بہت سے پیغمبر ہیں جن کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے نہیں بیان کی ہے (غافر: ۷۸)۔ اب دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ سرزمین ہند میں یہاں کے باشندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے دنیا کے دوسرے خطوں سے خدا کے برگزیدہ بندے رسول اور پیغمبر یا ان کے نمائندے یہاں آئے ہوں، جس سے پہلی آیت کریمہ کا مقتضا پورا ہو سکے دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ دوسری آیت کریمہ کے مصداق یہاں کی مقدس مذہبی شخصیتیں ہی خدا کی پیغمبر اور رسول ہوں۔ ہندو قوم نے تحریفات کے تو بہ تو اندھیروں میں ان کی اصل تعلیمات کو چھپا دیا اور دیومالائیت اور اساطیریت کی چھاپ لگا کر ان کی اصل شخصیتوں کو مسخ کر دیا۔ ہمارا رجحان اسی دوسری رائے کی طرف ہے۔ آگے ہم اس کے کچھ نمونے پیش کریں گے۔ آج بھی ہندو قوم کی قدیم مقدس مذہبی کتابوں میں ایسی بے شمار چیزیں ملتی ہیں جو بظن غالب ان کی الہامی اور منجانب اللہ ہونے کا اشارہ دیتی ہیں عظیم متکلم اسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی بھی اہل ہنود کی مقدس ہستیوں کو امکانی طور پر نبی اور ولی تسلیم کرتے ہیں۔ بحوالہ مولانا مناظر احسن گیلانی: سوانح قاسمی: ۲/۵۰۔ شائع کردہ دار العلوم دیوبند۔ ماضی قریب کے علماء میں یہی رائے حضرت مرزا صاحب مظہر جان جاناں م ۱۱۹۵ھ، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی م ۱۲۳۹ھ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی م ۱۲۲۵ھ کی ہے۔ بحوالہ مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت صفحات ۸، ۱۰۹، ۱۲۰، ۱۴۸ اور ۳۴۶۔ از مولانا اخلاق حسین قاسمی، مکتبہ رحمت عالم دہلی ۱۹۸۸ء۔ حضرت جان جاناں کے الفاظ ہیں: وباید دانست کہ بحکم آیت کریمہ 'وان من امۃ الا خلا فیہا نذیر' و کریمہ 'ولکل امۃ رسول' و آیات دیگر در ممالک ہند نیز بعثت انبیاء و رسل واقع شدہ است' کلمات طیبات (مشتمل بر مکتوبات مرزا صاحب و دیگر' صفحہ ۲۰، مطبع مجتبائی دہلی۔ (جاننا چاہیے کہ آیت کریمہ 'ہر قوم میں کوئی نہ کوئی ڈرانے والا ضرور رہا ہے' اور آیت کریمہ 'ہر قوم کے لیے ایک نہ ایک رسول رہا ہے' نیز دیگر آیات کے بموجب ہندوستان اور اس کے مختلف علاقوں میں نبیوں اور رسولوں کی بعثت واقع ہوئی ہے) جبکہ مولانا ابوالکلام آزاد اہل ہنود کو خالص بت پرست نہ مان کر انھیں شبہ اہل کتاب اور مجوس وصابی سے بدرجہا بہتر و افضل قرار دیتے ہیں۔ جامع الشواہد فی دخول غیر المسلم فی المساجد۔ ۵۸، ۵۹، اعتقاد پبلشنگ کمپنی، دہلی۔ بار اول ۱۹۸۸ء۔

/// 8/7

کرلیتے ہیں۔ جن سے عقیدت وعبودیت کے آخری جذبات انتہائی طور پر وابستہ کردیئے گئے، جو صحیح معنوں میں ایک خدائے وحدہ لاشریک لہ کے لیے ہی روا ہوسکتے ہیں۔ ان اوتاروں کے ساتھ ہندو ذہن کے عقیدت وعبودیت کے جو جذبات وابستہ ہیں اس کا اندازہ دورِ جدید میں ہندو مذہب کے عظیم فلسفی اور مبلغ سوامی ویویکانند کی ایک نظم سے کیا جاسکتا ہے۔ اپنی منظومات کے مجموعہ میں ایک موقع پر وہ 'رام کرشن پربھو' کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام

تو ہے صفات سے بالا مگر صفات تمام
ہوئی ہیں آ کے مجسم تری ہی صورت میں
جنم مرن سے تجھے واسطہ نہیں لیکن
جہاں میں آیا ہے تو آدمی کے قالب میں
ہے پاک اور مقدس ترا مبارک نام
نجات بخش وخودی سوز رام کرشن پربھو
ترے ہی نام کی برکت سے بالیقیں اک دن
جگت کے جتنے بھی بندھن ہیں ٹوٹ جاتے ہیں
زباں پہ آئے نہ کیوں بار بار نام ترا
ہمیشہ سجدے ہوں نہ کیوں جبیں سے مری ادا

سلام اے مرے معبود تجھ کو میرا سلام[1]

دوسرے موقع پر رام کی عقیدت کے ساتھ بھگوان کرشن کے لیے انکے جذبات محبت و شیفتگی اس طرح ابلتے ہیں:

وہ آیا تھا جو رام بن کر کبھی   جسے آج تک پوجتے ہیں سبھی

---

[1] ترانۂ حق (منظومات ویویکانند) ترجمہ دھرم سروپ /۷، ۸۔ رام کرشن مشن، نئی دہلی، بار اول ۱۹۶۶ء

اسی نے لیا روپ پھر کرشن کا   برائی کا پھر ناش آ کر کیا
وہی روح اعلیٰ وہی رام کرشن   پھر آیا ہے بن کر سری رام کرشن
تجھے روح اقدس مکرر سلام   تجھے نور مطلق مکرر پرنام
تو ملجا و ماوائے جن و بشر   ہو مجھ پر رحمت کی تیری نظر
نہ ابھرا ترے من میں نقش دوئی   تو وحدت ہی وحدت خودی ہی خودی[1]

خدا کے یہ اوتار ایک دو نہیں بے شمار ہیں[2]۔ دوسری بعض اور چیزوں کی طرح اوتار واد کا یہ عقیدہ ہندو مت کی جان ہے۔ دورِ جدید کے تمام ہندو فلاسفہ اور مفکرین اس نظریہ کے قائل اور اس کے حمایتی ہیں[3]۔ یہ الگ بات ہے کہ ہندو مذہب نے جس طرح شرک و بت پرستی کے معاملہ میں انسان اور جانور ہر ایک کی بندگی اور پرستش میں مبتلا ہو کر شرف انسانیت کو داغدار کیا اور اپنے آپ کو نیچے گرایا ہے، اوتار واد کے اس عقیدہ میں بھی وہ اپنے کو پستی میں گرنے سے روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے، چنانچہ وشنو خدا جنھوں نے رام اور بھگوان کرشن کی عظیم انسانی شکلوں میں اوتار لیا وہ نرسنگھ اوتار کی صورت میں شیر کی شکل میں بھی اوتار لیتے ہیں[4]۔ یہی نہیں بلکہ دوسرے موقع پر وہ ناپاک و نجس سور کا بھی اوتار لیتے ہیں[5]۔

شرک و بت پرستی اور وحدۃ الوجود کا ملحدانہ فلسفہ اگر عملی زندگی میں انسان کو بے قید و بے مہار بناتا ہے تو اوتار واد کا یہ عقیدہ بھی انسان پرستی کی صورت اختیار کر کے عملاً شرک و بت پرستی کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے۔

۳۔ آواگون :

ہندو مذہب کا تیسرا مقبول عام تصور 'آواگون' ہے جسے پنر جنم، تناسخ ارواح اور انگریزی میں (INCARNATION) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہندو مت کے اولین ماخذ

---

[1] حوالہ سابق/۱۱۹ ، [2] تفصیل کے لیے دیکھئے 'ہندو مت اور توحید' ص ۸۰، ۸۱

[3] حوالہ مذکور/۲۲، [4] حوالہ سابق/۸۳ ، [5] حوالہ سابق/۸۲

ویدوں میں 'آواگون' کا سراغ نہیں ملتا۔ ویدوں میں آواگون یا تناسخ کا نظریہ نہیں ملتا۔ بلکہ اس میں اسلام کی طرح پترلوک (عقیدۂ آخرت) کا تصور پایا جاتا ہے۔[1] لیکن آگے سوتر کے زمانہ میں (सूत्र काल) پترلوک کے تصور کے ساتھ 'آواگون' کا نظریہ بھی سامنے آجاتا ہے اور اس سے آگے پرانوں کا دور آتے آتے پرلوک اور آواگون دونوں نظریات ساتھ ساتھ چلنے لگتے ہیں۔[2] آج کے دور میں تمام ہندو فرقوں کے متفق علیہ عقائد کی یہ تیسری اہم ترین دفعہ ہے۔[3] دورِ جدید کا سوامی وویکانند جیسا عظیم ہندو فلسفی اس نظریہ کی صداقت کا قائل ہے،[4] اور گاندھی جی جیسا راسخ العقیدہ ہندو اس کی سچائی کو تسلیم کرتا ہے۔[5] موجودہ زمانہ میں ہندو مت میں اصلاحی تحریک 'آریہ سماج' کے بانی سوامی دیانند سرسوتی بھی آواگون کو تسلیم کرتے ہیں۔[6] آج کے روشن خیال، بین الاقوامی شہرت یافتہ ہندو مفکر اور فلسفی آچاریہ رجنیش نے بھی تناسخ کی باتیں کی ہیں۔[7]

آواگون یا پنر جنم کے اس عقیدے کا مطلب ہے کہ اسلام کی طرح آدمی موت اور اس کے بعد برزخی زندگی گزار لینے کے بعد قیامت کے روز خدا کے حضور آخری جواب دہی کے لیے نہیں کھڑا ہوگا، اس عقیدے کی رو سے آتما ایک بدن کے بعد دوسرے بدن میں برابر بود و باش کرتی رہتی ہے اور یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اس سلسلے

---

1. تفصیل کے لیے دیکھیے مولانا محمد فاروق خاں کی کتاب 'تصور آخرت اور ہندوستانی روایات' ... مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی بار دوم ۱۹۸۶ء، نیز: ہندو مت اور توحید/ ۲۶ بحوالہ بالا۔

2. تصور آخرت اور ہندوستانی روایات/ ۲۵۔

3. ہندو مت اور توحید/ ۲۰

4. حوالہ سابق/ ۲۰

5. حوالہ مذکور/ ۲۰

6. حوالہ سابق/ ۹۶

7. بحوالہ: مولانا محمد فاروق خاں: ہندو دھرم کی جدید شخصیتیں/ ۳۰۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔ بار اول ۱۹۸۳ء

کے جاری رہنے میں دلچسپی نہیں رہتی۔ اس صورت میں وہ آزاد ہو جاتی اور پھر پیدا نہیں ہوتی۔[1] اس کی دوسری توجیہ کے مطابق انسان اپنے اچھے یا برے اعمال کی جزا اور سزا پانے کے لیے اسی موجود دنیا میں بار بار جنم لیتا ہے۔ اپنے عمل کے لحاظ سے کبھی وہ انسان کے قالب میں پیدا ہوتا ہے اور کبھی جانور اور کیڑے مکوڑے یا پیڑ پودے کی شکل میں دنیا میں پلٹ کر آتا ہے۔[2] منوسمرتی میں 'دوج' دوسرا جنم پانے والی ذاتیں صرف برہمن، چھتری اور ویش کو قرار دیا گیا ہے، چوتھی ذات شودر کا صرف ایک ہی جنم ہے۔[3] اس سے بھی آواگون کے نظریہ کا صاف اشارہ نکلتا ہے۔

آواگون یا تناسخ کا یہ عقیدہ انسان کی عملی زندگی پر جو دوررس اثرات مرتب کرسکتا ہے، اس کا اندازہ پہلی نظر میں کیا جاسکتا ہے۔ اس کی پہلی توجیہ کی رو سے کہ انسانی روح ایک بدن میں بار بار منتقل ہوتی رہتی ہے، انسان اپنے اچھے یا برے عمل کے اعتبار سے لگاتار اور مسلسل اچھے یا برے انسانوں کی صورت میں پیدا ہوتا رہتا ہے۔ اچھا انسان اپنے اچھے عمل کی وجہ سے اچھا اور برا انسان اپنے برے عمل کی وجہ سے برے انسان کی شکل اختیار کرتا رہتا ہے۔ انسان کی برائی بہت بڑھ جائے تو برائی کے درجے کے اعتبار سے وہ اچھے اور برے جانور یا دوسرے ذی روح کی صورت میں جنم لینا شروع کر دیتا ہے۔ اس صورت میں جانور اور دوسری ذی ارواح کے لیے گنجائش ہے کہ وہ اپنے اچھے کرم کے نتیجے میں ادنیٰ ذی روح جانور اور کیڑے مکوڑے سے ترقی کر کے اعلیٰ ذی روح 'انسان' کی صورت

---

[1] آواگون کی سوامی ویویکا نند کی تشریح بحوالہ ہندومت اور توحید/۱۹۔

[2] تصور آخرت اور ہندوستانی روایات/۲۲، محولہ بالا

[3] منوسمرتی (۱۰: ۴۰)، مطبع نول کشور، کانپور، طبع دوم، منوسمرتی کے دوسرے اشلوک میں بھی اس کی صراحت ہے: "ہاتھی، گھوڑے، شودر، قابل نفرت ملیچھ لوگ، شیر، تیندوے اور سور (تناسخ کے) وہ ادنیٰ مدارج ہیں جو تاریکی سے حاصل ہوتے ہیں۔" (۱۲: ۴۳) بحوالہ الجہاد فی الاسلام از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ۲۶۶، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ار بنجم ۱۹۸۸ء

اختیار کرے۔ یہاں تک کہ اس سلسلے سے دلچسپی باقی نہ رہ کر وہ اپنے آپ اس کو موقوف کر کے آزاد ہو جائے۔ آواگون کی دوسری توجیہ میں انسان اپنے انتہائی برے کرم کے نتیجہ میں دوسرے جنم میں جانور اور کیڑے مکوڑے ہی نہیں پیڑ پودے اور گھاس پھوس کی صورت میں بھی ظاہر ہو سکتا ہے۔ شودر کا تو خیر ایک ہی جنم ہے جو کبھی تبدیل نہیں ہو سکتا لیکن دو بج ذاتیں اپنے اچھے یا بُرے عمل سے اپنی ذاتوں کو نیچا اور اونچا کر سکتی، اسی طرح دنیوی مرتبہ اور دنیوی راحت و آسائش کے اعتبار سے اعلیٰ اور اسفل مقام پر فائز ہو سکتی ہیں۔ اپنے کسی انتہائی بُرے عمل کے نتیجے میں برہمن چھتری اور ویش، گائے بیل اور بھینس کی صورت میں بھی جنم لے سکتے ہیں۔ ان کا کرم اور بگڑے تو یہ کیڑے مکوڑے ہی نہیں گھاس پھوس اور پیڑ پودے کی صورت بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ نباتات وحیوانات انسانی زندگی کی عظیم نعمت ہیں۔ کثرت آبادی کے مسائل سے دوچار آج کی مہذب دنیا کی حکومتوں کے منشور کی اہم ترین دفعہ پیداوار میں اضافہ اور جانوروں کی افزائش نسل ہے ہند وعقیدے کے اس فلسفہ آواگون سے گناہ اور جرائم کی تو حوصلہ افزائی ہوتی ہی ہے، انسانوں کی جتنی بڑی تعداد جتنی کثرت سے جرائم اور گناہوں کا ارتکاب کرے گی، دنیا میں جانوروں اور پیداوار کی اتنی ہی کثرت ہو گی جس سے دور جدید کی آبادی کے مسائل کا ایک بڑا حل نکلے گا، فلسفہ آواگون کے اس طرح کے دوسرے اثرات ونتائج کے علاوہ اس کا سب سے صریحی تقاضا ہے کہ دنیا میں کسی مصیبت زدہ، پریشان حال اور دکھ کے مارے انسان کے معاملہ میں کوئی دلچسپی نہ لی جائے۔ اپنے پہلے جنم میں اس نے پاپ اور گناہ کے جو کام کیے ہیں، اس دوسرے جنم میں وہ ان کا بھگتان کر رہا ہے، پھر کسی مفلوک الحال کے کام آنے میں اور اسے دکھ درد کی حالت میں دیکھ کر کسی اضطراب اور پریشانی کی کیا ضرورت ہے[1]

---

[1] جیسا کہ مہابھارت میں ایک موقع پر صاف طور پر اس کی تلقین بھی کی گئی ہے، ملاحظہ ہو، پرلوک کی چھایائیں (ہندی) ۱۴۱/۱، ۱۴۲۔ از مولانا محمد فاروق خاں، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی دوسری بار ۱۹۸۳ء۔ انسانی زندگی پر نظریہ آواگون کے دیگر منفی اثرات =

ہندومت کے اس فلسفۂ آواگون کے بعد خدمت خلق اور انسانی ہمدردی کی اس کی تعلیمات کی کوئی معنویت باقی نہیں رہتی۔ تناسخ کا یہ نظریہ اس تمام دفتر بے معنی پر انتہائی بے ہمدردانہ خط نسخ پھیرتا ہے۔ سوامی وویکانند ایک موقعہ پر خدمت خلق کو سب سے بڑی عبادت قرار دیتے ہیں:

خدا کے بندوں کی خدمت نماز وحدت ہے
کسی کے غم میں تڑپنا ہی بس ریاضت ہے
خدا کی خلق سے کترا کے جستجو اس کی
جہاں میں سب سے بڑا کفر ہے جہالت ہے
تو آج خدمت خلق خدا پہ لا ایمان[۱]

پند و نصیحت کے اس پورے طومار کو 'تناسخ' کی ایک چنگاری ہی خاکستر کر دینے کیلئے کافی ہے[۲]

۴۔ ورن آشرم:

ہندو عقائد کی چوتھی اہم ترین دفعہ اس کا 'ورن آشرم' یعنی طبقاتی نظام کا تصور ہے جس کا مطلب ہے کہ دنیا کے سارے انسان اپنی پیدائش اور خلقت کے اعتبار سے مساوی اور برابر (EQUAL) نہیں ہیں۔ بلکہ اس کائنات کے خالق 'برہما' نے ان کی پیدائش کے اول دن سے ان کو ناقابل عبور چار مختلف ورنوں (ذاتوں) میں پیدا کیا ہے۔ "انسانوں میں سب سے اونچا درجہ برہمن کا ہے جسے برہما نے اپنے منہ سے پیدا کیا ہے۔

۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی: اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی صفحات ۲۶۵ تا ۲۶۸ مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی بار اول (اگست ۱۹۶۲ء) نیز: پرکاش کی چھایا میں (ہندی) صفحات ۱۴۱ تا ۱۲۶ محولہ بالا۔

[۱] ترانۂ حق (منظومات وویکانند) ۸۱/۱، محولہ بالا۔

[۲] اسلام کے نقطۂ نظر سے آواگمن کے مسئلہ پر مزید مطالعہ کے لیے: مولانا ابو محمد امام الدین رام نگری۔ آواگمن کی حقیقت مکتبہ الحسنات، دہلی۔

اس کے بعد درجہ چھتری اور ویش کا ہے جنہیں بہ ترتیب بانہہ اور ران سے اس نے پیدا کیا ہے۔ شودر کا درجہ سب سے نیچا ہے جسے 'برہما' نے اپنے پاؤں سے پیدا کیا ہے"۔ ہندومت میں ویدوں کے بعد درجہ سمرتیوں کا ہے اور سمرتیوں میں سب سے زیادہ اہمیت منو کی سمرتی کی ہے۔ منو کی اسی سمرتی میں 'ورن آشرم' کی یہ تفصیل پیش کی گئی ہے[1]۔ ہندومت کی یہ طبقاتی تقسیم کتنی جارحانہ، ظالمانہ، یکطرفہ اور وحشت ناک ہے۔ اس کا اندازہ منوسمرتی میں پیش کردہ اس سلسلے کی دوسری دفعات سے ہوتا ہے۔ بڑے مرتاض برہما نے ان چاروں ورنوں کے جو فرائض منصبی الگ الگ قرار دیئے ہیں ان میں شودر کا ایک ہی کرم ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ صدق دل سے بقیہ تینوں ورنوں کی خدمت کرے[2]۔ دنیا میں برہمن سب سے افضل ہے[3] اور سب چیزوں کا مالک برہمن ہو سکتا ہے[4]۔ برہمن کے نام کا پہلا حصہ تقدس کو ظاہر کرے، چھتری کا طاقت کو، ویش کا دولت کو اور شودر کا ذلت کو[5]۔ شودر کی لڑکی کو اپنے پلنگ پر بٹھانے سے برہمن نرک میں جاتا ہے[6]۔ جو کوئی شودر کو دھرم کی تعلیم دے گا اور اسے مذہبی مراسم ادا کرنا سکھائے گا وہ اس شودر کے ساتھ ہی رسم ورت نامی جہنم میں جائے گا[7]۔ اگر برہمن بھولے سے شودر کا کھانا کھالے تو تین دن تک روزہ رکھے اور اگر عمداً کھالے تو اس کا وہی کفارہ ادا کرنا چاہیئے جو حیض، پیخانہ یا پیشاب پینے اور کھانے والے کے لیے مقرر ہے[8]۔ اگر کسی برہمن کی اپنی ذات کا آدمی موجود نہ ہو تو اس کی میت

---

[1] منوسمرتی: ادھیائے ۱: ۹۳ اور ۱: ۳۱ - محولہ سابق

[2] ادھیائے: ۱: ۹۱۔

[3] ۱: ۹۳

[4] ۱: ۱۰۰

[5] ۲: ۳۱

[6] ۳: ۱۷،

[7] ۴: ۸۱

[8] ۴: ۲۲۲

کو شودر کے ہاتھ سے نہ اٹھوانا چاہیئے، کیونکہ جو مراسم تجہیز ایک شودر کا ہاتھ لگنے سے آلودہ ہو جائیں، وہ بہشت کی طرف نہیں جا سکتے[۱]۔ مزید براں: "برہمن کی خدمت میں لگا رہنا شودر کا سب سے بہتر کام ہے اس کے سوا جو کام وہ کرے گا وہ اسے کچھ فائدہ نہ دے گا[۲]۔ شودر ذات کا ہر آدمی خواہ وہ خریدہ ہو یا ناخریدہ برہمن اسے اپنی خدمت پر مجبور کر سکتا ہے کیوں کہ اس کو واجب الوجود نے برہمن کی غلامی ہی کے لیے پیدا کیا ہے[۳]۔ اس سے بھی آگے اگر شودر ایک دویج کی شان میں گستاخی کرے تو اس کی زبان کاٹ دی جائے، کیونکہ وہ برہما کے حصہ اسفل سے پیدا ہوا ہے[۴]۔ اگر وہ اس کا نام اور اس کی ذات کا نام لے کر توہین کرے تو دس انگل لمبی لوہے کی سلاخ آگ میں سرخ کر کے اس کے حلق میں اتار دی جائے[۵]۔ آخری بات یہ کہ اگر برہمن کسی بلی یا نیولے یا چوہے یا مینڈک یا کتے یا چھپکلی یا الو یا کوّے کو مار ڈالے تو اس کا وہی کفارہ ہے جو شودر کو مارنے پر مقرر کیا گیا ہے[۶]۔

ورن آشرم کا یہ فلسفہ ہندو مت کا متفق علیہ عقیدہ ہے۔ یہاں تک کہ ہندو مت میں اصلاحی تحریک کے موجودہ دور کے سب سے بڑے علم بردار آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرتی بھی چاروں ورنوں کی تقسیم اور ان کے مذکورہ بالا فرائض کے قائل ہیں[۷]۔ حکومت و سیاست کی ضرورت سے موجودہ ہندو سماج میں پوری ہندو قوم کی برابری اور مساوات (EQUALITY) کا نعرہ جس زور سے بھی لگایا اور اس کا علم بلند کیا جائے،

۱؎ ۵: ۱۰۴ ۲؎ ۱۰: ۱۲۳ ۳؎ ۸: ۴۱۳

۴؎ ۸: ۲۷۰ ۵؎ ۸: ۲۷۱

۶؎ ۱۱: ۱۳۲، منو سمرتی کا مطبع نول کشور کا لالہ سوامی دیال صاحب کا محولہ بالا ترجمہ ھندی آمیز بہت ہے۔ اس کی تسہیل کے لیے اصل کے ساتھ ہمارے پیش الجہاد فی الاسلام ص ۳۶۵ تا ۳۷۲ ہے۔ اپنی سہترائی کے باعث معمولی تغیر کے ساتھ یہ ترجمہ تمام تر ہم نے اسی کتاب سے مصنف کتاب مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا لے لیا ہے۔

۷؎ ھندو مت اور توحید/ ۷۶۔

طبقاتی تقسیم کے فلسفہ کے بغیر ہند مذہب کا کوئی تصور نہیں ہے۔ مستند ہندو مذہب سناتن دھرم کی یہ ایک کلیدی اور اہم ترین دفعہ ہے۔ آج پوری کے شنکر آچاریہ جو کھلے بندوں اس نظام کے وکیل اور حمایتی ہیں تو ان کی یہ وکالت و حمایت بے وجہ اور بے بنیاد نہیں ہے۔[۱]

اسلام کے انسانی بھائی چارے اور عالمی مساوات کے تصور سے جس کی وضاحت ہم آگے کریں گے[۲] 'ورن آشرم' کا نظریہ جس قدر متبائن اور متضاد ہے، اس کے ہوتے ہوئے تمام مذاہب کو یکساں برحق اور ان کی منزل ایک قرار دینے کا 'وحدت ادیان' کا آج کا مروجہ فلسفہ کس قدر حقیقت کے خلاف ہے۔ اس پر کسی تبصرے اور نقد و نظر اور کسی مزید تشریح و تفصیل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

بدھ مت اور جین مت :

ہندوستانی مذاہب میں بدھ مت اور جین مت کو 'وحدت ادیان' کے اس فلسفہ پر وہ اصرار نہیں ہے جو ہندو مت کے لوگوں کو ہے، لیکن مذاہب کے بنیادی اور جوہری اختلاف کے مطالعہ میں ان کے اساسی عقائد و تصورات پر بھی ایک نظر ڈالنی ضروری ہے یوں بھی ہندو مذہب کے عظیم رہنما و فلسفی ان دونوں مذاہب کو اپنے مذہب کا جزو قرار دیتے ہیں[۳] اس مناسبت سے بھی ہندو مت کے بنیادی عقائد و تصورات کے ساتھ بدھ مت

---

[۱] شنکر آچاریہ کے ان خیالات کے لیے ملاحظہ کیجئے سہ روزہ دعوت نئی دہلی یکم جولائی ۱۹۸۸ء بحوالہ نوبھارت ٹائمس ۲۲ر جون ۱۹۸۸ء۔ مولانا سید حامد علی صاحب کے تازہ رسالے 'نسلی امتیازات، مختلف سماجوں میں' میں بھی سہ روزہ مذکور کا مذکورہ حوالہ موجود ہے صفحات ۲۳، ۲۴۔ ادارۂ شہادت حق نئی دہلی۔ طبع اول ۱۹۸۸ء

[۲] اسلام کے انسانی بھائی چارے اور عالمی مساوات کے تصور پر الگ تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب 'اسلام کا تصور مساوات' مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، بار اول ۱۹۸۵ء

[۳] ہندو مت اور توحید/۲۰۔ محولہ بالا نیز بدھ مت اور شرک/۷، ۸۔ ادارۂ شہادت حق، میرٹھ، طبع اول ۱۹۶۲ء۔ اس رسالہ

اور جین مت کے اساسی افکار پر نگاہ ڈالنی مناسب ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ اپنے بنیادی عقائد و افکار کے سلسلے میں ان دونوں مذاہب کا معاملہ مختلف پہلوؤں سے ہندومت سے بھی زیادہ بھیانک اور وحشت ناک ہے۔ شرک و بت پرستی اور عقائد کی دوسری ناہمواریاں ان دونوں مذاہب کا مشترک سرمایہ ہیں ہی ان کا سب سے بڑا سانحہ ان کی خدا بیزاری اور الحاد اور انکار خدا ہے۔ چنانچہ بدھ مت کی اصل دلچسپی اس سے ہے کہ لوگوں کو غم سے نجات ملے۔ بدھ روایات اگرچہ خالق کے وجود کا صاف صاف انکار نہیں کرتیں لیکن انھیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ کائنات کو کس نے پیدا کیا ہے۔ خالق کی ہستی کے معاملہ میں بدھ مت کا رویہ لاادریت (Agnosticism) کا رویہ ہے[1] نتیجہ کے طور پر اگر کائنات کے خالق سے بے اعتنائی الحاد ہے تو بدھ مت یقیناً ملحدانہ مذہب ہے[2]۔ بدھ ذہن کو توحید نے کبھی اپیل نہیں کیا، بدھ مت کے پیرووں میں کائنات کی اصل و علت سے کبھی کوئی دلچسپی پیدا نہیں ہوئی[3] بدھ مت کی چار مقدس صداقتوں کو اس طرح مرتب کیا گیا ہے کہ اس میں خدا کی ضرورت کہیں پیش نہیں آتی، یہی نہیں بلکہ گوتم بدھ تمام الہیاتی اور مابعد الطبیعیاتی مسائل و مباحث سے دامن بچا کر نکل جانا چاہتے ہیں چنانچہ انھوں نے دنیا کے فانی و غیر فانی ہونے اور جسم و روح کے جملہ مسائل پر بحث سے یکسر گریز کیا ہے[4]

الحاد اور انکار خدا کے ساتھ بدھ مت میں شرک و بت پرستی بھی اپنی پوری جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ چنانچہ بدھ روایات کو جوں کا توں تسلیم کر لیا جائے تو گوتم بدھ نے خود شرک کی تعلیم دی۔ جس کے نتیجہ میں وہ مذہب جو مابعد الطبیعیاتی مسائل اور الہیاتی مباحث سے دامن بچا کر گزرنا چاہتا تھا وہ سرتاپا شرک میں غرق ہو گیا، ہندو

= کا ادارہ مذکور کا نئی دہلی، طبع چہارم ۱۹۸۸ء کا ایڈیشن بھی ہمارے پیش نظر ہے۔ لیکن ان دونوں ایڈیشنوں میں کوئی فرق نہ ہو کر حوالہ پہلے میرٹھی ایڈیشن ہی کے مطابق ہے۔

[1] بدھ مت اور شرک /۲۳، [2] حوالہ سابق /۲۴، [3] حوالہ مذکور /۲۷، [4] حوالہ سابق /۲۹

میتھالوجی کو اپنانے کے علاوہ اس نے ہر علاقہ کے مقامی دیوتاؤں کو اپنایا، خود گوتم بدھ کو خدائی کا بلکہ آگے بڑھ کر خدائے اعظم کا مقام دے دیا گیا، مزید برآں 'بدھ' اور 'بدھ ستو' کے نام سے بہت سی شخصیتیں فرض کی گئیں اور ان سب میں خدائی صفات مان لی گئیں۔ یہاں تک کہ بدھ مذہب کی اپنی مشرکانہ میتھالوجی اور اس کا ایسا مشرکانہ نظام پرستش تیار ہوگیا جو کسی بھی دین شرک سے کم تر نہیں۔ اور یہ ساری مشرکانہ چیزیں گوتم بدھ کے ملفوظات اور بدھ گرنتھوں میں موجود ہیں۔[1] بدھ روایات کی رو سے بت مراقبہ کا محل بننے کے لیے اہم چیز ہے اور کردار پیدا کرنے کے لیے اہم ذریعہ۔ مقدس بتوں کو بنانا اور ان کی تعداد بڑھانا بہت زیادہ بلند کرداری کا کام ہے، کسی قوم کی خوشحالی کا دار و مدار ان بتوں کی تعظیم و تکریم پر ہے۔[2]

اسی طرح بدھ مت میں دیوی دیوتاؤں کا تصور بھی پوری طرح موجود ہے۔[3] بدھ لوگ ہندو دیوتاؤں کی پرستش پوری شد و مد سے کرتے تھے۔[4] اس کے ساتھ ہی مذہبی توہمات اور مشرکانہ دیومالائیت بھی بدھ مت کے اندر نمایاں طور پر پائی جاتی ہے۔ چنانچہ آج بدھ مت جس مذہب سے عبارت ہے اس میں فلسفہ اور روحانیت کی بلند پروازیوں کے ساتھ مذہبی توہمات، مشرکانہ دیومالائیت (Mythology) اور گوتم بدھ اور دوسرے حقیقی و فرضی موجودات کی پرستش کا لامتناہی سلسلہ ہے اور نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ جنتر منتر، ٹونے ٹوٹکے اور جادو کا ایک پورا طلسماتی سسٹم اپنی مادی اور روحانی افادیت و اہمیت کے دعوی کے ساتھ اس میں شامل ہے۔[5] بدھ مت میں وحدۃ الوجود کا عکس بھی صاف دکھائی دیتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کی سرزمین اس نظریہ باطل کے لیے انتہائی زرخیز ہے۔ چنانچہ بدھ مت میں اس کے بدھ (عارف) اور بدھی ستو (بالقوۃ عارف) عملاً خدائی کا درجہ اختیار کر لیتے ہیں۔[6] تانترک بدھ مت میں گرو کے ذریعہ دیوتاؤں کا مراقبہ و

---

[1] حوالہ مذکور/۳۰، [2] حوالہ سابق/۴۳، [3] حوالہ مذکور/۳۱، ۴۴،
[4] حوالہ سابق/۴۴، [5] حوالہ مذکور/۲۱، ۴۲، [6] حوالہ سابق/۵۳ تا ۲۲

مشاہدہ کرتے کرتے انسان خود خدا بن جاتا ہے۔ انسان خود دیوتا بن جاتا اور موضوع معروض سے مل جاتا ہے۔ معتقد اعتقاد سے، پرستش، پرستار اور معبود الگ الگ نہیں رہتے[1] تناسخ اور آواگون کا تصور بھی بدھ مت میں موجود ہے[2]۔

ہندو مت کے مطالعہ میں شرک و بت پرستی کی تاثیر کے سلسلے میں بات آچکی ہے کہ اس کی موجودگی میں خدا کا اقرار ہو بھی تو وہ بالکل غیر موثر اور بے معنی ہو جاتا ہے اور اس عقیدہ کا پیرو انی عملی زندگی میں بالکلیہ آزاد و بے مہار رہتا ہے۔ بدھ مت کے بھرپور الحاد اور انکار خدا کے عقیدہ کے ساتھ اس گمرہی کی تاثیر جس قدر دوبالا اور قوی ہوگی اس کے سلسلے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پوری زندگی اور اس کے جملہ معاملات میں ایک خدا کی بندگی و اطاعت کے علم بردار اسلام سے جس کے لیے شرک و الحاد کا تصور بھی محال ہے، ہندو مت کی طرح بدھ مت کا جو ٹکراؤ ہے وہ بالکل سامنے کی حقیقت ہے۔ اسی طرح اسلام کے نکھرے ہوئے تصور آخرت سے آواگون اور تناسخ کے نظریہ کا جو ٹکراؤ ہے وہ بھی کسی تبصرہ کا محتاج نہیں ہے اور ہندو مت کی طرح بدھ مت بھی اس کا اقراری اور قائل ہے۔

الحاد و خدا بیزاری میں جین مت کا معاملہ بدھ مت سے بھی بدتر ہے۔ جس کا آغاز ہی اس عالم کی ابدیت اور خدا کے انکار سے ہوتا ہے۔ چنانچہ جین دھرم کی رو سے یہ دنیا ازلی و ابدی ہے، اس کی نہ کوئی ابتداء ہے، نہ انتہا، صرف وقت کے لحاظ سے اس کی حالت بدلتی رہتی ہے[3]۔ اس دنیا کا کبھی آغاز ہوا ہے اور نہ کبھی اس کا خاتمہ ہوگا[4]۔ یہ دنیا ازلی ہے۔ کوئی خاص علیحدہ طاقت اس کی خالق و منتظم نہیں ہے[5]۔ ہندوستان کے تمام بڑے غیر جینی محقق جین مت کو ناستک (خدا کا منکر) سمجھتے ہیں۔ جینی

---

[1] حوالہ مذکور/۴۶، [2] حوالہ سابق/۳۷، [3] جین مت اور خدا پرستی/۸، از (مولانا) سید حامد علی۔ ادارۂ شہادت حق، نئی دہلی طبع سوم ۱۹۸۶ء۔ اس مذہب پر اردو زبان میں ابتک یہ شاید پہلا رسالہ ہے۔ مولانا سید حامد علی صاحب کے سلسلہ مذاہب کے دیگر رسائل کی طرح یہ رسالہ بھی بلحاظ ضخامت کمتر اور بقیمت بہتر ہے۔ [4] حوالہ سابق/۱۲، [5] حوالہ مذکور/۲۹

مصنفوں اور رہنماؤں کے نزدیک کوئی خدا خالق، منتظم اور مجازی نہیں ہے[1]۔ جینی کسی خدا پر جو شروع سے ہو، ہر جگہ ہو، ہر چیز کو جانتا ہو، قادر مطلق ہو، ساتھ ہی کائنات کا خالق بھی ہو، یقین نہیں رکھتے[2]۔

الحاد اور انکار خدا کی طرح بت پرستی اور مورتی پوجا میں بھی جین مت کو بدھ مت پر فوقیت حاصل ہے۔ بنیادی طور پر جینیوں کے دو ہی فرقے ہیں، دگمبر اور سویتامبر اور یہ دونوں ہی مورتی کی پوجا کرنے والے ہیں[3]۔ جینی عام طور پر اپنے بزرگوں تیرتھنکروں کی مورتیاں بنا کر ان کی پرستش کرتے ہیں، سوامی دیانند سرسوتی کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ مورتی پوجا کی ابتدا جینیوں نے ہی کی اور انہی سے یہ ہندو مذہب میں داخل ہوئی ہے[4]۔ بدھ مت ہی کی طرح بلکہ اس سے کچھ آگے ہی بڑھ کر یہ شرک و بت پرستی و جودیت آمیز بھی ہے۔ چنانچہ جینی عقائد کی رو سے شدہ، مکتی یافتہ (نجات یافتہ) جیو (روح) ہی کا نام پرماتما ہے۔۔۔ وہ سنساری جیو کے لیے نمونہ بن کر اس کے راہ نجات میں رہبر کا کام دیتا ہے۔ اس لیے ہر انسان کو اپنی بہتری اور مکتی حاصل کرنے کے لیے اس کی پرستش واجب ہے۔ اس مذہب کے مطابق اس کے پیشوا تیرتھنکر، خدا ہیں[5]۔ مزید برآں جین مت میں خدائی کے مقام پر پہنچی ہوئی روحیں، جو تعداد میں بے شمار ہیں، خدائی کے مقام پر فائز ہو جاتی ہیں۔ فرد کی روح مسلسل مساعی کے بعد الوہیت کا مقام حاصل کر لیتی ہے۔ انسانی روح خارجی مادی کرموں سے پاک صاف ہو جانے پر خدائی کمال کے بلند ترین مقام پر پہنچ جاتی ہے۔ انسان آپ اپنی مدد پر بھروسہ کر کے خدا بن جاتا ہے[6]۔

جین مت دیوی دیوتاؤں کا بھی قائل ہے۔ اس کے دگمبر فرقے کے تیرتھنکر اور سویتامبر

---

[1] حوالہ سابق: ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۴ [2] حوالہ مذکور/ ۳۲، [3] حوالہ سابق/ ۲۴، [4] حوالہ مذکور/ ۲۷

[5] حوالہ سابق/ ۳۰،

[6] حوالہ مذکور/ ۳۲

فرقہ کے ۲۴ (چوبیسٹھ) دیوتا ہیں[1] اس کے ساتھ ہی مورتی پوجا میں جین مت ہندو مت کا پیش رو ہے[2] اس معاملے میں بدھ مت پر بھی اس کو سبقت حاصل ہے[3] جین مت آواگون کا بھی قائل ہے[4] بلکہ اس معاملے میں بھی وہ ہندو مذہب کا پیش رو ہے[5] اس کا خاص مظاہرہ عورت کے سلسلے میں ہوتا ہے۔ جین مت کی رو سے چونکہ استری کلی تیاگ نہیں کر سکتی اور وہ مرد کی بہ نسبت قدرۃً کمزور ہوتی ہے، لہٰذا جمع شدہ کرموں کے کاٹنے اور مکتی حاصل کرنے کے لیے جس قدر سخت تپسیا کی ضرورت ہے وہ اپنے موجودہ جسم میں نہیں کر سکتی، اس لیے اس کو پھر مرد کے قالب میں آنا پڑتا ہے۔ مرد کے قالب میں آکر تپسیا وغیرہ کر کے مکتی حاصل کر سکتی ہے[6] یہ دگمبر فرقے کا خیال ہے جس کی رو سے عورت کے قالب میں مکتی حاصل نہیں ہو سکتی، اس کے لیے مرد کے قالب میں جنم لینا ضروری ہے[7] عورت ہی کا معاملہ چنڈال اور شودر کا ہے کہ ان کے لیے بھی اپنے قالب میں نجات نہیں ہے[8]

چھوت چھات اور نابرابری کا تصور بھی جین مت میں موجود ہے۔ چنانچہ اس مذہب کے سویتامبر سادھو اگرچہ شودر کے گھر کا کھانا کھا لیتے ہیں، لیکن دگمبر سادھو اسے ناجائز خیال کرتے ہیں[9] شودر اور چنڈال کے سلسلے میں اوپر جو بات کہی گئی ہے اس سے بھی یہ حقیقت پوری طرح نمایاں ہے۔ پُنر جنم اور تناسخ کے علاوہ سماجی نابرابری کا بھی اس سے صاف اشارہ نکلتا ہے[10]

اپنے ان عقائد و افکار کے ساتھ خاص طور پر اسلام سے جین مت کا جو بُعد ہے

۳۰،۲۵

[1] حوالہ سابق /۳۵ ، [2] حوالہ سابق /۳۵ تا ۳۸، نیز /۴۰، [3] حوالہ مذکور /۳۸، [4] حوالہ سابق

[5] حوالہ مذکور /۴۰ ، [6] حوالہ سابق /۲۵، [7] حوالہ مذکور /۲۶، [8] حوالہ سابق /۲۷،

[9] حوالہ مذکور /۲۶، [10] عورت، شودر اور چنڈال کے سلسلے میں جین مت کا یہ تصور ہندو مذہب کی صدائے بازگشت معلوم ہوتا ہے۔ والمیکی کی رامائن میں جن چار طرح کے لوگوں کو پیٹے جانے کا مستحق قرار دیا گیا ہے ان میں ڈھول، احمق اور شودر کے ساتھ ایک عورت بھی ہے۔ بحوالہ ہندو مت اور توحید /۵۶ - محولہ بالا۔

وہ کسی تبصرے کا محتاج نہیں۔ عورت کے سلسلے میں اسلام کے موقف کی طرف اشارہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اسلام جس طرح کسی فرق و امتیاز کے بغیر بحیثیت نوع (SPECY) کے تمام انسانوں کی مساوات (EQUALITY) کا قائل ہے، بحیثیت صنف (SEX) اس نے مرد اور عورت کے درمیان بھی کوئی فرق نہیں رکھا ہے۔ بحیثیت صنف مرد اور عورت دونوں اس کے نزدیک یکساں احترام کے مستحق ہیں۔ دینی احکام کے دونوں یکساں طور پر مخاطب ہیں۔ خدائی احکام و ہدایات کی پیروی کر کے دونوں یکساں طور پر خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور دنیا و آخرت کی کامیاب و بامراد زندگی کی توقع کر سکتے ہیں۔ عورت کے سلسلے میں جین مت کی تعلیم کے پس منظر میں قرآن حکیم کی ان آیات کریمہ کا بہتر لطف اٹھایا جا سکتا ہے۔

۱۔ ومن یعمل من الصالحات من ذکر او انثیٰ وھو مومن فاولٰئک یدخلون الجنۃ ولا یظلمون نقیرا ہ (نساء: ۱۲۴)	اور جو کوئی نیکی کے کام کرے گا وہ مرد ہو کر عورت اور وہ ایمان والا ہوگا تو وہ یہ لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے اور ان کے ساتھ ذرہ برابر ناانصافی نہ کی جائے گی۔
۲۔ من عمل صالحا من ذکر او انثیٰ وھو مومن فلنحیینہ حیوٰۃ طیبۃ ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون ہ (نحل: ۹۷)	جو کوئی نیک کام کرے گا وہ مرد ہو کر عورت اور وہ ایمان والا ہوگا تو ہم اس کے لیے بہترین زندگی گزارنے کا سامان کریں گے اور ان کو ان کی کارگزاری کا بہترین بدلہ عطا کریں گے۔
۳۔ ومن عمل صالحا من ذکر او انثیٰ وھو مومن فاولٰئک یدخلون الجنۃ یرزقون فیھا بغیر حساب ہ (غافر: ۴۰)[1]	اور جو کوئی نیک کام کرے گا وہ مرد ہو کر عورت اور وہ ایمان والا ہو گا تو یہ وہ لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے جس میں انھیں بے حد و حساب روزی سے نوازا جائیگا۔

---

[1] نیز: آل عمران: ۱۹۵

ہم نہیں سمجھتے کہ مذاہب کے اس بنیادی اور جوہری اختلاف کے ہوتے ہوئے تمام مذاہب کے اتحاد و یکسانیت پر کیونکر اصرار کیا جا سکتا ہے اور وحدتِ ادیان کے فلسفہ کی وکالت آخر کس اساس پر کی جا سکتی ہے؟

سکھ مت:

ہندوستانی مذاہب کے اس مطالعہ میں سکھ مت کے بنیادی تصورات پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہیئے۔ ہندوستانی مذاہب میں سب سے کم عمر کل پانچ سو سالہ اس مذہب کا مطالعہ اس ضمن میں خاص طور پر اس لیے بھی ضروری ہے کہ اپنی اصل کے اعتبار سے وحدتِ ادیان کے فلسفہ کا یہ ہندو مت سے بھی زیادہ موید اور بڑا علمبردار ہے۔ ہندو مت میں وحدت ادیان کے فلسفہ کی کل اساس بھگوت گیتا کا یہ اشلوک ہے:

"لوگ جس شکل میں میری پرستش کرتے ہیں میں اسی شکل میں ان کی خبر گیری کرتا ہوں، لوگ بہت سی راہوں سے میری پرستش کرتے ہیں لیکن سبھی مجھ تک پہنچتے ہیں"[1]

سکھ مت میں یہ بات مزید قوت اور صراحت سے کہی گئی ہے۔ اس مذہب کے بانی گورو نانک م ۳۹/۱۵۳۸ء اس کی سب سے مقدس کتاب اپنی گرنتھ صاحب میں فرماتے ہیں:

"ہندوؤں کے چھ مکاتبِ فکر ہیں اور ہر ایک کا اپنا ایک گورو (بانی) ہے، تمام گوروؤں کا گورو ایک ہے لیکن اس کے مظاہر بہت سے ہیں، جس مکتبِ فکر میں بھی خالق کے کرشمے بیان کیے جائیں اسے اس طرح قبول کرو جیسے وہ تمہارا اپنا مکتبِ فکر ہو اسی میں تمہارا ارتقا ہے۔ سورج ایک ہی ہے لیکن موسم بہت سے ہیں..... اے

---

[1] بحوالہ سکھ مت اور توحید مصنفہ مولانا سید حامد علی/۲۲۔ ادارۂ شہادت حق میرٹھ ۱۹۶۴ء۔ اس ادارہ کا نئی دہلی کا ۸۹-۱۹۸۸ء کا شائع شدہ مطالعہ مذاہب کا نیا سٹ بھی ہمارے پیشِ نظر ہے لیکن دونوں ایڈیشنوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لیے پرانے ایڈیشن کے حوالہ میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھا گیا ہے۔

نانک! خدا ایک ہے اگرچہ اس کی شکلیں بہت سی ہیں؛[1]

اس مذہب کے دسویں اور آخری گورو گوبند سنگھ جنہیں سکھ مت میں خاص اہمیت اور ان کی تعلیمات کو مخصوص تقدس و احترام حاصل ہے وہ بھی 'وحدت ادیان' کے اس فلسفہ کو پورے زور اور صراحت سے پیش کرتے ہیں:

"مندر اور مسجد ایک ہی ہیں، ہندو پوجا اور مسلم نماز بھی ایک ہی ہیں"[2]

سکھ مت اگرچہ اپنی علیحدہ شناخت بنانے میں کامیاب رہا لیکن صحیح معنوں میں یہ مختلف مذاہب و مسالک کا آمیزہ ہے۔ ہندو مت اور بدھ مت کے علاوہ اس پر سب سے زیادہ اثر اسلام کا ہے[3] لیکن ان مختلف مذاہب کی تعلیمات کا مخلوط و آمیزہ تیار کرنے کی کوشش میں مذاہب کے بنیادی اور جوہری اختلاف کے نتیجے میں اس کے اندر بھی وہ بہت سی باتیں صاف طور پر در آئی ہیں جن کا دوسرے مذاہب سے کھلا ٹکراؤ ہے اور جو تمام مذاہب کی یکساں حقانیت اور ان کے یکساں موجب نجات و فلاح کے وحدت ادیان کے مزعومہ فلسفہ کے تار و پود بکھیر دینے کے لیے بالکل کافی ہیں۔

چنانچہ سکھ مت میں ایک طرف توحید کے عقیدہ پر غیر معمولی زور رہا ہے[4] لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے اندر ہندو مابعد الطبیعیات بھی پوری طرح دخیل ہے[5]۔ گورو نانک کے بہت سے دوہوں میں انسانی مساوات اور دوسری اسلامی تعلیمات کے ساتھ توحید کا خاص طور پر ذکر ہے[6] لیکن اس کے شانہ بشانہ وحدۃ الوجود کے تصور کو بھی اس مذہب میں بنیادی اہمیت حاصل ہے[7]۔ شرک کی طرف اس مذہب کا میلان بھی

---

[1] حوالہ سابق/۳۲، [2] حوالہ مذکور، [3] اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب مذکور صفحات ۱۲ تا ۱۵۔

[4] حوالہ سابق/۶، [5] حوالہ مذکور/۷، [6] حوالہ سابق/۶۔ مزید دیکھئے اسی کتاب کے صفحات ۳۴، ۳۵ اور ۵۱۔ وحدۃ الوجود کا اس مذہب میں کیا رنگ ہے، اس کا اندازہ گورو نانک کے ان اقوال سے کیا جاسکتا ہے ۱: "تم ہی میز ہو اور تم ہی قلم اور تم ہی تحریر۔ نانک کہتا ہے، بس تنہا تم ہی ہو، تمہارے سوا دوسرا کوئی نہیں ہے۔" ۲: "تم ہی بذاتِ خود پانی ہو اور تم ہی بذاتِ خود مچھلی، تم ہی بذاتِ خود جال ہو اور تم ہی نے خود جال پھینکا ہے۔" حوالہ مذکور/۳۵۔

سامنے کی حقیقت ہے[1] مشرکانہ تصورات اس کے اندر پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہیں[2] سکھ مت کی ایک تصویر یہ ہے کہ وہ اوتار واد کے خلاف ہے[3] لیکن ایک ہی سانس میں وہ اوتار واد کی تائید بھی کرتا ہے[4] اس کے گورو خدائی مقام کے حامل ہیں[5]۔ ایک موقعہ پر تو صاف طور پر گورو کو خدا کہا گیا ہے[6] ہر چند کہ سکھ مت کے دسویں اور آخری گورو گورو گوبند سنگھ نے اپنے پیروؤں کو انھیں "خدا" کہنے کی سختی سے ممانعت کی ہے[7] اس کے باوجود سکھوں نے اپنے گوروؤں کو خدا کا درجہ دے لیا[8]۔ شرک و بت پرستی کے علمبردار ہندو مت کی طرح یہ مذہب بھی دیوی دیوتاؤں کا قائل ہے[9]۔ بدلے ہوئے انداز میں یہ مذہب آواگون اور تناسخ ارواح کے نظریہ کو بھی تسلیم کرتا ہے[10]۔

شرک و بت پرستی اور اس سے ملحقہ یہ تصورات و نظریات انسانی زندگی پر جو منفی اثرات رکھتے ہیں اس پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ اس کے ساتھ ہی خاص طور پر مذہب اسلام سے ان عقائد و تصورات کا جو ٹکراؤ ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ سکھ مت ذات پات کے خلاف ہے[11] اور انسانی مساوات کا قائل ہے[12]۔ قطع نظر اس سے کہ ان خیالات میں یہ مذہب صاف طور پر اسلام سے متاثر ہے اور اس کے یہ تصورات دراصل اسلام ہی کی صدائے بازگشت ہیں۔ اس صورت میں اس کا ہندو مت اور جین مت سے کھلا ٹکراؤ ہے۔ ہندو مت کی بنیاد ہی ذات پات کے نظام پر ہے اور جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ہے جین مت بھی اس سماجی برائی کو اپنے اندر جگہ دیتا ہے۔ اسلام کے اثر سے سکھ مت میں عورت کو جو صنفی مساوات حاصل ہے کہ زندگی کی سرگرمیوں میں سرگرم حصہ لے کر وہ خدائے مطلق کو خوش کر سکتی اور

---

[1] حوالہ مذکور/۱۶، [2] حوالہ سابق/۸۱، ۹۱، ۹۳، [3] حوالہ مذکور/۲۹، ۶۳، ۶۵

[4] حوالہ سابق/۷۰، ۷۷، ۷۸، ۸۱، نیز ۹۱، ۹۲، ۱۰۸، ۱۱۱، [5] حوالہ مذکور/۱۶، نیز ۳۸، ۶۳، ۷۴ تا ۷۶

[6] حوالہ سابق/۱۷، ۲۰، [7] حوالہ مذکور/۶۵، ۷۳، [8] حوالہ سابق/۷۷، ۷۸۔

[9] حوالہ مذکور/۳۵ تا ۳۷، [10] حوالہ سابق/۲۷، ۲۹، ۳۲، ۶۶، [11] حوالہ مذکور/۲۸، ۳۰، ۵۴
[12] حوالہ سابق/۷۔

زندگی میں مردوں کے برابر مقام حاصل کرسکتی ہے[1]۔ یہ بھی ہندومت اور جین مت کے خلاف ہے۔ گزر چکا ہے کہ جین مت میں عورت عورت رہتے ہوئے نروان حاصل نہیں کرسکتی۔ اس کے لیے اسے مرد کے روپ میں دوسرا جنم لینا پڑتا ہے۔ ہندومت میں بھی اسے اونچا مقام حاصل نہیں۔ زندگی کی ابتدا اور زندگی کے مقصودِ اعظم کے حصول کے طریقے جیسے اہم ترین موضوعات کے سلسلے میں بھی سکھ مت کا دوسرے مذاہب سے بنیادی اور جوہری اختلاف ہے۔ مسیحیت کے مطابق زندگی کی پیدائش اور اس کا آغاز گناہ سے ہوا ہے۔ پہلے انسان آدم نے جنت میں ممنوعہ پھل کھا کر اس گناہ کا ارتکاب کیا۔ اس گناہ سے نجات کے لیے کسی سفارشی کی ضرورت ہے جو خدا کا بیٹا اور اس کا رسول ہی ہوسکتا ہے۔ مسیحؑ نے ان دونوں ہی حیثیتوں میں دنیا میں صلیب پر چڑھ کر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے اس سفارشی کا حق ادا کیا۔ سکھ مت کے نقطۂ نظر سے زندگی اپنی اصل کے اعتبار سے گناہ پر مبنی نہیں ہے[2]۔ اسی طرح ہندومت اور بدھ مت کے نزدیک زندگی کا مقصودِ اعظم اس دنیا کے خوش نما جال سے چھٹکارہ حاصل کرنا ہے جس کا طریقہ خواہشات سے چھٹکارہ حاصل کرنا اور اپنی ذات کو تپانا اور اسے لذتوں سے محروم رکھنا ہے۔ سکھ مت ان مذاہب کے برعکس ترکِ دنیا کا مخالف اور دنیوی مسائل میں حصہ لینے کا قائل ہے[3]۔

مختلف مذاہب کے درمیان ان بنیادی اور جوہری اختلافات کی موجودگی کے باوجود تمام مذاہب کی حقیقت ایک بتانا اور ان سب کو یکساں موجبِ نجات و فلاح قرار دینا مغالطہ انگیزی اور فریب دہی کے سوا کچھ نہیں۔

۱۔ حوالہ مذکور/ ۲۸۔ ۲۔ حوالہ سابق/ ۵۳

۳۔ حوالہ مذکور/ ۵۵۔ ہندومت سے سکھ مت کے ٹکراؤ اور مختلف مسائل میں ان دونوں کے مختلف و متضاد نقطہائے نظر کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے، جناب عباد اللہ صاحب گیانی کی تحقیقی کتاب 'ہندو دھرم۔ گورو نانک جی کی نظر میں'، الحمد پبلیکیشنز، دہلی، ۱۹۹۱ء

یہودیت اور عیسائیت :

اسلام کے نقطۂ نظر سے یہودیت اور عیسائیت کوئی الگ مذہب نہیں ہیں بلکہ ہمیشہ سے دین انسانیت ۔ اسلام ۔ کے اپنی آخری اور کامل شکل میں پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل، خاص زمانے اور خاص قوم کے لیے اسی دین النسانیت کی تفہیم وتبلیغ کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے دو جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ ان کے بعد ان کے نام نہاد پیرووں نے ان کی اصل تعلیمات میں تحریف اور بگاڑ پیدا کر کے ان کی شکل وصورت کچھ سے کچھ بنا ڈالی۔ پیروان موسیٰؑ نے اپنے مذہب کو یہودیت کا نام دے لیا اور پیروان مسیحؑ اپنے مذہب کو عیسائیت کے نام سے یاد کرنے لگے۔

اس حقیقت نفس الامری کے باوجود آج یہ مذاہب جیسے کچھ موجود اور اپنے ماننے والوں کے یہاں جانے جاتے ہیں، ان کے بنیادی عقائد وتعلیمات کا دوسرے مذاہب سے وہ حقیقی اور جوہری اختلاف ہے کہ اس کی موجودگی میں کسی بھی ہوش مند اور صاحب عقل وفہم سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ تمام مذاہب عالم کو یکساں برحق اور انھیں یکساں موجب نجات وفلاح باور کرنے کی جرأت کر سکے گا۔ آج ان مذاہب کے اولین مأخذ عہدنامۂ قدیم وجدید کے آئینے میں دوسرے مذاہب سے بنیادی اور جوہری اختلاف کی حامل ان کی تعلیمات کا عکس صاف نظر آجاتا ہے۔ اس سے ہٹ کر ان مذاہب کے پیرووں نے ان میں جو اضافے کیے ہیں اور جن اختلافی نکات کا اضافہ کیا ہے وہ اس پر مستزاد ہے جس نے ایک ہی سچے مذہب کے دو نمائندوں کی تعلیمات کو ایک دوسرے کی ضد قرار دے دیا اور اس کے الہامی کردار کو ختم کر کے اسے خودساختہ انسانی مذاہب کی صف میں لا کھڑا کیا۔

عیسائی عہدنامۂ قدیم وجدید دونوں کو برحق مانتے ہیں جبکہ یہودی صرف عہدنامۂ قدیم کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ زمانہ کی دستبرد اور انسانی تحریفات کے باوجود

آج بھی ان عہدناموں میں توحید و آخرت سے لے کر قانون و شریعت اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے ضمن میں وہ بہت سی باتیں ملتی ہیں جو خدا تعالیٰ کے نازل کردہ آخری دین اسلام سے بہت کچھ ہم آہنگ و مشابہ ہیں جس سے اس حقیقت کا سراغ لگتا ہے جس پر تفصیلی گفتگو آگے آتی ہے کہ قرآن کی طرح بنیادی طور پر ان عہدناموں کے صحائف کا منبع بھی ایک ہی اللہ کی ذات ہے جس نے آخری عالمی نبی صلعم سے پہلے انسانوں کی رہنمائی کے لیے ہر زمانہ میں اپنے برگزیدہ پیغمبر بھیجے اور انھیں اپنی تعلیمات سے نوازا۔ خاص طور پر قرآن اور عہدنامۂ قدیم و جدید کی مختلف پہلوؤں سے مشابہت و مشاکلت اور ان کی باہمی ہم رنگی و یک زبانی اس حقیقت کا سب سے نمایاں اور ظاہر و باہر ثبوت ہے۔

لیکن نام نہاد پیروان موسیٰؑ و مسیحؑ نے اس حقیقت کا انکار کرتے ہوئے مختلف اسباب و عوامل کے تحت اسلام سے علیحدہ اپنے جداگانہ مذاہب کی بنیاد ڈال لی اور تحریفات کے پردے میں اپنی مقدس کتابوں کو بھی اپنے مزعومہ عقائد و خیالات کا ہمنوا بنالیا۔ چنانچہ آج عہدنامۂ قدیم و جدید مذکورہ حق و صداقت کے مضامین کے ساتھ گمراہی اور بدعقیدگی کے ایسے مضامین سے بھی آراستہ ہے۔ جن کا خاص طور پر مذہب اسلام سے ایسا صاف اور صریح ٹکراؤ ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے تمام مذاہب کی وحدت و یکسانیت اور ان سب کے یکساں موجب فلاح و نجات ہونے کا دعویٰ بالکل بے حقیقت اور سچائی سے بہت دور ہے۔

یہودیت کے خاص مرجع عہدنامۂ قدیم میں شرک کی تردید اور توحید کی تعلیم کے ساتھ حق تعالیٰ کی ان صفات کی تفصیل ملتی ہے جو اسلام کے صحیفۂ ہدایت قرآن سے عین ہم آہنگ ہے[۱]۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ عہدنامہ خدائی کے مقام کو ایسا گراتا

---

[۱] اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے مولانا سید حامد علی صاحب کا مختصر مگر قیمتی رسالہ: توحید اور عہدنامۂ عتیق صفحات ۲۲ تا ۲۹، ادارۂ شہادت حق، نئی دہلی طبع دوم ۱۹۸۹ء

اور اس کے مرتبہ ومقام کو ایسا داغدار کرتا ہے کہ اس سے توحید باری کا سارا تصور خاکستر ہو جاتا ہے۔ جبکہ یہ پورا عہدنامہ ان تناقضات وتضادات کے باوجود یکساں محترم اور مقدس سمجھا جاتا ہے اور اپنے پیروؤں کے ہاں ان تمام مخالف ومتحارب تعلیمات کو یکساں اعتبار واستناد اور قبولیت عام حاصل ہے۔ توحید کا علمبردار اور شرک کی تردید کرنے والا یہ عہدنامہ خداوند عالم کو نسلی خدا کے روپ میں پیش کرتا ہے جو صرف بنی اسرائیل کا خدا ہے اور جس کی ساری دلچسپی صرف اسی قوم بنی اسرائیل سے ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ کتاب یہودی خدا کی وہ تفصیلات پیش کرتی ہے جو خاص طور پر اسلام کے خدا کی منزہ ذات کے تصور کے بالکل منافی ہے۔ کتاب مقدس کا خدا مجسم اور انسان کی صورت پر ہے۔ وہ انسانوں کی طرح چلتا پھرتا ہے۔ وہ انسانوں کی مانند ہو جاتا اور پچھتاتا اور دلگیر ہوتا ہے۔ خدا آرام کرتا ہے اور سوتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک موقعہ پر انسان اور خدا کی کشتی میں، انسان خدا پر غالب آجاتا ہے[۱] مزیدبراں کتاب مقدس کے عہدنامۂ قدیم میں خدا اور خداوند کے الفاظ غیر اللہ اور فرشتوں کے لیے استعمال ہوئے ہیں[۲]۔ دوسرے موقعہ پر فرشتوں کو خدا کے بیٹے کہا گیا ہے[۳] غیر اللہ کے لیے سجدہ کی صراحت بھی عہدنامۂ قدیم میں موجود ہے[۴]۔ جبکہ اسلام کا صحیفۂ ہدایت، قرآن ایک موقعہ پر قوم یہود کی طرف سے اپنے ایک بزرگ حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا گردانتے کی صراحت کرتا ہے[۵] اس موقعہ پر یہود کی اس سلسلے میں کسی قسم کی عدم تردید اس دعویٰ کی صحت کا ثبوت ہے۔ اس زمانہ میں بھی یہودی قوم میں اس عقیدہ کے حامل ناپید نہیں ہیں[۶]۔

---

[۱] حوالہ سابق /۲۹-۳۲ ، [۲] حوالہ مذکور /۳۸، ۳۹، [۳] حوالہ سابق /۳۹،

[۴] حوالہ مذکور /۴۰ ، [۵] توبہ : ۳۰

[۶] سیاحت فلسطین وغیرہ کے دوران زمانۂ حال کے ایک ثقہ بزرگ کی روایت۔ اس خیال کے حامل یہودیوں کو اسی عقیدہ کی نسبت سے عزیری کہا جاتا ہے: بحوالہ تفسیر عثمانی برحاشیہ قرآن شریف مترجم از مولانا محمود حسن دیوبندیؒ صفحہ ۲۴۴، تاج کمپنی (دہلی) بدون سنہ۔ مستزاد، عہدنامۂ قدیم میں ایک موقع پر صراحۃً خدا تعالیٰ کو باپ اور حضرت سلیمانؑ کو ان کا بیٹا کہا گیا ہے۔ تواریخ: ۱-باب: ۲۲؛ آیت: ۱۰ بائبل سوسائٹی ہند، بنگلور ۱۹۸۵ء۔

خدائے بزرگ و برتر کی ناقدری کے ساتھ دین قویم سے انحراف کا یہودی قوم کا دوسرا بڑا نمونہ حق تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبیوں اور رسولوں کے ساتھ اس قوم کا مخالفانہ اور معاندانہ رویہ ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا انکار اور ان سے دشمنی یہاں تک کہ ان کو خدا کا رسول تسلیم کرتے ہوئے یہودی قوم کو ان کے خون سے اپنے ہاتھ کو رنگین کرنے کا خود اقرار ہے[1]، اسلام کے صحیفۂ ہدایت، قرآن نے اس کے علاوہ ایک سے زائد بار عام طور پر اسے قتل انبیاء کے جرم شنیع کا مرتکب گردانا ہے[2] لیکن اس سے ہٹ کر اس قوم نے اپنے نبیوں کی جو ہمہ پہلو کردار کشی اور ان کے دامن تقدس کو داغ داغ اور تار تار کیا ہے، اس کی موجودگی میں، دوسرے مذاہب کا معاملہ اپنی جگہ، اسلام سے وہ اس قدر متصادم ہے کہ دونوں میں تطبیق کسی طرح ممکن نہیں، توحید خداوندی کے بعد اسلام کی اساس ہی ان برگزیدہ ہستیوں کے تقدس و احترام اور ان کی پاکیزگی اور طہارت پر قائم ہے۔ جملہ معاملات زندگی میں ان کے پاک نمونوں کی پیروی ہی میں ایک مسلمان کی نگاہ میں دنیا و آخرت کی فلاح مضمر ہے۔ قرآن نے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو پوری امت کے لیے قیامت تک کے لیے اسوہ اور نمونہ قرار دیا ہے[3] اور ایک خاص سیاق میں خود آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سے سابق انبیاء کی پیروی اور اتباع کا حکم دیا ہے[4] قرآن اپنے مخاطب قوم عرب کے نزدیک معروف نبیوں کی ایک ایک کر کے ان کے ناموں کی صراحت کے ساتھ ان کے تقدس و پاکیزگی کی صراحت کا اہتمام کرتا ہے[5] اور ان کے تقدس و پاکیزگی کو صحیح دین پر قائم رہنے کی ضمانت قرار دیتا ہے۔ عہد نامۂ قدیم اسی بے دردی سے اپنے نبیوں کی کردار کشی کرتا ہے یہاں تک کہ ان کے دامن عصمت و عفت کو بھی تار تار کرنے سے نہیں چوکتا ہے۔ اس کے صفحات میں آج کی ایک سے ایک گھناؤنی مثالیں موجود ہیں۔

---

[1] نساء: ۱۵۷۔ [2] سورہ بقرہ: ۸۷، ۹۱؛ آل عمران: ۲۱، ۱۱۲، ۱۸۳؛ مائدہ: ۷۰

[3] احزاب: ۲۱ [4] انعام: ۹۰

[5] حضرات انبیاء علیہم السلام کے پاک کردار کی تفصیل سے تو پورا قرآن بھرا پڑا ہے۔ حضرت یوسفؑ کے لیے اسی نام سے اسی مقصد سے ایک پوری سورہ وقف ہے۔ اس کے علاوہ سورۂ مریم، انبیاء، صافات اور سورہ ص میں خاص طور پر اس کا اہتمام کیا گیا ہے۔

نبیوں کی اس کردار کشی میں عہد نامۂ قدیم انبیا ربنی اسرائیل کو شرک و بت پرستی سے لیکر شراب نوشی اور زنا کاری، خدا کی نافرمانی اور بدعہدی اور مکاری ہر طرح کے جرائم کا انھیں مرتکب بتاتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے سگے بھائی اور کارِ نبوت میں ان کے پشتیبان حضرت ہارون علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ جن کے واقعات قرآن میں بھی پوری تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ عہد نامۂ قدیم صریح الفاظ میں ان حضرت ہارونؑ پر سونے کا بچھڑا ڈھالنے، اس کے آگے قربان گاہ بنانے اور شرک و بت پرستی کے الزامات عائد کرتا ہے[1]۔ اسی صحیفے میں حضرت موسیٰؑ اس عظیم ترین فتنے کا بانی مبانی اپنے بھائی ہارونؑ کو قرار دیتے ہیں۔ جس کا انکار کرنے کے بجائے قوم کی طرف سے دیوتا بنانے کے مطالبہ کے نتیجے میں سونے کا بچھڑا ڈھال کر دینے کے جرم کا وہ صاف لفظوں میں اعتراف کر لیتے ہیں[2]۔

حضرت داؤد علیہ السلام اسی قوم کے دوسرے جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ اسی کتاب کے صحیفہ سموئیل ۲۔ باب ۱۱، ۱۲ میں ان کا یہ کردار پیش کیا گیا ہے کہ وہ اپنے ایک سپاہی حتّی اوریاہ کی بیوی بت سبع پر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ نکاح کے بغیر ہی وہ اس سے صحبت کرتے ہیں جس سے وہ حاملہ ہو جاتی ہے۔ بعد میں ایک سوچی سمجھی اسکیم اور چال کے تحت اس کے شوہر کو میدان جنگ میں ہلاک کرا دیتے ہیں اور پھر اس سپاہی کی بیوی کو مستقل اپنی بیوی بنا لیتے ہیں۔ کتاب مقدس کے مطابق جبر و فریب سے حاصل کردہ سپاہی کی اسی بیوی سے حضرت داؤد کے بیٹے سلیمانؑ پیدا ہوتے ہیں[3] جو اس قوم کے دوسرے عظیم الشان بادشاہ اور پیغمبر ہیں۔ جبکہ عہد نامۂ قدیم میں حضرت سلیمانؑ کا کردار حضرت داؤد سے مختلف نہیں بلکہ وہ اس سے کچھ بڑھ کر حیرانی اور عبرت کا نمونہ پیش کرتا ہے سلاطین اول باب ۱۱ کے مطابق سلیمانؑ خداوند بنی اسرائیل کی نافرمانی کرتے ہوئے فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے محبت کرتے اور ان کے عشق میں گرفتار

---

[1] بحوالہ رتھید اور عہد نامۂ عتیق/۹۔ محولہ بالا، [2] حوالہ سابق/۱۰، [3] حوالہ مذکور/۱۲

ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی بیویوں میں شامل ہونے والی اس کی یہ معشوقائیں اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیتی ہیں۔ وہ دیوی دیوتاؤں کی پیروی کرنے لگتا ہے اور دیوتاؤں کے لیے عبادت گاہیں تعمیر کراتا ہے۔ جس کے نتیجے میں خداوند اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ سلیمانؑ خداوند کی بار بار کی تنبیہ کے باوجود غیر معبودوں کی پیروی سے باز نہیں آتا ہے[1] اسی کتاب کا ایک مستقل صحیفہ غزل الغزلات حضرت سلیمانؑ کی داستان عشق و محبت کے لیے خاص ہے۔ یہ داستان حد درجہ فحش اور رنگین ہے۔ عشق و محبت کی یہ داستان باریک جزئیات تک کا احاطہ کیے ہوئے ہے جس میں سلیمان میخانہ ہی میں نہیں جاتا اور مے ہی نہیں پیتا بلکہ رات بھر اپنی محبوبہ کی چھاتیوں کے درمیان پڑا رہتا ہے[2]۔ اس سے بھی زیادہ بھیانک معاملہ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے حضرت لوطؑ کی کردار کشی کا ہے۔ عہدنامۂ قدیم کے اولین باب کتاب پیدائش کے باب ۱۹ کے مطابق حضرت لوطؑ اپنی بیٹیوں کے ہاتھوں دو راتوں میں شراب ہی نہیں پیتے بلکہ ان سے ہم آغوش بھی ہوتے ہیں جن سے یہ دونوں بیٹیاں حاملہ ہو جاتی ہیں[3] اور انہی سے ان کی نسل چلتی ہے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)۔ اسی کتاب پیدائش میں حضرت یعقوبؑ کے ایک بیٹے یہوداہ کے متعلق وہ ایک خاص موقع پر اپنی بہو تمر کو کسبی سمجھ کر اس کے ساتھ زنا کاری کرتے ہیں جس سے وہ حاملہ ہو جاتی ہے[4] جبکہ یہی یہوداہ ہیں جن سے آگے چل کر نویں پشت میں اسی ناجائز تعلق کے سلسلے سے حضرت داؤدؑ پیدا ہوتے ہیں[5] اسی کتاب کے صحیفہ سموئیل دوم باب ۱۳ کے مطابق پیغمبر حضرت داؤدؑ کا ایک بیٹا امنون اپنے بھائی ابی سلوم کی دلہن تمر پر عاشق ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے باپ کو دھوکہ دے کر ایک بہانے سے اس کو اپنے پاس بلاتا ہے۔ اور جبر یہ اس سے صحبت

---

[1] بحوالہ مذکور/۱۲، ۱۳، [2] غزل الغزلات۔ باب: ۲: ۴، باب: ۱: ۱۳۔ باب: ۵: ۱۔ اس صحیفے کی بعض دیگر رنگینیوں کے لیے ملاحظہ کیجئے باب: ۷: ۵ تا ۱۳۔ باب: ۸: ۲۔ [3] کتاب پیدائش: باب: ۱۹: ۳۰ تا ۳۸۔ [4] کتاب پیدائش۔ باب: ۳۸ آیات ۱۲ تا ۲۶۔ [5] بحوالہ اسلام اور موسیقی/۲۰۶۔ از مولانا مفتی محمد شفیع، شرح و تحقیق: محمد عبدالمعز، مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع اول محرم ۱۴۰۳ھ مطابق نومبر ۱۹۸۲ء

کرتا ہے۔ لیکن اس پورے واقعہ پر حضرت داؤدؑ کو صرف غصہ آتا ہے[1]۔ وہ اپنے بیٹے کو کوئی سزا دینے اور اس کے خلاف کوئی اقدام کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ ایسا ہی حضرت داؤدؑ کا دوسرا بیٹا ابی سلوم اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرتا ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے باپ کی حمایت سے محروم نہیں رہتا[2]۔ عہد نامۂ قدیم کے روت اور آستر کے صحیفے بھی محض عشق و بدکاری کے افسانے ہیں[3]، جن کے مطالعہ سے محض انسان کی حیا باختگی اور اخلاق سوزی ہی میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہودی قوم کے یہ سارے صحیفے الہامی اور (معاذاللہ) من جانب اللہ ہیں[4]۔ اس لیے کسی ترجیح و انتخاب کے بغیر یہ سارے صحیفے شک و شبہے اور اعتراض سے بالا اور اپنے ماننے والوں کے لیے نمونۂ عمل اور موجب نجات و فلاح ہیں۔ حضرت مسیحؑ کے انکار کے ساتھ ان کی توہین و تذلیل پر اس قوم کو آج تک فخر ہے۔ اسی طرح ان کی والدہ محترمہ سیدہ مریمؑ پر اس قوم نے زنا کا الزام لگایا[5]۔ قتل مسیحؑ کی طرح اس جرم عظیم کا بھی اس قوم کو اسی طرح برملا اعتراف ہے[6]۔

یہودیت کی ان بوالعجبیوں کے ساتھ اس مذہب کا دوسرا پریشان کن پہلو یہودی قوم کی نسلی برتری کا تصور ہے۔ خداوند عالم کو عہد نامۂ قدیم صرف عبرانیوں اور اسرائیلیوں کا خدا قرار دیتا ہے[7]۔ جس کے نتیجے میں یہ قوم مخصوص طور پر اپنے تئیں خدا کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہونے کی دعویدار ہے[8]۔ اسی کی بدولت اسے دوزخ کے عذاب سے بھی چھٹکارے کا لائسنس حاصل ہے[9]۔ اس کے صریحی تقاضے کے طور پر توراتی شریعت اسرائیلی اور غیر اسرائیلی، جس کے لیے عہد نامۂ قدیم پردیسیوں اور غیر پردیسیوں اور اجنبیوں اور غیر اجنبیوں

---

[1] سموئیل ۲، باب: ۱۳، آیات: ۱ تا ۲۲ [2] بحوالہ اسلام اور موسیقی / ۲۰۷، محولہ بالا، [3] روت اور آستر صحیفوں کے خلاصہ کے لیے ملاحظہ کیجیے: توحید اور عہد نامۂ عتیق / ۶۷، محولہ بالا۔ [4] حوالہ سابق / ۵۷،

[5] مریم: ۲۷، [6] نساء: ۱۵۶، [7] خروج: باب: ۳: ۱۸۔ ایضاً: باب: ۵: ۱-۳، باب: ۷: ۱۶

[8،9] قرآن نے مائدہ: ۱۸ اور بقرہ: ۸۰ میں یہود کے ان دعووں کو نقل کیا ہے جس کا اس قوم نے آج تک کبھی انکار نہیں کیا۔

کی اصطلاح استعمال کرتا ہے، کے درمیان کھلی تفریق کرتی اور معاملات دنیا میں غیر اسرائیلیوں کے ساتھ کھلے امتیازات کو روا اور قرین انصاف قرار دیتی ہے۔[1]

یہودیت کے دیگر اجزائے ترکیبی کی طرح نسلی امتیاز کا یہ تصور بھی اسلام مخالف ہے۔ اسلام انسان کی پستی و برتری کو کسی خاندان اور کسی نسل سے وابستہ کرنے کے بجائے خوف خدا اور تقوائے الٰہی کو فضیلت کا اصل معیار قرار دیتا ہے۔ اور نسل و خاندان کے بجائے دنیا کے تمام انسانوں کو اسی ایک پیمانے سے ناپنے کا قائل ہے۔[2]

حضرت مسیحؑ کی تعلیمات کی نام نہاد پیروی کی دعوے دار عیسائیت کا معاملہ مختلف پہلوؤں سے یہودیت سے بھی زیادہ پیچیدہ ہے۔ جس نے عہد نامۂ جدید کی برائے نام تائید کے ساتھ اپنے مزعومہ عقائد و افکار کا ایک بالکل نیا علم الکلام گڑھ ڈالا۔ اس علم الکلام کا مرکزی نکتہ تثلیث اور کفارہ کا عقیدہ ہے۔ عہد نامۂ قدیم کی طرح، عیسائیت کے خاص مرجع، عہد نامۂ جدید میں بھی توحید کی صاف تعلیم موجود ہے[3] لیکن یونانی، رومی اور دیگر مشرک اقوام کے زیر اثر مذموم زمانہ سینٹ پولوس م ۶۶ء نے، جس نے حضرت مسیحؑ کو کبھی دیکھا، نہ اس کی ان سے کبھی ملاقات ہوئی، عیسائیت کا جو نیا ہیولیٰ تیار کیا۔ موجودہ مسیحیت تمام تر اسی کی ساختہ پرداختہ ہے۔ اور عہد نامۂ جدید میں اس نے من مانی تحریفات کر کے اسے اپنے خیالات کا ہمنوا بنا لیا۔[4] سینٹ پال کی قائم کردہ اس مسیحیت کا اصل الاصول تثلیث کا عقیدہ ہے۔ اس عقیدہ کی رو سے خدا ایک نہیں بلکہ تین ہیں۔ حضرت مسیحؑ خدا کے بیٹے ہیں۔ اور باپ، بیٹے اور روح القدس

---

[1] اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب 'اسلام کا تصور مساوات' میں یہودیت کی بحث صفحات ۳۶ تا ۴۰۔ محولہ بالا۔ [2] اسلام کے اس آفاقی اور بین الانسانی تصور مساوات کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے ہماری مذکورہ کتاب جس میں اخلاقی، قانونی اور تاریخی ہر پہلو سے اسلام کے موقف کی جامع ترجمانی کی گئی ہے۔

[3] عہد نامۂ جدید کے اولین چاروں صحائف متی، مرقس، لوقا اور یوحنا میں جا بجا اس کے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں

[4] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو جناب عبد الوحید خاں صاحب کی کتاب 'عیسائیت انجیل اور قرآن کی روشنی میں'، کا باب چہارم۔

ان تینوں سے مل کر خدائی تشکیل پاتی ہے۔ خدا ہی باپ ہے، خدا ہی بیٹا ہے اور خداوند خدا ہی روح القدس ہے[۱] ابنیت مسیح کی دوسری تعبیر کے مطابق "خداوند خدا یسوع مسیحؑ خداوند خدا کا اکلوتا بیٹا ہے جو روز ازل اپنے باپ سے پیدا ہوا، جو جنا گیا بنایا نہیں گیا اور جو اپنے باپ ہی کی ذات ہے[۲] حضرت مسیحؑ کے تین سو پچیس[۳۲۵] سال بعد ہی نیقیہ کی مشہور کونسل میں عیسائی دنیا کی عظیم اکثریت نے دوسرے مشرکانہ تصورات کے ساتھ تثلیث کے اس عقیدہ کو تسلیم کر لیا تھا[۳]۔ اور آج پروٹسٹنٹ ہوں کہ کیتھولک ابنیت اور ازلیت مسیحؑ کا عقیدہ ہر ایک کے یہاں مسلم ہے[۴] حضرت مسیحؑ کے چھ سو سال بعد اسلام کے صحیفے قرآن سے بھی اس قوم کا ایک کے بجائے تین خداؤں کا قائل ہونا[۵] اور حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا قرار دینا ثابت ہے[۶] دوسرے موقعہ پر قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے ساتھ ان کی ماں حضرت مریمؑ کو بھی یہ قوم خدائی کا مقام دیئے ہوئے تھی[۷]۔ حضرت مسیحؑ کی خدائی کی صراحت اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی ہے[۸]۔

تثلیث کے بعد عیسائی علم الکلام کی دوسری اہم ترین دفعہ کفارہ کا عقیدہ ہے جس کا مطلب ہے کہ انسان ازل سے پیدائشی طور پر گنہ گار ہے۔ حضرت آدم نے قانونِ خدا کی خلاف ورزی کی۔ اور شجر ممنوعہ کا پھل کھایا جس کے نتیجے میں انھیں جنت سے نیچے اتار دیا گیا۔ اب جو شخص بھی ابن آدم کے نطفہ سے جنم لے گا وہ انہی کی پیروی کرے گا۔ چنانچہ جناب یسوع مسیحؑ کے سوا ہر شخص گنہگار رہے اس لیے کہ وہ آدم کی اولاد ہے[۹] آدمؑ کی تمام اولاد گنہگار ہے۔ آدمؑ اور حواؑ کو گناہ کی پاداش میں جنت سے نکالا گیا۔ اس لیے

= "جدید عیسائی نظریات کی تشکیل میں پولوس کا کردار" صفحات ۸۵ تا ۱۰۱، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔ بار اول ۱۹۸۱ء

جناب عبدالوحید خاں صاحب نے یہ کتاب نائیجریائی فاضل الحاج عزیز اللہ کی انگریزی کتاب (MYTH OF THE CROSS) کی بنیاد پر مرتب کی ہے۔ عیسائیت کے سلسلے میں ہماری معلومات زیادہ تر اسی کتاب سے ہیں۔

[۱] حوالہ سابق/ ۲۰، [۲] حوالہ مذکور/ ۲۸، [۳] حوالہ سابق/ ۱۰۱، [۴] حوالہ مذکور/ ۲۸، ۲۲۷، [۵] مائدہ: ۷۳،
[۶] توبہ: ۳۰ [۷] مائدہ: ۱۱۶، [۸] مائدہ: ۱۷، ۷۲۔ توبہ: ۳۱، [۹] عیسائیت انجیل اور قرآن کی روشنی میں/ ۵۱ بحوالہ بالا

اولادِ آدمؑ کو گناہ ورثہ میں ملا۔ اور اس بنا پر ہر ابن آدمؑ پیدائشی طور پر گنہگار ہے۔ خدا کا بیٹا مسیحؑ انسانی نطفہ کے ذریعہ مریمؑ کے رحم میں داخل نہیں ہوا۔ مریمؑ کو مرد کے ملاپ کے بغیر حمل ٹھہرا تاکہ یہ بچہ اس طرح گناہ آدم میں حصہ دار بننے سے محفوظ رہے۔ جس طرح کہ آدمؑ کی دوسری تمام اولاد پیدائشی طور پر گنہگار ہوتی ہے۔[1] ہر شخص گناہ کے زیر اثر ہے کوئی بھی اس سے پاک اور محفوظ نہیں ہوسکتا۔ اس لیے ایک منجی اور گناہوں کی پاداش سے چھٹکارہ دلانے والے کی ناگزیر ضرورت ہے۔ کوئی ابن آدمؑ اولاد آدمؑ کو گناہوں کی پاداش سے بچانے پر قادر نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ہر انسان خلقی طور پر خود گنہگار مخلوق ہے۔ جناب یسوعؑ نے صرف انسان کا قالب اختیار کیا وہ کسی انسان کے نطفہ سے پیدا نہیں ہوئے اس بنا پر وہ گناہ سے پاک اور نیکو کار ہیں۔ اس بنا پر وہ ابن آدم کی خطاؤں کی تلافی کر سکتے اور اس کے گناہوں کا کفارہ ادا کر سکتے ہیں۔[2] نتیجے کے طور پر اب جو شخص بھی اپنی خطاؤں اور گناہوں کی سزا سے بچنا چاہتا ہے اس کے لیے ناگزیر ہے کہ یسوع مسیحؑ پر ایمان لائے۔ اس لیے کہ یسوعؑ نے تمام انسانوں کی خطائیں اور ان کے گناہ اپنے سر لے لیے ہیں اور صلیب پر چڑھ کر ان گناہوں کا کفارہ دے دیا ہے۔[3] یسوعؑ معصوم عن الخطا تھا۔ اس کے باوجود اس نے مختلف اذیتوں کے علاوہ موت کی تکلیف برداشت کی تاکہ اس کی یہ اذیتیں اور یہ تکلیف ابنِ آدم کے گناہ کا کفارہ بن جائے۔[4]

اپنی افسانویت سے قطع نظر کفارہ کے اس عقیدہ کا لازمی تقاضا ہے کہ پہلے پیغمبر اور پہلے انسان حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت مسیحؑ سے پیشتر کے تمام انسان بشمول ان کی والدہ مریمؑ، ساتھ ہی ان سے پہلے کے تمام حضرات انبیاء علیہم السلام (معاذ اللہ) گنہگار اور خاطی قرار پائیں۔[5] عیسائیت کے عقیدہ تثلیث کی طرح اس کا کفارہ کا یہ

---

[1] حوالہ سابق / ۲ [2] حوالہ مذکور / ۴۳ [3] حوالہ سابق / ۴۲

[4] حوالہ مذکور

[5] حوالہ سابق / ۴۱، ۵۱، ۵۲

عقیدہ اسلام کے لیے ہرگز ہرگز قابلِ قبول نہیں۔ اسلام سیدہ مریمؑ کو ایک راست باز[1] اور مثالی خاتون گردانتا، ساتھ ہی دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام کو وہ انسانیت کا گل سرسبد گناہوں سے پاک، انعام یافتہ اور برگزیدہ اور خیر خلائق قرار دیتا ہے[2]۔

پھر ستم ظریفی یہ کہ حضرت مسیحؑ کو الوہیت کا بلند مقام دینے کے ساتھ سینٹ پال کی عیسائیت ان کی کردار کشی سے بھی نہیں چوکتی ہے۔ چنانچہ عہدنامۂ جدید جس کے سارے صحائف پال کی تائید میں ہیں بلکہ یہ عہدنامہ اپنی موجودہ صورت میں بڑی حد تک اس کی اپنی تحریروں پر مشتمل ہے[3]۔ یہ عہدنامہ ایک موقع پر حضرت مسیحؑ کو 'شراب پیش کرنے' ساتھ ہی انھیں 'دروغ گوئی' کا ملزم ٹھہراتا ہے[4]۔ یوحنا کی انجیل میں جناب یسوع کا معجزہ ہی اسے قرار دیا گیا ہے کہ انھوں نے پانی کو شراب میں تبدیل کر دیا[5]۔ لوقا کی انجیل کے مطابق حضرت مسیحؑ چالیس روز تک مسلسل شیطان کے بہکاوے میں رہے ہیں[6]۔ مسیحیت میں اپنی دوسری برگزیدہ شخصیتوں کو بھی اسی طرح دانحذار کیا گیا ہے[7]۔ اسی طرح عیسائیت میں تجرد و رہبانیت کی جو تعلیم پائی جاتی ہے[8]، اور عہدنامۂ جدید میں جس اوہام پرستی کی مثالیں موجود ہیں[9]، اسلام ان کی ہرگز تائید نہیں کر سکتا۔ شریعت سے آزادی کا نعرہ عہدنامۂ جدید میں ایک سے زائد بار بلند کیا گیا ہے[10]، جبکہ اسلام کی بنیاد ہی شریعت کے اتباع اور اس کی پیروی پر ہے۔ اسلام کے صحیفہ کے مطابق یہودیت کی طرح عیسائیت کے پیرو بھی اس کے دعوے دار ہیں کہ وہ خدا کے محبوب اور چہیتے[11] اور عذاب دوزخ سے نجات کا پروانہ حاصل کیے ہوئے ہیں[12]۔ اس پر کسی تعجب کی ضرورت بھی نہیں۔ الوہیت مسیحؑ اور کفارہ کے عقیدے کا یہ عین بدیہی اور صریحی تقاضا ہے۔

---

[1] مائدہ: ۷۵، [2] ص: ۴۷، [3] عیسائیت، انجیل اور قرآن کی روشنی میں/ ۱۰۱، ۱۲۱،
[4] حوالہ سابق/ ۵۵، [5] حوالہ مذکور/ ۱۸۳، [6] حوالہ سابق/ ۳۵، ۳۶، [7] حوالہ مذکور/ ۵۶
[8] حوالہ سابق/ ۱۸۰ تا ۱۸۲، [9] حوالہ مذکور/ ۱۵۵ تا ۱۶۲، [10] حوالہ سابق/ ۶۱، نیز: ۷۸، ۸۸،
۹۴ اور ۹۸، [11] مائدہ: ۱۸، [12] بقرہ: ۸۰۔

خود یہودیت و مسیحیت کا آپس میں جس قدر ٹکراؤ اور ان کی ایک دوسرے سے دوری ممکن ہو سکتی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ یہود کی مقدس کتاب تالمود، عیسائیوں کے خدا سیدنا مسیح[۲] کو معاذاللہ ثم معاذاللہ احمق (A FOOL) جذامی (THE ...) بنی اسرائیل کا دھوکے باز (THE DECEIVER OF ISRAEL) حرام کی اولاد، جادوگر اور بدترین قسم کا مجرم قرار دیتی ہے۔ اسی طرح یہ کتاب مسیح کے شاگردوں کو 'ملحد' (Heretics) اور انھیں دوسرے انتہائی برے اور قبیح ناموں سے یاد کرتی، ساتھ ہی 'عہد نامۂ جدید' (انجیل) کو برائی اور گناہ کی باتوں سے پُر کتاب (SINFULL BOOK) کے طور پر پیش کرتی ہے[۱]۔

اختلاف مذاہب، ایک ناگزیر حقیقت:

مشہور مذاہب عالم کے عقائد و تصورات کی اس تفصیل سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ ان کے اختلافات انتہائی بنیادی اور اساسی اور حقیقی اور جوہری ہیں۔ اسلام کی بنیاد توحید پر ہے شرک و بت پرستی اس کے لیے ناقابل تصور ہے۔ جبکہ دوسرے تمام مذاہب میں یہ شرک و بت پرستی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ ہندومت کی بنیاد ہی شرک و بت پرستی اور وحدۃ الوجود پر ہے۔ بدھ مت، جین مت اور دیگر مذاہب میں بھی یہ گمراہیاں اسی طرح موجود ہیں۔ اسلام خدا کے پیغمبروں کو صاف و صریح لفظوں میں انسان و بشر[۲]

---

[۱] بحوالہ ظفر الاسلام خاں: التلمود تاریخہ و تعالیمہ ص ۶۱-۶۳۔ دارالنفائس بیروت، طبع ثالثہ ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء

[۲] قرآن حکیم میں چونتیس[۳۴] مقامات پر پیغمبروں کے لیے انسان اور مرد ('بشر' اور 'رجل') ہونے کی صراحت ہے۔ یہ مقامات ہیں: آل عمران: ۷۹، انعام: ۹۱، ہود: ۲۷، ابراہیم: ۱۰، ۱۱، اسراء: ۹۳، ۹۴، کہف: ۱۱۰، انبیاء: ۳، مومنون: ۲۴، ۳۳، ۳۴، شعراء: ۱۵۴، ۱۸۶، یٰس: ۱۵، فصلت: ۶، شوریٰ: ۵۱، قمر: ۲۴، مدثر: ۲۵۔ ان آیات کریمہ میں انھیں بشر اور اگلی آیات میں رجل کی صراحت ہے: انعام: ۹، اعراف: ۶۳، یونس: ۲، یوسف: ۱۰۹، نحل: ۴۳، اسراء: ۴۷، انبیاء: ۷، فرقان: ۸، مومنون: ۲۵، ۳۸، سبا: ۷، ۴۳، غافر: ۲۸، زخرف: ۳۱

اور بشری خصوصیات[1] کا حامل قرار دیتا ہے جبکہ ہندومت اور اس سے ملحقہ مذاہب میں وحدۃ الوجود اور اوتار واد کا عقیدہ اپنا کر اپنی برگزیدہ شخصیتوں کو خدائی کا مقام دیدیا گیا ہے۔ عقیدہ کی یہ گمراہی درجہ کے فرق سے یہودیت اور عیسائیت میں بھی اسی طرح موجود ہے۔ دوسری طرف عیسائیت اور خاص طور پر یہودیت اپنے پیغمبروں کی کردارکشی کرتی اور انھیں بھیانک اخلاقی جرائم کا مرتکب گردانتی ہے جبکہ اسلام ان منتخب روزگار ہستیوں کی ہر طرح سے طہارت و پاکیزگی کا قائل ہے۔ اسلام دنیا کے تمام انسانوں کی سماجی مساوات کا قائل ہے اور رنگ و نسل کی بنیاد پر وہ ان کے درمیان کسی قسم کی تفریق و امتیاز کو دہ روا نہیں رکھتا ہے جبکہ سماجی عدم مساوات اور طبقاتی نظام ہندو عقائد کی اہم ترین دفعہ ہے۔ اسلام کسی فرق و اختلاف کے بغیر مرد اور عورت کی صنفی مساوات کا قائل ہے۔ اس کے نزدیک عورت جنس کے اعتبار سے کسی بھی درجہ میں مرد سے فروتر اور حقیر نہیں ہے۔ جبکہ ہندومت اور جین مت میں بحیثیت صنف کے اسے مرد سے فروتر قرار دیا گیا ہے۔ اسلام اس زندگی کے بعد دوسری زندگی اور آخرت کے عقیدے کا قائل ہے۔ جہاں ہر شخص کو براہ راست اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہوگی۔ وہاں نہ کسی کا مال و اولاد اس کے کام آئے گا۔ نہ کسی کی زور و سفارش سے اس کا کچھ بھلا ہو سکے گا[2]۔ جبکہ ہندومت اور اس کی قبیل کے مذاہب آواگون کا چکر چلا کر آخرت کی جوابدہی اور اس کی باز پرس کے تصور سے اپنے ماننے والوں کو آزاد کرا لیتے ہیں۔ اسی طرح یہودیت و عیسائیت کا خدا سے اپنی محبوبیت کا عقیدہ ان کے پیروؤں کو آخرت کی جوابدہی اور باز پرس سے آزادی کا پروانہ عطا کر دیتا ہے۔ اسلام کے مطابق اپنی پوری زندگی میں جہاں آدمی کا قدم شریعت سے ہٹ کر پڑا اور خدا

---

[1] مائدہ: ۷۵۔ انبیاء: ۸،۳۴۔ فرقان: ۷۔ مومنون: ۳۳

[2] بقرہ: ۲۵۴، ۲۵۵، انعام: ۷۰، ۹۴، طٰہٰ: ۱۰۹۔ شعراء: ۸۸، روم: ۵۷، نجم: ۳۹-۴۱، حاقہ: ۲۸-۲۹، معارج: ۱۱-۱۸، جن: ۲۲-۲۴، مدثر: ۳۸-۴۸، مرسلات: ۳۵-۴۰، نبا: ۳۸-۴۰، عبس: ۳۴-۳۷
یہ نمونے کی چند آیات ہیں ورنہ پورا قرآن اس مضمون کی آیات سے بھرا ہوا ہے۔

کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی، ناکامی و نامرادی اس کا مقدر بن گئی [1]، جبکہ مسیحیت اپنے کفارہ کے عقیدے کی برکت سے اپنے ماننے والوں کو الٰہی قانون اور شریعت سے بالکل چھٹکارہ دلا دیتی ہے۔

مذاہب عالم کے ان بنیادی اور جوہری اختلافات کی موجودگی میں 'وحدت ادیان' کا یہ فلسفہ کہ تمام مذاہب یکساں برحق اور موجب نجات وفلاح ہیں، بالکل باطل اور بے بنیاد ہے۔ اسے تو دوسرے لفظوں میں یوں کہنا ہے کہ زندگی میں توحید و شرک، خدا کا اقرار اور اس کا انکار، آخرت کی بازپرس اور اس سے بے نیازی، رسولوں کو ماننا اور ان کو نہ ماننا، یہ سب یکساں اور موجب فلاح و نجات ہیں۔ لیکن ایسا کہنے سے پہلے انسانی لغت سے 'فرق و اختلاف' کے الفاظ ہی کو مٹا دینے کی ضرورت پیش آئے گی تاکہ دن اور رات، اجالے اور اندھیرے، روشنی اور تاریکی، اندھے اور آنکھ والے، سایے اور دھوپ اور آخری درجے میں مردہ اور زندہ [2]، ان میں سے ہر ایک کی یکسانیت اور ان سب کے ایک سے اثر اور ایک سی تاثیر کا دعویٰ کیا جا سکے۔ لیکن جس کسی کو اپنی سلامتی ہوش و حواس کی دولت کا کچھ بھی پاس ہوگا وہ اس طرح کے کسی دعویٰ کی جرأت نہیں کر سکتا، پھر مذاہب عالم کے اس بنیادی اور جوہری اختلاف کی صورت میں مذہب کے سلسلے میں اس دعویٰ کی گنجائش کیسے باقی رہتی ہے۔ کہ دنیا کے تمام مذاہب یکساں ہیں۔ کسی ترجیح و انتخاب کے بغیر کسی بھی مذہب کی پیروی سے انسان کو نجات حاصل ہو سکتی ہے [3]۔

---

[1] بقرہ: ۸۵، آل عمران: ۸۵، نساء: ۱۹۹، مائدہ: ۵: ۴۱۔ توبہ ۶۲۔۶۳ وغیرہ دیگر آیات۔

[2] کتاب اللہ کی بلیغ تعبیر سے استفادہ۔ فاطر: ۱۹ تا ۲۲

[3] اختلاف مذاہب کی ہماری یہ پوری گفتگو موضوع کی مناسبت سے صرف ان کی مختلف دفعات کے ایک دوسرے سے ٹکراؤ اور ان کے مابین عدم ہم آہنگی کے بیان پر مشتمل ہے تفصیلی تقابل اور ترجیح اس کتاب کا موضوع نہیں ہے۔ اس کے لیے بالخصوص حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تصنیفات کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ ان کتابوں کے مضامین کو آج کی زبان میں دلنشین انداز میں پیش کرنے کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

ایک نئے فلسفۂ دین کی ضرورت :

اختلاف مذاہب کی اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے اور اس کی گتھی کو سلجھانے کے لیے 'وحدت ادیان' کے بجائے کسی دوسرے فلسفۂ دین کی ضرورت ہے۔ یہ فلسفہ 'وحدت ادیان' کا نہیں بلکہ 'وحدتِ دین' کا ہے۔ وحدت دین کے اس فلسفہ سے ہی اختلاف مذاہب کی اس گتھی کو سلجھایا جاسکتا اور حقیقت حال کا صحیح سراغ لگایا جاسکتا ہے۔ اسلام 'وحدتِ دین' کے اسی فلسفہ کا علمبردار ہے۔ آئندہ صفحات میں اس کے اس فلسفۂ مذہب کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔ وما توفیقنا الا باللہ

بابِ دوم

وحدت ادیان کا نظریہ اور اسلام

موجودہ دور میں مذہب کے معاملے میں انسان کی بے پرواہی و بے توجہی اور عدم دلچسپی اور عدم سنجیدگی کا بہت کھلا مظہر ہے جو ہندو ذہن کو اس پر اصرار ہے کہ تمام مذاہب یکساں برحق ہیں اور کسی بھی مذہب کی پیروی سے مساوی طور پر خدا کی خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہے۔ جبکہ صحیح مذہب کی شناخت زندگی کا سب سے سنجیدہ مسئلہ ہے اس لیے کہ اس کے صحیح یا غلط انتخاب پر اس دنیا ہی کی نہیں آخرت کی دائمی زندگی کی انسان کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار ہے۔ 'وحدت ادیان' کا مذکورہ فلسفہ جو بظاہر سادہ اور بے ضرر نظر آتا ہے۔ اس کے مضمرات کو کھول دیا جائے تو وہ اپنے نتائج کے اعتبار سے انتہائی خطرناک اور بھیانک ہے۔ اس لیے کہ اس نظریے کو ماننے کا مطلب ہے کہ یہ پوری کائنات اور اس کی شاہکار مخلوق انسان، کسی ذی شعور و ذی ارادہ ہستی کے دست قدرت کا کرشمہ نہیں بلکہ کسی کھلنڈرے کا کھیل ہے، جس کے آغاز و انجام کا کوئی مقصد ہے، نہ اس کے پیچھے کسی سوچی سمجھی اسکیم کی کارفرمائی ہے۔ یہ کائنات الل ٹپ طور پر پیدا ہو گئی ہے اور الل ٹپ طور پر چل رہی ہے۔ اس کی سب سے ذمہ دار مخلوق جس کی بحر و بر پر حکمرانی ہے اور جس کی نفع بخشی اور نفع رسانی کے لیے ابر و باد اور مہ و خورشید سب کے سب صبح سے شام سرگرم عمل ہیں، اس کی پیدائش کا بھی کوئی خاص مقصد نہیں ہے اور تمام مخلوقات میں عقل و فہم، ارادہ و اختیار اور خیر و شر کے انتخاب کی آزادی میں یکتا اس مخلوق کے لیے اپنی زندگی میں کسی خاص لائحۂ عمل اور ضابطہ حیات کی پابندی ضروری نہیں۔ انسان اپنی زندگی میں اپنی مرضی سے ایک خدا کی بندگی کا راستہ بھی اختیار کر سکتا ہے اور اسی اطمینان اور شرح صدر سے وہ بے شمار خداؤں کی پرستش

اوران کے سامنے اپنے سرنیاز کو خم کرسکتا ہے۔ اسی طرح اس کے لیے اس کی بھی پوری گنجائش ہے کہ وہ سرے سے خدا کے وجود کا منکر ہو اور اپنی پوری زندگی الحاد اور دہریت کے راستے پر چل کر گزار دے۔ اس طرح اس فلسفہ کے مطابق یا تو یہ کائنات بے خدا ہے اور اگر اس کا کوئی خدا ہے بھی تو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ وہ بالکل بے حس اور غیر جانبدار قسم کا خدا ہے کہ اس کے بندے توحید و شرک، خدا کے اقرار یا اس کے انکار کی جس روش اور جس طریقے پر بھی عمل پیرا ہوں، اس کے نزدیک یہ سب طریقے برابر ہیں اور ہر ایک کو اس کی پسندیدگی اور تصویب حاصل ہے۔ اس نے کائنات کو کسی خاص مقصد کے تحت پیدا کیا ہے، نہ اس کی سب سے شاہکار مخلوق 'انسان' کے ساتھ اس کا کوئی خاص عہد و پیمان (commitment) ہے۔ کائنات کو بس اس نے الل ٹپ طور پر چلا دیا ہے اور انسان کو بھی اس نے الل ٹپ زندگی کی پوری آزادی دیدی ہے۔ کسی خاص طریقۂ زندگی پر اسے اصرار ہے، نہ کسی خاص فلسفۂ حیات کو تنہا اس کے نزدیک سند قبول حاصل ہے۔ جس طرح یہ کائنات بے منزل ہے اسی طرح انسان بھی آزاد ہے کہ اپنے لیے جس منزل کا چاہے وہ انتخاب کرلے۔ خالق کائنات کی کوئی پسند ہے، نہ کسی خاص نظریۂ زندگی کی پیروی کو وہ لازم قرار دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی دوسرا نظریۂ زندگی اسے کسی صورت قابلِ قبول نہ ہو۔

'وحدتِ ادیان' کے مروجہ فلسفہ کے یہ بالکل بدیہی اور ناگزیر مضمرات ہیں۔ اسلام شروع سے آخر تک ایک ایک کرکے ان تمام مضمرات کا انکار کرتا ہے۔ اسلام کے مطابق یہ کائنات ایک عظیم مقصد کے تحت پیدا کی گئی ہے اور خالق کائنات نے ابتدائے آفرینش سے انسان کی رہنمائی کا سامان کیا ہے۔ اسلام کے سوا کوئی دوسرا طریقۂ زندگی اس کے لیے کبھی قابلِ قبول نہیں رہا۔ اس مقصد سے پہلے انسان حضرت آدمؑ سے لے کر ہر دور اور ہر زمانہ میں اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو اس پیغام کی تفہیم اور تجدید کے لیے بھیجتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ آج سے چودہ سو سال قبل آخری پیغمبر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوت پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ آپؐ کے بعد اب قیامت تک کوئی دوسرا نبی نہیں

آئے گا اور قیامت تک کے لیے دنیا کے تمام انسانوں کی اخروی نجات اس حیثیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے اقرار سے وابستہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پچھلی تمام شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ اخروی نجات کی ایک ہی راہ اب آخری شریعت محمدیؐ کی پیروی ہے۔ اس کے سوا زندگی کا کوئی دوسرا طریقہ خالق کائنات کے لیے ہرگز ہرگز قابلِ قبول نہیں۔

اسلامی فلسفۂ مذہب کی یہ موٹی موٹی دفعات ہیں۔ 'وحدت ادیان' کے بجائے اسی فلسفۂ مذہب سے اختلاف ادیان کی اس گتھی کو سلجھایا جا سکتا ہے، جس کی تفصیل پچھلے صفحات میں پیش کی جا چکی ہے۔ سطور ذیل میں ہم اسلامی فلسفۂ مذہب کی ان دفعات کی تفصیل پیش کریں گے۔

مقصدیتِ کائنات اور مقصدیتِ انسان:

جیسا کہ عرض کیا گیا، وحدت ادیان کا مذکورہ بے ضرر محسوس ہونے والا نظریہ حقیقت میں اس بات کو مستلزم ہے کہ اس کائنات کی تخلیق کا کوئی خاص مقصد نہیں ہے اسی طرح اس کی سب سے شاہکار مخلوق 'انسان' کو بھی کسی خاص مقصد کے بغیر یوں ہی پیدا کر دیا گیا ہے۔ اسلام کی کتاب 'قرآن' کو یہ نظریہ مطلق قابل قبول نہیں ہو سکتا جو کائنات اور انسان کی تخلیق کو ایک عظیم مقصد کے ماتحت قرار دیتا ہے۔ کتاب اللہ میں یہ بات ایک سے زائد مقامات پر اور بار بار کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو 'حق' کے ساتھ یعنی ایک خاص حکمت اور مصلحت[1] کے ساتھ پیدا کیا ہے اور وہ حکمت اور مصلحت

---

[1] مفاتیح الغیب: ۶۸/۴، نیز ۵۵۹، ۵۶۰۔ مطبعہ عامرہ، مصر ۱۳۰۸ھ طبع اولیٰ، الجامع لاحکام القرآن القرطبی: ۲۱۰/۷۔ الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب ۱۹۸۶ء، طبع ثالثہ تحقیق: ابو اسحاق ابراہیم اطفیش۔ المفردات فی غریب القرآن للراغب الاصفہانی/۱۲۴ مطبعہ میمنیہ مصر ۱۳۲۴ھ۔ تفسیر ابن کثیر: ۲۰۰/۲، مکتبہ تجاریہ کبریٰ، مصر ۱۳۵۶ھ تدبر قرآن: ۴۵۹/۲، انجمن خدام القرآن لاہور ۱۳۹۱ھ بار اول۔ نیز: تدبر قرآن: ۲۷۶/۳۔ انجمن خدام القرآن =

یہ کہ یہ کائنات اللٹپ طور پر پیدا ہو کر اللٹپ طور پر ختم نہیں ہو جائے گی۔ بلکہ اس دنیا کے بعد دوسری دنیا برپا ہوگی جس میں خیر و شر، ایمان و کفر اور حق اور باطل کا فیصلہ ہوگا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جس وقت آسمانوں اور زمین کی تخلیق عمل میں آئی، اسی وقت اس روز حساب کا بھی فیصلہ کر دیا گیا:

وھوالذی خلق السموات والارض	اور وہ اللہ ہی کی ذات ہے جس نے آسمانوں
بالحق ؕ ویوم یقول کن فیکون ؕ	اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے،
قولہ الحق ولہ الملک یوم ینفخ	ساتھ ہی اس دن کو جبکہ وہ کہے گا کہ ہو جا تو
فی الصور ؕ عالم الغیب والشھادۃ ؕ	ویسا ہی ہو جائے۔ اس کا کہنا برحق ہے۔
وھو الحکیم الخبیر ؏	اور بات اسی کی چلے گی جس دن کہ صور پھونکا
(انعام : ۷۳)	جائے گا۔ وہ تمام کھلے اور چھپے کا جاننے
	والا ہے۔ اور اس کی ذات سراپا حکمت اور
	آگاہی رکھنے والی ہے۔

اس موقع پر حق سبحانہ وتعالیٰ کی ان صفات عالیہ کے بیان کا مطلب ہے کہ ایسے دن کا برپا کیا جانا ان کا لازمی تقاضا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی ذات تمام چھپی اور کھلی چیزوں کا علم رکھنے والی ہے، وہ سراپا حکمت ہے اور اسے تمام چیزوں کی خبر ہے تو پھر اس کی گنجائش ہی کہاں رہ جاتی ہے کہ وہ اس دنیا کے معاملے کو اسی پر تمام کر کے اس کے اندر ہونے والی بھلائی برائی، حق ناحق، مومن و کافر اور ظالم و مظلوم کو ایک انجام کر دے۔ خوب کار کو اپنی بھلائی کا بدلہ، نہ بد کار اپنی بدی کے انجام سے دوچار ہو۔ دوسرے موقع پر قرآن نے آسمانوں اور زمین کی حق کے ساتھ پیدائش کے اس تقاضے کو مزید کھول دیا ہے۔ جس میں ایک خدا کی

= لاہور ۱۳۹۸ھ۔ لیکن 'آسمان و زمین کی حق کے ساتھ تخلیق' کی جو جامع تشریح صاحب تفہیم القرآن مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے کی ہے وہ کہیں اور دیکھنے کو نہیں ملی۔ تفہیم القرآن: ۱/۵۵۱، ۵۵۲۔ مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند دہلی، تیرھواں ایڈیشن ۱۹۷۱ء۔

بندگی کے ساتھ روزِ جزا کی آمد کو اس کا لازمی تقاضا قرار دیا ہے۔ سورۂ یونس میں فرمایا:

إن ربكم الله الذی خلق السموات والارض فی ستة ایام ثم استوی علی العرش یدبر الامر ما من شفیع الا من بعد اذنه ذلکم الله ربکم فاعبدوه افلا تذکرون ٥ الیه مرجعکم جمیعا وعد الله حقا إنه یبدأ الخلق ثم یعیده لیجزی الذین آمنوا وعملوا الصالحات بالقسط والذین کفروا لهم شراب من حمیم وعذاب الیم بما کانوا یکفرون ٥

(آیات: ۳-۴)

ہاں وہ تمہارا رب ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر وہ نظام کائنات کو چلانے کے لیے عرش پر متمکن ہو گیا۔ کسی کے لیے کوئی سفارش کرنے والا ہو سکتا ہے تو اس کی اجازت ہی سے ہو سکتا ہے یہی اللہ تمہارا رب ہے سو تم اسی کی بندگی کرو۔ کیا پس تم یاد دہانی نہیں حاصل کرتے ہو۔ اسی کے پاس تم سب کو پلٹ کر جانا ہے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے جس طرح وہ پہلی بار انسان کو پیدا کرتا ہے اسی طرح اسے دوبارہ پیدا کرے گا تاکہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے انھیں وہ انصاف کے ساتھ بدلہ دے اور جن لوگوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا تو ان کے لیے پینے کو کھولتا پانی اور دردناک عذاب ہو گا۔ اسی وجہ سے کہ وہ کفر کا راستہ اختیار کیے ہوئے تھے۔

اس کے بعد اس کی صراحت کر دی کہ یہ سب کچھ اس کائنات کے با مقصد اور حق کے ساتھ پیدا کیے جانے کا نتیجہ ہے:

هو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا وقدره منازل لتعلموا عدد السنین والحساب ما خلق الله

وہی ہے جس نے سورج کو دھوپ اور چاند کو روشنی کا ذریعہ بنایا ہے اور اس کے لیے مختلف مرحلے ٹھہرائے ہیں تاکہ تم سالوں

ذلك الا بالحق ج یفصل الآیات لقوم یعلمون ٥

(یونس : ٥)

کی گنتی اور حساب کی واقفیت حاصل کرو۔ اللہ نے یہ جو کچھ پیدا کیا ہے تو خاص مقصد سے کیا ہے۔ وہ ان لوگوں کے لیے اپنی آیتیں بہت کھول کر بیان کرتا ہے جو جاننا چاہیں۔

یہی بات ہے جو سورہ زمر میں دوسرے انداز سے کہی گئی ہے۔ اس کے پہلے شرک کے ابطال اور توحید کے اقرار کا مضمون ہے اس کے بعد فرمایا:

خلق السموات والارض بالحق ج یکور اللیل علی النهار ویکور النهار علی اللیل وسخر الشمس والقمر ط........ ذلکم الله ربکم له الملك ط لا اله الا هو ج فانی تصرفون ٥ ان تکفروا فان الله غنی عنکم قف ولا یرضی لعباده الکفر ج وان تشکروا یرضه لکم ط ولا تزر وازرة وزر اخری ط ثم الی ربکم مرجعکم فینبئکم بما کنتم تعملون ط انه علیم بذات الصدور ٥

(آیات: ٥ - ٧)

اس نے آسمانوں اور زمین کو ایک خاص مقصد کے تحت پیدا کیا ہے۔ وہ رات کو دن پر ڈھانپتا ہے اور دن کو رات پر ڈھانپتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو اپنی مخلوق کے فائدہ کی خاطر (مسلسل) کام پر لگا رکھا ہے..... یہی بڑا اللہ تمہارا رب ہے۔ حکومت و اقتدار تنہا اسی کے لیے ہے اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ تو پھر تم کہاں پھرائے جاتے ہو۔ اگر تم اس کی نافرمانی کا راستہ اختیار کرو تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تم سے بے نیاز ہے یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے بندوں کے لیے اس نافرمانی کو پسند نہیں کرتا ہے۔ ہاں اگر تم شکر گزاری کا راستہ اپناؤ تو وہ اس کو تمہارے لیے پسند کرتا ہے اور (قیامت کے روز) کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تم سب کو اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہوگا تو وہ تم کو ایک ایک کر کے بتائے گا کہ

(دنیا میں) تم کیا کرتے رہے تھے۔ بلاشبہ
وہ سینوں کے سربستہ رازوں کا جاننے
والا ہے۔

قرآن کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک بات کو مختلف انداز اور بدلے ہوئے پیرایوں میں بیان کرتا ہے جس سے اس کا مدعا کھل کر سامنے آجائے اور اس کا کوئی پہلو تشنۂ وضاحت نہ رہے۔ سورۂ انبیاء میں یہی بات انداز بدل کر کہی گئی ہے جس میں مقصدیت کائنات کا تقاضا بتایا گیا ہے کہ دنیا میں حق و باطل کا معرکہ بپا ہو حق کو فتح ہو اور باطل شکست سے دوچار ہو۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ دنیا سے شرک کا خاتمہ ہو اور ایک خدا کی بندگی اور توحید کا بول بالا ہو:

وما خلقنا السماء والارض وما بينهما
لاعبين ۝ لو اردنا ان نتخذ لهوا لا
تخذناه من لدنا ان كنا فاعلين ۝
بل نقذف بالحق على الباطل فيدمغه
فاذا هو زاهق ولكم الويل مما تصفون ۝

(آیات: ۱۶-۱۸)

اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے ان کو کسی کھیل کود کے لیے نہیں پیدا کیا ہے۔ اگر اسی سے ہمارا مقصد کوئی کھیل تفریح ہوتا تو اسے ہم اپنے پاس ہی میں کر لیتے اگر ہم ایسا کرنے والے ہوتے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ ہم حق کو لیکر باطل پر مارتے ہیں جس سے وہ اس کا بھیجا نکال لیتا ہے۔ جس کے بعد وہ بالکل بے نام و نشان ہو جاتا ہے اور (خدا کے انکار یا ایک خدا کے ساتھ دوسروں کی شرکت کی) جو بات تم کہتے ہو اس پر تمہارے لیے تباہی ہی ہو سکتی ہے۔

یہاں توحید کا تذکرہ تھا دوسری جگہ اس کے تقاضے میں آخرت کا پہلو ابھرا ہوا ہے جہاں روز محشر کے بپا کیے جانے کو آسمان و زمین کی بامقصد تخلیق کا فطری اور بدیہی نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے جواب میں قوم کی بے رخی و سردمہری کے پس منظر

میں ارشاد ہوا:

وماخلقنا السموات والارض وما بینهما الا بالحق وان الساعة لاٰتیة فاصفح الصفح الجمیل ○ ان ربک هو الخلاق العلیم ○ (حجر: ۸۵ - ۸۶)	اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے ان کو جو پیدا کیا ہے تو ایک خاص مقصد سے پیدا کیا ہے۔ اور بلاشبہ قیامت ضرور آنے والی ہے تو (اے نبیؐ) تم (منکرین حق کے روبرو) بہترین انداز میں عفو و درگزر سے کام لو۔ بیشک تمہارا رب وہی بڑا پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے۔

دوسرے موقع پر اس کی تفصیل ہے:

وماخلقنا السموات والارض وما بینهما لاعبین ○ ماخلقناهما الا بالحق ولکن اکثرهم لایعلمون ○ ان یوم الفصل میقاتهم اجمعین ○ یوم لایغنی مولی عن مولی شیئا ولا هم ینصرون ○ الا من رحم الله انه هو العزیز الرحیم ○ (دخان: ۳۸ - ۴۲)	اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے ان کو کسی کھیل کود کے لیے نہیں پیدا کیا ہے۔ ہم نے تو ان کو ایک خاص مقصد سے پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے ہیں۔ بلاشبہ فیصلے کا دن تم سب کے اکٹھا ہونے کا دن ہے۔ اور اس دن کوئی دوست اپنے دوسرے دوست کے کام نہ آسکے گا اور نہ وہ ایک دوسرے کی مدد کر سکیں گے۔ ہاں ان کی بات الگ ہے جو اللہ کی رحمت اور اس کی مہربانی کے مستحق ہونگے بلاشبہ وہ بڑا طاقتور اور رحم کرنے والا ہے۔

سورۂ ص میں یہی بات الفاظ کے فرق سے مزید وضاحت سے کہی گئی ہے جہاں کائنات کی با مقصد تخلیق سے اس بات کو غیر ہم آہنگ بتایا گیا ہے کہ اللہ سے ڈر کر رہنے والوں اور اس کی نافرمانی کرنے والوں دونوں کا انجام ایک سا ہو، کتاب اللہ پر تدبر کی نظر ڈالنے والا کوئی شخص اس غلط فہمی کا کبھی شکار نہیں ہو سکتا۔

وما خلقنا السمآء والارض وما بينهما
باطلا ذلك ظن الذين كفروا ج
فويل للذين كفروا من النار ○ ام
نجعل الذين امنوا وعملوا الصالحات
كالمفسدين في الارض ام نجعل المتقين
كالفجار ○ كتاب انزلناه اليك
مبارك ليدبروا اٰيٰته وليتذكر
اولوا الالباب ○

(آیات : ۲۷-۲۹)

اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان
جو کچھ ہے ان کو بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے
یہ تو ان لوگوں کا گمان ہے جنھوں نے کفر کے
راستے رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ تو ایسے کافروں
کے لیے دوزخ کی تباہی منتظر ہے۔ کیا
ایسا ہو سکتا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور
نیک عمل کیے انھیں ہم زمین میں فساد برپا کرنے
والوں کے مانند کر دیں۔ یا ایسا ہو سکتا ہے
کہ ہم اپنے سے ڈرنے والوں کو نافرمانوں
کے مانند قرار دے دیں۔ یہ کتاب جو ہم نے
تم تک اتاری ہے جو سراپا خیر و برکت کا سرچشمہ
ہے، یہ اس لیے ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں
پر غور کریں اور تاکہ سمجھ والے اس کے ذریعہ
اپنی یاددہانی کا سامان کریں۔

حق تعالیٰ کے جن سمجھ دار بندوں کو کائنات میں اس انداز سے تدبر کی نگاہ ڈالنے کی توفیق ملتی ہے انھیں خود بخود اس حقیقت کا ادراک ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے اعمالِ خیر کو بے وزن سمجھتے ہوئے اپنے مولیٰ سے دوزخ کے عذاب سے بچائے جانے کے طلبگار ہوتے ہیں:

ان فی خلق السموات والارض
واختلاف الیل والنهار لاٰیات
لاولی الالباب ○ الذين يذكرون الله
قياما وقعودا وعلى جنوبهم و
يتفكرون فی خلق السموات والارض

بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات
اور دن کے الٹ پھیر میں سمجھدار لوگوں کے لیے
نشانیاں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کو یاد کرتے
ہیں کھڑے، بیٹھے اور جبکہ وہ اپنے پہلوؤں پر
لیٹے ہوتے ہیں۔ اور یہ آسمانوں اور زمین

ربنا ما خلقت ھٰذا باطلاً سبحانک فقنا عذاب النار ٥

(آل عمران: ۱۹۰-۱۹۱)

کی بناوٹ پر غور کرتے ہیں (جس کے بعد وہ اختیاراً پکار اٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے آقا! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ تیری ذات اس سے بہت پاک ہے۔ تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچانے کی صورت پیدا فرما دے۔

قرآن حکیم میں کائنات کی اس بامقصد، حق کے ساتھ تخلیق کے ان تقاضوں کو دوسرے مختلف اور متعدد مواقع پر بھی بیان کیا گیا ہے[۱] اور ان سب کا منشا یہی ہے کہ اس کائنات کی تخلیق ایک عظیم حکمت اور مصلحت کے ماتحت کی گئی ہے۔ یہ محض البیشور جی کی لیلا یا کسی بچے کا کھلونا نہیں ہے کہ وہ محض دل بہلانے کے لیے اس سے کھیلتا رہے اور پھر جب جی چاہے اسے یوں ہی توڑ پھوڑ کر پھینک دے[۲] نہیں بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے اور آسمان و زمین کی بامقصد تخلیق دنیا میں خوب کاروں اور بدکاروں کی نسبت سے مختلف انجام کی طالب ہے:

ام حسب الذین اجترحوا السیّاٰت ان نجعلھم کالذین اٰمنوا وعملوا الصالحات سوآء محیاھم و مماتھم ساء ما یحکمون ٥ و خلق اللّٰہ السمٰوٰت والارض بالحق ولتجزیٰ کل نفس بما کسبت وھم لا یظلمون ٥

(جاثیہ: ۲۱-۲۲)

کیا وہ لوگ جو (دنیا میں) برائیوں کا ارتکاب کر رہے ہیں ہم ان کو ان لوگوں کے مانند کر سکتے ہیں جو ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں اس طور پر کہ ان سب کا جینا اور مرنا ایک جیسا ہو۔ یہ بہت برا فیصلہ ہے جو یہ کر رہے ہیں جبکہ صورت یہ ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو ایک خاص مقصد سے پیدا کیا ہے اور ایسا اس لیے کیا ہے تاکہ ہر شخص کو اس کا بدلہ ملے جس کی کہ اس نے کمائی کی ہے

۱۔ ابراہیم: ۱۹-۲۰، حجر: ۸۵-۸۶، نحل: ۱-۳، عنکبوت: ۴۳-۴۴، روم: ۶-۸، احقاف: ۱-۶، تغابن: ۳-۷۔

۲۔ تفہیم القرآن: ۱/۱۵۵، محولہ بالا۔

اور لوگوں کے ساتھ ذرہ برابر ناانصافی کا معاملہ کیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ نہ یہ کائنات بے مقصد ہے نہ اس کی شاہکار مخلوق 'انسان' کسی مقصد کے بغیر (Scot free) ہے۔ اس کے بجائے اسے بندگی رب کے عظیم مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور روز جزا اسے اپنی اس ذمہ داری کی باز پرس کرنی ہوگی اور جو لوگ اس میں کوتاہی کے مرتکب ہو کر کفر و شرک کی لعنت میں گرفتار ہوں گے وہ اپنے کو اس کے برے انجام سے بچانے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔

افحسبتم انما خلقناکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون ○ فتعالی اللہ الملک الحق لا الہ الا ھو رب العرش الکریم ○ ومن یدع مع اللہ الھا اخر لا برھان لہ بہ فانما حسابہ عند ربہ انہ لا یفلح الکافرون ○ وقل رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین ○

(مومنون : ۱۱۵-۱۱۸)

کیا پس تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تم کو یوں ہی (Scot free) پیدا کر دیا ہے اور یہ کہ تم ہم تک لوٹائے نہیں جاؤ گے تو اللہ جو کہ وہی حقیقی بادشاہ ہے اس کی ذات اس سے بہت بلند ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں اور وہی بڑے تخت کا مالک ہے۔ اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جبکہ اس کے پاس اس کے حق میں کوئی دلیل نہیں تو اسے اس کا حساب اپنے رب کے پاس دینا ہوگا۔ بلاشبہ کفر کی راہ اپنانے والے کبھی بامراد نہیں ہو سکتے اور (اے نبیؐ) کہئے کہ پروردگار! تو بخشش کا معاملہ اور رحم فرما اور تو ہی سب میں بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔

ایحسب الانسان ان یترک سدی ○ الم یک نطفۃ من منی یمنی ○

کیا انسان سمجھتا ہے کہ اسے یوں ہی (Scot free) چھوڑ دیا جائے گا۔

ثم کان علقۃ فخلق فسوّی ۝ فجعل منہ الزوجین الذکر و الانثی ۝ الیس ذلک بقدر علیٰ أن یّحیی الموتیٰ ۝

(قیامہ : ۳۶ ـ ۴۰)

کیا انسان نہیں تھا کہ وہ منی کی ایک بوند تھا جسے (رحمِ مادر میں) ٹپکایا گیا۔ پھر وہ خون کی پھٹکی کی حالت میں ہوا اس کے بعد اللہ نے اس کی صورت گری کی اور اسے ٹھیک ٹھاک کیا۔ آگے کے مرحلے میں اسے مرد اور عورت دو جوڑے کی شکل میں پیدا کیا۔ کیا ایسی ہستی کے قبضۂ قدرت میں یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ مردوں کو از سرِ نو زندہ کر سکے؟

ذاتِ باری تعالیٰ کا تعارف :

مذاہبِ عالم کے بنیادی اور جوہری اختلاف کے ساتھ، جس کی تفصیل پچھلے صفحات میں پیش کی گئی، ان کے مابین کچھ چیزیں متفقہ اور مابہ الاشتراک بھی ہو سکتی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ مشہور مذاہبِ عالم کے درمیان ایسی بہت ساری مشترک تعلیمات موجود ہیں، اتحادِ مذاہب کی اس حقیقت پر تفصیلی گفتگو ہم آئندہ کریں گے، لیکن ایک بات واضح ہے کہ مذاہب کا یہ اتحاد جزوی تعلیمات اور فروعی امور و مسائل کا ہے جبکہ کسی مذہب کی اصل حقیقت اس کی کلی حیثیت اور اس کے بنیادی ڈھانچے اور نظام کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ مذاہب کی اس کلی حیثیت اور ان کے بنیادی نظام سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اس کی چند فروعی تعلیمات کی یکسانیت سے یہ خیال کرنا کہ دنیا کے تمام مذاہب اپنی اصل اور حقیقت کے اعتبار سے یکساں ہیں اور ان میں سے کسی ایک کی پیروی سے خالقِ کائنات کی خوشنودی یکساں طور پر حاصل کی جا سکتی ہے، جبکہ عام مذاہب سے قطع نظر مشہور مذاہبِ عالم میں فکر و نظر کی بہت سی خامیوں اور کمیوں کے ساتھ شرک و بت پرستی یہاں تک کہ انکارِ خدا تک کی پوری گنجائش ہے، مذاہبِ عالم کے اس بنیادی اور جوہری اختلاف کی صورت کے ساتھ ان کے متعلق یہ خیال قائم کرنا کہ ان میں سے کسی

بھی مذہب کے ذریعہ زمین و آسمان اور انسانوں کے خالق و مالک خدا کی خوشنودی یکساں طور پر حاصل کی جا سکتی ہے، بڑی زیادتی کی بات ہے۔ جو دوسرے لفظوں میں حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات اقدس کے صحیح تعارف سے محرومی بلکہ صحیح تر لفظوں میں ان سے حد درجہ بدگمانی اور ان کی بے مثال ناقدرشناسی کا پتہ دیتی ہے۔ اسے تو بدلے ہوئے الفاظ میں یوں کہنا ہے کہ معاذاللہ ثم معاذاللہ ذات خداوندی کوئی بے حس مخلوق ہے جو عام انسانوں سے بھی گئی گزری ہے۔ عام انسان بھی اگر کسی شخص کو اپنا ملازم رکھے اور اسے اپنے احسانات سے نوازے تو اس کے لیے ناقابل برداشت ہوتا ہے کہ یہ ملازم اپنے آقا کے بجائے کسی دوسرے کا وفادار ہو۔ دوسرے آقا کے لیے تو وہ آداب اور کورنش بجالائے اور اسی کی نیاز مندیوں پر نیاز مندیوں میں لگا رہے۔ جبکہ اپنے اصل آقا اور حقیقی محسن سے وہ نگاہیں پھیر کر رہے یا اگر کبھی وہ اس کی نیاز مندی بجا بھی لائے تو کبھی کبھار ہی اس کا موقع ہو اور شاذ و نادر ہی اسے اس کی یاد آئے۔ جب دنیا کا ایک معمولی آقا اپنے خادم سے اس رویئے کی توقع نہیں کر سکتا جبکہ اگر وہ اسے کچھ دیتا ہے تو اس کی خدمات سے اسی طرح فائدہ اٹھاتا ہے، تو خالق ارض و سما اور خالق انس و جن کی ذات عالی سے یہ توقع کیونکر کی جا سکتی ہے کہ وہ ان سے ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ میں بھی کسی نفع کا طلب گار نہ ہو کر ہمہ آن اس کے اوپر اپنے احسانات ہی کی بارش کرتا رہتا ہے۔ اپنے وجود سے لے کر اپنی ایک ایک سانس کی بقاء کے لیے وہ اپنے خالق کی عنایتوں اور بخششوں کا محتاج ہے، کائنات کا پورا کارخانہ اس کی خدمت گذاری اور اس کی نفع رسانی کے لیے سرگرم کار ہے، اور اس کا حال یہ ہے کہ تنہا اس کی شکر گذاری اور احسان مندی کے بجائے وہ دوسرے بہت سارے خود ساختہ خداؤں کے جنگل میں گرفتار ہے، وہ تنہا ایک خدا کے بجائے بہت سارے خداؤں کو پوجتا ہے اور اپنی وفاداریوں کو ایک خدا کے بجائے بہت سارے خداؤں کے درمیان تقسیم کر دیتا ہے یہاں تک کہ پرستش و بندگی کی وہ بہت سی ایسی صورتیں اختیار کرتا ہے جس میں اصل خدا بڑے خدا کے رتبہ سے بھی محروم ہو کر بالکل پردۂ خفا میں چلا جاتا ہے اور دینداری اور مذہبیت کے ساتھ الحاد اور انکار خدا کی پوری گنجائش نکل آتی ہے۔

مذاہب عالم کے اس بنیادی اور جوہری اختلاف سے صرف نظر کرتے ہوئے، ان کے مابین بعض فروعی تعلیمات کی یکسانیت سے وحدت ادیان کا یہ فلسفہ کہ جملہ مذاہب عالم میں سے کسی ایک کی پیروی سے خالق کائنات کی خوشنودی یکساں طور پر حاصل کی جا سکتی ہے، ہم نہیں سمجھتے کہ عقل سلیم سے واسطہ رکھنے والا کوئی شخص کسی بھی درجے میں اس خیال کا قائل اور اس کا مؤید اور حمایتی بن سکتا ہے۔

اسلام جس خدا کا قائل ہے اور جسے وہ خدائی کا مستحق باور کرتا ہے اس کا تصور اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ انتہائی غیرت مند خدا ہے جس کے لیے ناقابلِ تصور ہے کہ کائنات اور انسان کو تنہا پیدا وہ کرے اور اس پر حکمرانی کسی اور کی چلے اور اس کی بے لوث عبودیت و پرستش اور جملہ معاملات زندگی میں اس کی بے لاگ اطاعت و فرماں برداری کے بجائے کسی اور کی عبودیت و فرماں برداری اختیار کی جائے۔ اس مقصد سے کتاب اللہ نے ذات باری تعالیٰ کا انتہائی تفصیلی تعارف پیش کیا ہے تاکہ کسی کے لیے اس طرح کی کسی غلط فہمی اور بدگمانی کا موقع نہ رہے۔ قرآن حکیم میں قدم قدم پر حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی صفات عالیہ کا حوالہ ہے اور مختلف مقامات پر ان کی یکجا تفصیل پیش کی گئی ہے۔

ھواللہ الذی لآ الٰہ الا ھو ج علمُ الغیب والشہادۃ ج ھوالرحمٰن الرحیم ھو اللہ الذی لآ الٰہ الا ھو ج الملک القدوس السلٰم المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر ط سبحان اللہ عما یشرکون ہ ھو اللہ الخالق البارئ المصور لہ الاسماء الحسنیٰ ط یسبح لہ ما فی السمٰوٰت والارض ج وھو العزیز الحکیم ہ (حشر : ۲۲-۲۴)	اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ وہ تمام چھپے اور کھلے کا جاننے والا ہے۔ وہ بڑا مہربان اور انتہائی رحم والا ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ وہ بادشاہ ہے (ہر طرح کے عیوب سے) پاک ہے، سرتاپا سلامتی ہے، امن و امان عطا کرنے والا ہے، سب پر نگہبان ہے، وہ بڑا زبردست، بڑی قوت و شوکت والا اور صاحبِ عظمت ہے۔ اس کی ذات اس سے بہت بلند ہے جو کہ لوگ

(اس کے ساتھ دوسروں کو) شریک
ٹھہراتے ہیں۔ اللہ وہ ہے جو پیدا کرنے
والا، زندگی دینے والا اور صورت گری کرنے
والا ہے، تمام بہترین صفات اس کے
لیے ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ
ہے اس کا ثناخواں ہے اور وہ بڑی
قوت والا اور حکمت والا ہے۔

ان آیات کریمہ میں حق تعالیٰ کی ان صفات عالیہ کے اسی تقاضے کو کھول دیا گیا ہے کہ تنہا اسی کی عبودیت اور بندگی اختیار کی جائے اور اسے شرک وبت پرستی سے پاک رکھا جائے، سورۂ بقرہ وہ دوسرا موقع ہے جہاں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بعض دوسری صفات کریمہ کا تفصیلی بیان ہے، جس کے بعد ان کے اس تقاضے کو کھولا گیا ہے کہ شرک وبت پرستی اور انکار خدا کی جتنی شکلیں ہیں جن کے لیے قرآن کی جامع اصطلاح 'طاغوت'[۱] ہے، ان کا انکار کیا جائے اور صرف ایک خدا پر ایمان لایا جائے، دنیا میں جو لوگ اس حقیقت کو تسلیم کر لیتے ہیں وہ اپنی پوری زندگی میں دن کے اجالے میں ہوتے ہیں اور مشکل کی ہر گھڑی میں ان کے لیے راہ صواب آسان ہوتی ہے، اس کے برعکس جو لوگ شرک و بت پرستی اور انکار خدا کا راستہ اختیار کرتے ہیں تو وہ انھی غیر الٰہی طاقتوں 'طاغوت' کی سرپرستی میں چلے جاتے ہیں جو انھیں انتہائی بے رحمی کے ساتھ زندگی بھر کے لیے نوع بہ نوع اندھیاروں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتی ہیں، اور یہی چیز انجام کار ان کے لیے دوزخ کی دائمی زندگی کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔

اللّٰہ لَآ الٰہ الا ھوۚ الحی القیومۚ ‏ اللہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی دوسرا

---

[۱] 'طاغوت' کی اس تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب 'مذہب کا اسلامی تصور'، صفحات ۱۲۶ تا ۱۳۹، نیز ص ۲۱۱، مطبوعہ ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ، بار اول ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۱ء۔

لاتاخذہ سنۃ ولا نوم ط لہ	معبود نہیں۔ وہ زندۂ جاوید اور نظام
مافی السمٰوات وما فی	عالم کو تھامنے والا ہے۔ اس پر جھپکی
الارض ط من ذاالذی یشفع عندہٗ	طاری ہوتی ہے، نہ نیند۔ آسمانوں اور
إلا باذنہ ط یعلم ما بین	زمیں میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے۔
ایدیھم وما خلفھم ج ولا	کوئی نہیں جو اس کے روبرو اس کی
یحیطون بشئٍ من علمہٖ الا	اجازت کے بغیر کسی طرح کی سفارش
بما شاء ج وسع کرسیہ السمٰوٰت	کی جرأت کرسکے۔ لوگوں کے آگے
والارض ج ولا یؤدہٗ حفظھما	اور پیچھے جو کچھ ہو رہا ہے اسے اس کا
وھوالعلی العظیم ہ	خوب پتہ ہے اور اس کے علم کی
(بقرہ : ۲۵۵)	کائنات تک ان کی کوئی رسائی نہیں۔

سوائے اس کے جسے کہ وہ (انھیں خود بتانا) چاہے۔ اس کی کرسی (اقتدار) کا دائرہ تمام آسمانوں اور زمین تک وسیع ہے۔ اور ان کی نگرانی اور دیکھ ریکھ اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اور اس کی ذات بڑی بلند و بالا اور صاحب عظمت وسطوت ہے۔

آگے ان صفات عالیہ کے مذکورہ تقاضے کی تفصیل اس طرح کی گئی:

لآ اکراہ فی الدین قف قد تبین الرشد	دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی
من الغی ج فمن یکفر بالطاغوت	نہیں۔ ہدایت کا راستہ گمراہی کے مقابلے
ویومن باللہ فقد استمسک	میں بالکل واضح ہوچکا ہے۔ تو کوئی
بالعروۃ الوثقیٰ ق لا انفصام لھا	غیر اللہ (طاغوت) کا انکار کرتا ہے
واللہ سمیع علیم ہ اللہ	اور ایک اللہ پر ایمان لاتا ہے اس نے

ولی الذین اٰمنوا لا یخرجھم من الظلمٰت الی النور ۃ والذین کفروآ اولیئھم الطاغوت لا یخرجونھم من النور الی الظلمٰت ج اولئک اصحاب النار ج ھم فیھا خلدون ۝

(البقرہ : ۲۵۶-۲۵۷)

گویا سب سے مضبوط رسی کو تھام لیا، جس کے ٹوٹنے کا کوئی سوال نہیں اور اللہ بڑا سننے والا جاننے والا ہے۔ اللہ ایمان کی راہ پکڑنے والوں کا دوست ہے وہ انھیں تاریکیوں سے نکال کر اجالے میں لاتا ہے اور جن لوگوں نے کفر کا رستہ اختیار کیا ہے ان کے دوست طاغوت (غیر اللہ) ہیں۔ یہی دوزخ والے لوگ ہیں۔ جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

سورۂ حدید کی ابتدائی آیات میں بھی حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی بہت سی صفات کی یکجا تفصیل کی گئی ہے جس کا آغاز کائنات کی اس عظیم ترین حقیقت سے کیا گیا ہے کہ آسمان و زمین کی جان دار و بے جان ایک ایک چیز اور اس عالم کون و مکان کا ایک ایک ذرہ تنہا اسی بزرگ و برتر ذات کی حمد و تسبیح میں لگا ہوا ہے جس کے بعد کائنات کے کسی دوسرے مظہر اور آسمان و زمین کی کسی دوسری ہستی کی یہ حیثیت نہیں ہو سکتی کہ اس ذات عالی کے ساتھ طاعت و بندگی میں اس کو شریک ٹھہرایا جائے اور تنہا ایک معبودِ برحق کے سوا کسی اور کی حمد و تسبیح کے ترانے گائے جائیں:

سبح للہ ما فی السمٰوٰت والارض ج وھو العزیز الحکیم ۝ لہ ملک السمٰوٰت والارض ج یحیی و یمیت ج وھو علی کل شیء قدیر ۝ ھو الاول والاٰخر والظاھر والباطن ج وھو بکل شیء علیم ۝ ھو الذی خلق السمٰوٰت

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ کے لیے ثنا خواں ہے اور وہ بڑی شوکت والا اور حکمت والا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی حکومت اسی کی ہے۔ وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ وہی سب سے پہلے تھا اور وہی سب سے بعد میں رہے گا۔

والارض فی ستۃ ایام ثم استویٰ علی العرش یعلم مایلج فی الارض وما یخرج منہا وما ینزل من السماء وما یعرج فیہا وھو معکم اینما کنتم واللہ بما تعملون بصیر لہ ملک السمٰوٰت والارض والی اللہ ترجع الامور یولج اللیل فی النہار ویولج النہار فی اللیل وھو علیم بذات الصدور ○

(حدید : ۱-۶)

وہ کھلا ہوا بھی ہے اور چھپا بھی۔ اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا ہے۔ پھر وہ عرش (اقتدار) پر متمکن ہے۔ وہ خوب جانتا ہے جو کچھ زمین کے اندر جاتا ہے اور جو کچھ اس سے باہر نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس کے اندر چڑھ کر جاتا ہے اور تم جہاں کہیں بھی رہتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اُسے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے اور تمام معاملات اللہ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں۔ وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور سینوں کے سربستہ رازوں سے پوری طرح آگاہ ہے۔

اس کے فوراً بعد ان صفات عالیہ کا تقاضا بتایا گیا گویا کہ اس کے بعد فطرت سلیم خود اسی کے لیے پکار اٹھتی ہے کہ حق تعالیٰ پر ایمان اور اس کے دیگر متضمنات کی ادائگی کے لیے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا جائے، ساتھ ہی خدا تعالیٰ کے حق کے ساتھ بندگان خدا کے حقوق کی ادائگی کا بھی سامان کیا جائے اور اس سب کے خلاصے کے طور پر اللہ کی آخری کتاب کی آیات پر ایمان لا کر اپنی زندگی میں جہالت و گمراہی کے اندھیروں سے نکل کر ہدایت ربانی کے اجالے میں آنے کی ضمانت حاصل کر لی جائے۔ چنانچہ

ارشاد ہوا:

اٰمنوا باللّٰہ ورسولہٖ وانفقوا مما	ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر
جعلکم مستخلفین فیہ ط فالذین	اور خرچ کرو اس چیز میں سے جس پر
اٰمنوا منکم وانفقوا لھم اجر کبیر ○	کہ اس نے تم کو قبضہ عطا کیا ہے۔
وما لکم لا تؤمنون باللّٰہ ج والرسول	تو تم میں سے جو لوگ ایمان کا راستہ
یدعوکم لتؤمنوا بربکم وقد	اپنائیں اور (اللہ کے راستے میں) خرچ
اخذ میثاقکم ان کنتم مؤمنین ○	کریں ان کے لیے بڑا بدلہ ہے اور کیا
ھو الذی ینزل علٰی عبدہٖ اٰیٰتٍ	بات ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے
بیّنٰتٍ لیخرجکم من الظلمات	ہو جبکہ رسول تم کو پکار پکار لگائے
الی النور ط وان اللّٰہ بکم لرءوف	جا رہا ہے تاکہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ
رحیم ○	اور ایسی چیز کا وہ تم سے قول قرار لے چکا
(حدید : ۷ ـ ۹)	ہے اگر تم اپنے ایمان میں سچے ہو۔ وہی
	ہے جو اپنے بندے پر کھلی ہوئی آیتیں
	اتار رہا ہے تاکہ وہ تمہیں تاریکیوں سے
	نکال کر اجالے سے سرفراز کرے اور
	بلاشبہ اللہ تم پر بڑا مہربان اور انتہائی
	رحم کرنے والا ہے۔

اس کے علاوہ، جیسا کہ عرض کیا گیا، قرآن حکیم میں جگہ جگہ اور قدم قدم پر اللہ تعالےٰ کی صفات اس کی نشانیوں اور اس کے کرشموں کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سر تا پا علم اور سر تا پا آگہی ہے۔ اس کا بے پایاں علم کائنات کے ایک ایک ذرے کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے آسمان و زمین کا کوئی ایک ذرہ پوشیدہ نہیں ہے۔ انسان جو کوئی کام بھی انجام دیتا ہے حق تعالیٰ کی اس پر نگرانی قائم ہوتی ہے[1] آسمان و زمین کی کوئی پوشیدہ سے پوشیدہ چیز بھی ایسی نہیں ہے جو پہلے سے اس کے یہاں

[1] یونس: ۶۱

ریکارڈ میں نہ ہو، انسان جو کام علانیہ کرتا ہے اسی طرح جو راز اس کے سینوں میں چھپے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ان دونوں کی یکساں خبر ہے[1] غیب کی تمام باتوں کا تنہا علم اسی کی ذات کو ہے خشکی اور تری میں جو کچھ ہے وہ سب اس کی نگاہ میں ہے، پیڑ سے جو ایک پتہ بھی گرتا ہے تو اسے اس کا پتہ ہوتا ہے، زمین کے دبیز پردوں میں جو کوئی ایک دانہ پڑا ہوتا ہے اسی طرح اس تمام عالم آب و گل میں کوئی خشک و تر ایسی چیز نہیں جو اس کے یہاں پہلے سے ریکارڈ میں موجود نہ ہو[2] جب اس ذات باری تعالیٰ کا علم اس قدر ہمہ گیر اور ہمہ جہت ہے تو تنہا اسی کے سوا عبودیت اور بندگی کا دوسرا مستحق کون ہو سکتا ہے۔ سورۂ آل عمران میں اس ہمہ گیر علم باری کے اس تقاضے کو کھول دیا ہے:

ان اللہ لا یخفی علیہ شیٔ فی الارض ولا فی السماء ۝ ھو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء ۝ لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم ۝ (آیت : ۳)

اللہ کی ذات سے کوئی چیز زمین میں چھپی ہو سکتی ہے نہ آسمان میں۔ وہی ہے جو کہ رحم مادر میں تمہاری صورت گری کرتا ہے جیسا کہ وہ چاہتا ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں اور وہ بڑی قوت والا حکمت والا ہے۔

دوسرے موقع پر اسی علم باری کے حوالہ سے توحید اور معاد دونوں پر استدلال کیا ہے:

الیہ یرد علم الساعۃ ۝ وما تخرج من ثمرات من اکمامھا وما تحمل من انثی ولا تضع الا بعلمہ ۝ ویوم ینادیھم این شرکائی قالوا اٰذنٰک ما منا من شھید ۝ وضل عنھم

قیامت کی جانکاری تنہا اللہ ہی کے حوالہ ہے اور جو کوئی پھل اپنی کونپلوں سے نکلتا ہے، اسی طرح جس طرح کسی مادہ کو حمل ٹھہرتا ہے پھر اسے وضع حمل ہوتا ہے اس کی جانکاری بھی اسے لازمی ہوتی ہے اور جس دن وہ لوگوں کیلئے پکار لگوائیگا کہ کہاں ہیں

---

[1] نحل: ۱۹، ۲۰۔ [2] انعام: ۵۹

ما کانوا یدعون من قبل وظنوا ما لہم من محیص ۝
(حٰم السجدہ : ۴۷ - ۴۸)

وہ میرے ساجھی لاتیہ لوگ پورے زور سے اعلان کریں گے کہ (اس حیثیت میں) ہم میں سے کوئی سامنے آنے والا نہیں ہے اور (اللہ کو) چھوڑ کر یہ (جن لوگوں کو) اس سے پہلے پکارتے تھے یہ سب ان سے غائب ہو جائیں گے۔ اور ان کو اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔

سورۂ سبا میں حق تعالیٰ کے اس محیط علم کے تقاضے کو مزید کھول دیا گیا ہے جہاں اس کے براہ راست نتیجے کے طور پر اہل ایمان اور اس کی آیتوں کا انکار کرنے والوں کے مختلف انجاموں کی تفصیل ہے اور روزِ جزا کو اس کے اولین مقتضا کے طور پر پیش کیا گیا ہے:

وقال الذین کفروا لا تاتینا الساعۃ قل بلی وربی لتاتینکم لا عالم الغیب ج لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ فی السمٰوٰت ولا فی الارض ولا اصغر من ذلک ولا اکبر الا فی کتٰب مبین ۝ لیجزی الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت ط اولٰئک لہم مغفرۃ ورزق کریم ۝ والذین سعوا فی اٰیٰتنا معٰجزین اولٰئک لہم عذاب من رجز الیم ۝ (آیات: ۳ - ۵)

اور جن لوگوں نے کفر کا راستہ پکڑا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم تک قیامت نہیں آئے گی۔ (اے نبی ﷺ) کہہ دو کہ ہاں میرے رب کی قسم وہ تم تک ضرور آئے گی۔ (اور کیوں نہ ہو جبکہ) وہ غیب کا جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر بھی ہو تو وہ اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی ہے۔ اسی طرح جو کوئی چیز بھی اس سے چھوٹی ہو یا بڑی ہو ایک قرطاس ابیض میں اس کا ریکارڈ موجود ہے۔ ایسا اس لیے ہے تاکہ وہ لوگ جو ایمان

لائے اور نیک عمل کیے انھیں وہ انعام سے
سرفراز کرے۔ یہی لوگ ہیں ان کے لیے
بخشش اور بہترین روزی کا سامان ہے
اور جو لوگ ہماری آیتوں کے سلسلے میں
دوڑ دھوپ کرتے ہیں کہ انھیں نیچا
دکھا سکیں، تو ان کے لیے رسوا کن
دردناک عذاب انتظار رجمائے کھڑا
ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اس صفت علم اور اس کی مذکورہ صدر دیگر صفات عالیہ[1] کا بدیہی اور صریح تقاضا ہے کہ وہ اس کائنات کو پیدا کر کے اس سے فارغ نہ ہو جائے بلکہ ساتھ ہی تنہا اس کی اس پر حکمرانی بھی چلنی چاہیے:

.... الا لہ الخلق والامر، تبارک اللہ رب العالمین ○ (اعراف: ۵۴)	..... سن لو اسی نے پیدا کیا ہے تو حکومت کا اختیار بھی اسی کو حاصل ہے۔ بڑی بابرکت ہے اللہ کی ذات جو سارے جہاں کا (بلا شرکت غیرے) مالک ہے

جب یہ پوری کائنات ہمہ وقت اس کی مٹھی میں ہے تو اس کی شاہکار مخلوق 'انسان

---

[1] اسلام میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا تفصیلی تعارف اس کی صفات اور اس کے اسمار حسنیٰ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اجمالی طور پر حق تعالیٰ کی ان صفات کا احاطہ ننانوے کی تعداد میں کیا گیا ہے۔ ورنہ اپنے تفصیلی رنگ میں اس ذات عالی کی خوبیاں بے پایاں اور بے حد حساب ہیں جن کے بیان کے لیے قرآن کے الفاظ میں سات سمندروں کی روشنائی اور تمام زمین کے درختوں کے قلم بھی ناکافی ہیں۔ (لقمان: ۲۷) کلامی پہلو سے صفات باری تعالیٰ کے مسئلہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سیرۃ النبیؐ جلد چہارم صفحات۔ ۹۰ تا ۵۵۳، دار المصنفین، اعظم گڑھ ۱۹۵۸ء نیز: خدا اور رسول کا تصور اسلامی تعلیمات میں از مولانا سید جلال الدین عمری صفحات ۳، ۲ تا ۲۲۹۔ مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند دہلی بار دوم ۱۹۶۹ء

کے لیے بھی روا نہیں ہو سکتا کہ تنہا اس ذات باری کو چھوڑ کر وہ کسی اور کو اپنا فریاد رس قرار دے اور اس کے سامنے اپنا دست سوال دراز کرے۔ چنانچہ اسی کے متصل بعد فرمایا:

ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ ط انہ لا یحب المعتدین ○

اپنے رب کو پکارو عاجزی سے اور سرگوشی سے۔ بلاشبہ وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ (اعراف: ۵۵)

وہ ہمہ آن آسمان سے لے کر زمین تک اپنی کائنات کی نگرانی اور اس کے معاملات کو چلا رہا ہے:

یدبر الامر من السمآء الی الارض...

وہ آسمان سے زمین تک نظام عالم کو لگاتار چلا رہا ہے.... (سجدہ: ۵)

جس کے بعد صریح عقل عام کے تقاضے سے اس کی گنجائش نہیں ہو سکتی کہ اسے چھوڑ کر کسی اور کو اپنا کارساز بنایا جائے اور اس ذات عالی کے بالمقابل اس کی سفارش اور حمایت کی توقع باندھی جائے۔ جس کی وضاحت اس سے عین قبل آیت کریمہ میں کردی گئی:

...مالکم من دونہ من ولی ولا شفیع ط افلا تتذکرون ○

....تمہارے لیے اس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا کارساز اور سفارشی نہیں۔ کیا پس تم یاد دہانی حاصل نہیں کرتے ہو۔ (سجدہ: ۴)

ذات باری تعالیٰ کا یہ تعارف پکار پکار کر کہتا ہے کہ اس کی اس حیثیت میں زمین و آسمان میں تنہا خدائی اسی کی چل سکتی ہے:

وھو الذی فی السمآء الٰہ وفی الارض الٰہ ط وھو الحکیم العلیم ○

وہی ہے جس کی بادشاہی آسمان میں بھی چل رہی ہے اور زمین میں بھی۔ اور وہ سرتاپا حکمت اور علم والا ہے۔ (زخرف: ۸۴)

چنانچہ اپنے اس بے پایاں علم و حکمت کی بنیاد پر وہ بدلے کا ایک دن برپا کرے گا اور اس دن اس ایک ہستی برحق کو چھوڑ کر جن لوگوں نے دوسروں کو اپنا ملجا اور ماویٰ

بنا رکھا ہے، اس کے روبرو ان کا کوئی زور اور سفارش اپنے ارادت مندوں کے کام نہ آسکے گا۔ اس دن اہل ایمان کے لیے صلحاء اور اتقیاء کی برحق گواہی کے سوا دوسری تمام گواہیاں بے اثر اور بے ثمر ہوں گی :

وتبارک الذی لہٗ ملک السمٰوٰت	اور بڑی بابرکت ہے اللہ کی ذات جس کے
والارض وما بینھما ج وعندہٗ	ہاتھ میں آسمانوں اور زمین اور ان کے
علم الساعۃ ج والیہ ترجعون ۝	درمیان جو کچھ ہے کی حکومت ہے اور
ولا یملک الذین یدعون من	اسی کے پاس قیامت کی جانکاری ہے
دونہ الشفاعۃ الا من	اور اسی تک تم سب لوگ لوٹائے جاؤ گے
شھد بالحق وھم یعلمون ۝	اور ایک اللہ کو چھوڑ کر یہ جن دوسرے
(زخرف : ۸۵-۸۶)	لوگوں کو پکار رہے ہیں انھیں (اس
	دن) سفارش کا کوئی اختیار نہ ہوگا۔ یہ
	اختیار ہوگا بھی تو صرف انہی کو جو حق کے
	ساتھ گواہی دیں گے اور انھیں اپنے
	موقف کی درستگی کا پورا اطمینان ہوگا۔

زمین و آسمان میں تنہا اسی ایک معبود برحق کی ذات ہے جو اس کی مستحق ہے کہ اس کی حمد و ثنا کے ترانے گائے جائیں۔ آسمان اور زمین میں بھی بڑائی اور برتری تنہا اسی ذات باعظمت کے لیے زیبا ہے :

فللہ الحمد رب السمٰوٰت	پس تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں
ورب الارض رب العٰلمین ۝	جو تمام آسمانوں کا مالک زمین کا مالک اور
ولہ الکبریآء فی السمٰوٰت والارض	سارے جہاں کا مالک ہے۔ آسمانوں اور
وھو العزیز الحکیم ۝	زمین میں بڑائی تنہا اسی کے لیے ہے اور وہ
(جاثیہ : ۳۶-۳۷)	بڑی شوکت والا، حکمت والا ہے۔

کیا ذات باری کے اس تعارف کے بعد وحدت ادیان کے اس فلسفہ کے لیے

کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے جس کے نتیجے میں انسانی وغیر انسانی کے کسی فرق و امتیاز کے بغیر دنیا کے کسی بھی مذہب کی پیروی سے خالق کائنات کی خوشنودی یکساں طور پر حاصل کی جاسکتی ہے اور شرک و توحید اور خدا کا اقرار اور اس کا انکار ہر ایک اس کے لیے مساوی طور پر قابل قبول اور قابل تسلیم قرار پاسکتا ہے؟

شرک والحاد کی نامقبولیت:

خاص طور پر آزاد ہندوستان میں سیاسی مصالح کا آئینہ دار وحدت ادیان کا نظریہ جیسا کہ اس کی تفصیل میں گزرا، تمام مذاہب عالم میں یکساں سچائی کا دعوے دار اور ان میں سے کسی بھی مذہب کی پیروی سے خالق کائنات کی یکساں خوشنودی اور رضامندی کا مدعی ہے۔ اب جہاں تک ہندو مذہب کا تعلق ہے تو وہ تو شرک و بت پرستی کا مذہب ہے ہی دنیا کے سب سے بڑے یا دوسرے سب سے بڑے مذہب عیسائیت[1] کی شناخت بھی تثلیث (TRINITY) کے عقیدے سے قائم ہے جو اپنی حقیقت کے اعتبار سے شرک و بت پرستی سے کسی طرح کم نہیں ہے، یہودی مذہب میں بھی جیسا کہ پہلے تفصیل آچکی ہے یہ شرک و بت پرستی کسی نہ کسی طرح موجود رہی ہے۔ خدائی دین کے آخری ایڈیشن اسلام۔ کے بعد بے شمار خود ساختہ انسانی مذاہب کے علاوہ دیگر امکانی الہامی یا انسانی مذاہب میں بھی ذات الٰہی یا اس کی صفات اور اس کے حدود و اختیارات میں ان کی

---

[1] آج کے زمانہ میں عام طور پر اپنے پیروؤں کی تعداد کے لحاظ دنیا کا سب سے بڑا مذہب عیسائیت کو اور اس کے بعد 'اسلام' کو دوسرے نمبر پر قرار دیا جاتا ہے لیکن موجودہ دور میں جبکہ عالمی ذرائع ابلاغ پر عیسائیوں اور ان کے حلیف یہودیوں کا قبضہ ہے اور دنیا کی آبادی کی منصفانہ مردم شماری کا کوئی قابل اعتماد ریکارڈ موجود نہیں ہے، اقلیتی مسلمان ممالک میں ان کی تعداد کا معاملہ اور بھی مشتبہ اور مشکوک ہے، عیسائیوں کی سب سے بڑی اکثریت کے دعوے پر ہم کو بہت کچھ تامل ہے۔ صحیح حدیث نبویؐ کے بموجب روز قیامت امت محمدیؐ کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔ (بخاری جلد ۲۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب کیف نزل الوحی۔ اصح المطابع، دہلی) جب تک مضبوط اور قابل اعتماد ذرائع سے اس کے برعکس کی تصدیق نہ ہو قیامت سے عین قبل امت کی تعداد میں اچانک اضافے سے اس کی توجیہ کی چنداں ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ چنانچہ ہندوستان جیسے ممالک اپنی جگہ، تازہ اطلاع کے مطابق امریکہ میں بھی مسلمانوں کی صحیح =

دوسری خامیوں اور کمزوریوں کے علاوہ شرک و بت پرستی کی واضح جھلکیاں موجود ہیں کاش کہ آزاد ہندوستان میں 'وحدت ادیان' کے اس نظریے کے علم بردار تھوڑا سا ٹھہرتے اور اسلام کے ساتھ انصاف کر سکتے تو انھیں نظر آتا کہ دیگر مذاہب عالم کا معاملہ اپنی جگہ خدا کے آخری دین کے لیے مذکورہ معنوں میں ان مذاہب کی یکسانیت و یک رنگی کسی صورت اور ہرگز ہرگز قابل قبول نہیں اس لیے کہ اس کی نمائندہ کتاب ۔ قرآن ۔ کے مطابق خدائے برحق کی ذات والاصفات اپنے بندوں کے دوسرے تمام گناہوں کو تو معاف کر سکتی ہے لیکن شرک و بت پرستی کے گناہِ عظیم کی اس کے یہاں بخشش و معافی کی کوئی صورت نہیں ہے :

إن الله لا يغفر أن يشرك به	اللہ اسے معاف نہیں کر سکتا کہ اس کے
و يغفر ما دون ذلك لمن يشاء	ساتھ کسی اور کو ساجھی ٹھہرایا جائے۔
و من يشرك بالله فقد ضل	ہاں اس کے علاوہ جو کوئی دوسرا (گناہ)
ضلالاً بعيدا ٥	بھی ہو وہ جس کے حق میں چاہے اسے
(النساء : ۱۱۶)	معاف کر سکتا ہے اور جو کوئی اللہ کے ساتھ
	کسی اور کو ساجھی ٹھہرائے تو وہ بہت
	دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایسے گناہ کی تہمت ہے جس کی آسمان و زمین میں کوئی سمائی نہیں ہے۔ اس لیے اس کی ذات عالی سے اس کی بخشش اور معافی کی بھی کوئی امید نہیں باندھی جا سکتی :

ان الله لا يغفر ان يشرك به و	اللہ اسے معاف نہیں کر سکتا کہ اس کے
يغفر ما دون ذلك لمن يشاء	ساتھ کسی اور کو ساجھی ٹھہرایا جائے
و من يشرك بالله فقد	ہاں اس کے علاوہ جو کوئی دوسرا (گناہ) بھی
افترى اثما عظيما ٥	ہو وہ جس کے حق میں چاہے اسے معاف

= تعداد کا پتہ نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی ہفتہ وار ریڈینس دہلی ۲۴ تا ۳۰ ۔ نومبر ۱۹۹۲ء ۔ خبر بعنوان: HOW MANY MUSLIMS IN THE U.S. (امریکہ میں مسلمانوں کی صحیح تعداد نامعلوم)۔

(نسا، : ۴۸) کر سکتا ہے اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی
اور کو ساجھی ٹھہرائے تو اس نے بہت بڑی
بہتان تراشی کا ارتکاب کیا۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کی حکمت کے تابع ہے۔ ان آیات کریمہ میں دوسرے گناہوں کے سلسلے میں جو اس کی مشیت کا حوالہ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ بخشش و مغفرت اس کے انہی بندوں کو حاصل ہو گی جو صحیح معنوں میں اس کے مستحق ہوں گے۔ ساتھ ہی اس کا مقصد اپنے بندوں کو بے جا رجائیت سے محفوظ رکھنا بھی ہے کہ شرک کے علاوہ دیگر گناہوں کی مغفرت کی خوش خبری کو اس کی حدود سے بڑھا کر وہ ان کے لیے جری اور بے باک ہو جائیں۔ دوسرے موقع پر صاف لفظوں میں فرما دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کا انجام دوزخ کا دائمی عذاب ہے اور ایسا شخص جنت کے داخلہ سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا جاتا ہے:

....إنه من يشرك بالله فقد حرم الله عليه الجنة ومأواه النار وما للظلمين من انصار (مائدہ : ۷۲)	......بلاشبہ جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور کو ساجھی ٹھہرائے گا تو اللہ کی طرف سے اس کے لیے جنت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو گی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا۔ اور ایسے ظالموں کے لیے کوئی یار و مددگار نہ ہوں گے۔

خیال رہے کہ اس آیت کریمہ کے ابتدائی حصے میں الوہیت مسیحؑ کا تذکرہ ہے جسے پیروان مسیحؑ نے تثلیث کا جامہ پہنا رکھا تھا۔ قرآن نے کسی لاگ لپیٹ کے بغیر شرک کے ساتھ اس پر کفر کی بھی فرد جرم عائد کی:

لقد كفر الذين قالوا ان الله هو المسيح ابن مريم وقال المسيح يبني اسراءيل اعبدوا	اس میں دو رائے نہیں کہ جن لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ تو مریم کے بیٹے مسیح ہی ہیں جبکہ مسیح کا یہ کہنا تھا کہ اے بنی اسرائیل کے

اللہ ربی و ربکم ط — لوگو! تنہا اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب بھی بس وہی ہے۔ (مائدہ ۲:۷۲)

اگلی آیت کریمہ میں پھر ان پر اسی الزام کو دہرایا گیا:

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ م وما من الٰہ الا اللہ واحد ط وان لم ینتھوا عما یقولون لیمسن الذین کفروا منھم عذاب الیم ہ (مائدہ ۳:۷۳)

اس میں دو رائے نہیں کہ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تین کا تیسرا ہے انھوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا، جبکہ ایک تنہا کے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں اور اگر یہ (نام نہاد پیروان مسیح) اس سے باز نہ آئے جواب تک یہ کہتے رہے ہیں تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کا یہ راستہ اختیار کیا ہے انھیں ضرور بالضرور دردناک عذاب سے دوچار ہونا ہوگا۔

قرآن کی ان تصریحات کے مطابق جب ایک جلیل القدر پیغمبر کی امت اس کی تعلیمات میں انحراف کر کے شرک و کفر کے اپنے جرم کی پاداش اپنے کو دوزخ کے دائمی عذاب سے بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تو دنیا کی دوسری قومیں جن کے انبیائی امت ہونے کے حق میں اس کے یہاں کوئی صراحت نہیں ہے اور جنہوں نے اپنی شرک و بت پرستی کو فلسفے کی پیچ در پیچ تہوں میں دبا کر اس گمراہی کو مزید سخت تر کر دیا ہے، تو شرک و بت پرستی کی ان شدید ترین صورتوں کے حق میں خدا کی آخری کتاب کا جو رد یہ ہوگا، اس کے سلسلے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ دوسرے موقع پر جامع انداز میں فرمادیا گیا کہ دنیا میں جو لوگ خدا تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلا کر یا ان کے مقابلے میں اپنی اکڑ دکھا کر شرک و بت پرستی یا گمراہی کے دوسرے طریقے اختیار کریں گے وہ جہنم کے ہمیشہ کے عذاب کے مستحق ہوں گے، آخرت کی زندگی میں ان کے لیے جنت کا داخلہ ویسا ہی مشکل ہوگا جیسا کہ سوئی کے ناکے میں اونٹ کا داخل ہونا ناممکن ہے:

ان الذین کذّبوا بایٰتنا واستکبروا عنہا لا تفتح لہم ابواب السمآء ولا یدخلون الجنۃ حتّٰی یلج الجمل فی سم الخیاط ؕ وکذٰلک نجزی المجرمین ○ لہم من جہنم مہاد و من فوقہم غواش ؕ وکذٰلک نجزی الظّٰلمین ○

(اعراف : ۴۰ - ۴۱)

بلا شبہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے روبرو سرکشی کا راستہ اختیار کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جا سکتے اور انھیں جنت میں داخلہ نہیں مل سکتا تا آں کہ اونٹ کے لیے سوئی کے ناکے میں داخل ہونا ممکن ہو جائے۔ اور ہم ایسے مجرموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ ان کے لیے جہنم کا ہی بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر سے ان کے لیے اسی کا اوڑھنا ہوگا اور ایسے ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا کا مستحق ٹھہراتے ہیں۔

شرک و بت پرستی کا یہ گناہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جناب میں ایسا بھیانک اور ایسا شدید ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے اس کے مرتکب کا دوسرا کوئی بھی اچھا سے اچھا عمل اس کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہو سکتا۔ کافر و مشرک نیکی اور بھلائی کا جو کام بھی کرے گا وہ سراسر اکارت جائے گا اور روز آخرت سوائے نقصان اور خسارے کے اس کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔

قل افغیر اللہ تامرونّیٓ اعبد ایہا الجٰہلون ○ ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک ۚ لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخٰسرین ○

(زمر : ۶۴ - ۶۵)

(اے نبیؐ) کہئے کہ کیا پس اے نادانو! تم مجھ سے یہ کرانا چاہتے ہو کہ میں ایک خدا کو چھوڑ کر کسی اور کی بندگی کروں! جبکہ تم تک اور ساتھ ہی جو لوگ بھی تم سے پہلے رہے ہیں ان تک ایک ہی بات کی وحی کی گئی ہے کہ اگر تم نے شرک کا راستہ اپنایا تو تمہارا تمام کرا کرایا اکارت جائے گا اور تم سراسر گھاٹے والوں میں سے ہو گے۔

دوسرے موقع پر حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام جلیل القدر پیغمبروں اور ان کی ذریت اور ان کے خانوادوں کی راہ یابی کے تذکرے کے بعد فرمایا:

ذلك هدى الله يهدى به من	یہ اللہ کی ہدایت کا راستہ ہے وہ اپنے بندوں
يشاء من عباده ولو اشركوا	میں سے جسے چاہتا ہے اس پر چلاتا ہے
لحبط عنهم ما كانوا يعملون٥	لیکن اگر یہ شرک کا راستہ اختیار کر لیں
(انعام : ۸۸)	تو ان کے حق میں ان کے تمام اعمال اکارت جائیں گے جو کہ یہ کرتے رہے ہیں۔

جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب انبیائی خانوادے سے تعلق رکھنے والے اور ان کی ذریت کے افراد کی نسبت سے شرک و بت پرستی کے گناہ عظیم کے بعد ان کے دیگر اعمال خیر کا بے اثر ہونا مسلم ہے تو دنیا کے دوسرے انسان جنہیں یہ نسبت بلند بھی حاصل نہ ہو ان کی طرف سے شرک و کفر کے مہلک ترین مرض کے بعد ان کے حق میں ان کی کسی دوسری نیکی اور بھلائی کے کام کے نفع مند اور فائدہ بخش ہونے کی کیا توقع کی جا سکتی ہے؟۔

آج یورپ اپنے روایتی الحاد اور انکار خدا سے اوب کر دوبارہ مسیحیت کی طرف لوٹ رہا ہے، روس کے حالیہ انقلاب میں کمیونزم کی شکست فاش نے یوں بھی الحاد و دہریت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے، لیکن ابھی بھی مہذب دنیا کا یہ ایک زندہ فلسفہ ہے اور انسانوں کی بڑی تعداد ہے جو ہنوز فخریہ اسے اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہے۔ اللہ کی آخری کتاب نے اس خلاف فطرت نظریے کو اپنے صفحات میں براہ راست موضوع بحث نہیں بنایا ہے، ذات باری تعالیٰ کی صحیح پہچان اور اس کی واقعی حق شناسی کے لیے اس نے صرف 'شرک' کی تردید پر اکتفا کیا ہے' اسی کے مرادف کے طور پر دوسری اصطلاح وہ 'کفر' کی استعمال کرتا ہے جس کی تردید میں بھی اس نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔ چوں کہ شرک اور کفر کی اس تردید سے انکارِ خدا یعنی الحاد و دہریت کی خود بخود تردید ہو جاتی ہے، اس لیے اس نے الگ سے ان سے تعرض نہیں کیا ہے لیکن جیسا کہ عقل عام کا تقاضا ہے اور علمائے اسلام کے ہاں اس کی صراحت بھی ہے 'الحاد اور انکار خدا

ـــــــــــــــــــ

۱؎ عبد الرؤف المناوی م ۱۰۳۱ھ: التیسیر بشرح الجامع الصغیر: ۱/۱۹۸- دار الطباعۃ العامرہ، مصر ۱۲۸۶ھ۔

شرک وبت پرستی سے بھی بڑھ کر گناہ ہے اور اس کی شناعت ان کے مقابلے میں بدرجہا بڑھی ہوئی ہے، پس جس طرح قرآن کے مطابق شرک وبت پرستی کا گناہ حق تعالیٰ کے یہاں ناقابل معافی ہو کر اس کی رضا وخوشنودی کا ذریعہ نہیں بن سکتا، الحاد اور انکار خدا سے بدرجہ اولیٰ اس کی پسندیدگی اور رضا مندی کا تصور محال ہے، کتاب کے باب اول میں تفصیل گذری، موجودہ مذاہب عالم خاص طور پر ہندومت میں شرک وبت پرستی کے ساتھ الحاد اور انکار خدا کی بھی ویسی ہی گنجائش ہے اور خدا کو نہ مان کر بھی اس مذہب کے مطابق انسان ویسا ہی مذہبی رہ سکتا ہے جیسا کہ وہ اسے مان کر اور شرک وبت پرستی کی نوع بہ نوع صورتیں اختیار کر کے رہ سکتا ہے۔ اب اسلام کے مطابق جبکہ اس کے لیے شرک وبت پرستی کی طرح الحاد اور انکار خدا بھی اسی طرح یا اس سے بھی بڑھ کر ناقابل قبول ہے، خدا کے اس آخری دین کے مطابق 'وحدت ادیان' کے اس تصور کی کیوں کر گنجائش ہو سکتی ہے جبکہ اس کی فراخدلی اور وسیع المشربی شرک وبت پرستی کی طرح الحاد اور انکار خدا کی راہ میں بھی کسی قسم کی رکاوٹ کھڑی کرنے کی روادار نہیں ہو سکتی ہے۔

صدایت الٰہی کا تسلسل:

جبکہ اسلام کے لیے شرک وبت پرستی ناقابل قبول اور کفر والحاد کی ہر صورت ناقابل معافی جرم ہے جس کا مرتکب قیامت میں جہنم کے دائمی عذاب سے ہمکنار ہو گا تو ضرور ہے کہ دنیا میں ابتدائے آفرینش سے صدایت الٰہی کا اہتمام ہو جس سے لوگوں کو دوسری دنیا کے اس بھیانک انجام سے بچایا جا سکے۔ ساتھ ہی اس دنیا میں ان کے لیے عذاب الٰہی کی پکڑ سے بچاؤ کا سامان ہو سکے۔ چنانچہ قرآن ایک سے زیادہ مقامات پر صاف اور صریح لفظوں میں کہتا ہے کہ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں تھی جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والے پیغمبر نہ بھیجے گئے ہوں۔ سورۂ فاطر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے جواب میں قوم کی سرد مہری اور اس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب پر پچھلی دوسری قوموں کے بھی ایسے ہی رویے کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کو خطاب کرکے ارشاد ہوا:

إنّآ ارسلنٰك بالحق بشیرا ونذیرا وان من امة الا خلا فیها نذیر ۝ (فاطر: ۲۴)	بلا شبہ (اے نبیؐ) ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور جو کوئی قوم بھی رہی ہے اس کے اندر کوئی نہ کوئی ڈرانے والا ضرور رہا ہے۔

ایسے ہی پس منظر میں دوسرے موقع پر فرمایا:

وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا ۝ (اسراء: ۱۵)	اور ہم (کسی قوم کو) مبتلائے عذاب نہیں کرسکتے تھے جب تک کہ (اس کے درمیان) کوئی رسول نہ بھیجیں۔

سورۂ قصص میں یہی بات مزید تفصیل سے فرمائی گئی:

وما کان ربك مهلك القریٰ حتی یبعث فی امها رسولا یتلو علیهم ایٰتنا وما کنا مهلکی القریٰ الا واهلها ظالمون ۝ (قصص: ۵۹)	اور (اے نبیؐ) تیرے رب کے یہ شایانِ شان نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ بستیوں کی ہلاکت کا فیصلہ کرے تاآں کہ ان کی خاص آبادی میں کسی رسول کو نہ بھیجے جو کہ وہاں کے لوگوں کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ہم بستیوں کی ہلاکت کا فیصلہ اسی وقت کرتے ہیں جبکہ وہاں کے لوگ اپنی ظلم کی روش پر قائم رہنے ہی کے لیے مصر ہوں۔

اسی طرح سورۂ شعراء میں فرمایا:

وما اهلکنا من قریة الا لها منذرون ۝ ذکریٰ وما کنا ظٰلمین ۝ (شعراء: ۲۰۸-۲۰۹)	اور ہم نے (اس سے پہلے) جس کسی بستی کی بھی ہلاکت کا فیصلہ کیا تو جبھی جبکہ وہاں (ہماری طرف سے) ڈرانے والے (پہنچ چکے)

ہوں۔ یہ لوگوں کے لیے محض یاد دہانی کا سامان

ہے۔ ورنہ ظلم کرنا ہمارا شیوہ نہیں۔

سورۂ انعام میں یہی بات اس تفصیل کے ساتھ کہی گئی ہے کہ روزِ قیامت انسانوں اور جنوں کی پوری جماعت اسی حقیقت کا اعتراف کرے گی انھوں نے دن کے پورے اجالے میں پیغمبروں کا انکار کیا اور پوری ڈھٹائی سے کفر و شرک کے راستے پر ڈٹے رہنے کا فیصلہ کیا:

یٰمعشر الجن والانس الم یاتکم رسل منکم یقصون علیکم اٰیٰتی وینذرونکم لقآء یومکم ھٰذا، قالوا شھدنا علٰی انفسنا وغرتھم الحیٰوۃ الدنیا وشھدوا علٰی انفسھم انھم کانوا کٰفرین٥ (انعام : ۱۳۰)	اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا ایسا نہیں تھا کہ تمہارے پاس تمہارے اپنے درمیان سے ہی رسول آتے رہے جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے اور تم کو آج کے دن سے ڈراتے تھے کہ اس میں تمہارا ہم سے ملنا ہوگا۔ وہ کہیں گے کہ (ہاں ضرور) ہم اپنے اوپر اس کی گواہی دیتے ہیں۔ بات یہ تھی کہ دنیا کی زندگی انھیں دھوکے میں رکھے ہوئے تھی۔ چنانچہ وہ اپنے اوپر گواہی دیں گے کہ (محض اپنی کوتاہی سے) وہ کفر کے راستے پر لگے ہوئے تھے۔

چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا ہے:

ذٰلک ان لم یکن ربک مھلک القرٰی بظلم واھلھا غٰفلون٥ (انعام : ۱۳۱)	ایسا اس لیے کہ تیرے رب کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ بستیوں کو ہلاک کردے ظلم کی راہ اپناتے ہوئے جبکہ ان کے لوگ (رہنمائی کے سامان کے بغیر) غفلت کا شکار ہوں۔

یہی بات ہے جو قرآن نے دوسرے موقع پر مختصر انداز میں کہہ دی ہے:

ولکل امۃ رسول فاذا جاء رسولھم	ہر امت کے لیے کوئی نہ کوئی رسول ضرور رہا ہے
قضی بینھم بالقسط وھم	تو جب ان کا رسول آجاتا ہے تو ان کے درمیان
لا یظلمون ٥	انصاف کے ساتھ فیصلہ چکا دیا جاتا ہے اور
(یونس : ۴۷)	ان کے ساتھ ذرہ برابر بے انصافی نہیں کی جاتی ہے۔

دوسرے مقامات پر آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے یہ جو کہا گیا ہے :

۱۔ قل ما کنت بدعا من الرسل	(اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول
(احقاف : ۹)	نہیں۔ (کہ اس سے پہلے نبوت و رسالت کا
۲۔ وما محمد الا رسول قد خلت من	کوئی سلسلہ ہی نہ ہو)۔
قبلہ الرسل۔	اور محمدؐ بھی ایک رسول ہی ہیں جن سے پہلے
(آل عمران : ۱۴۴)	بہت سارے رسول (اسی دنیا میں) رہ چکے ہیں

تو اس کا بھی یہی اقتضا ہے کہ دنیا میں نبوت و رسالت کا سلسلہ ابتدائے آفرینش سے قائم ہے۔ اور آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس کے یہاں بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی نہ کوئی رسول یا نبی نہ آیا ہو اور خدائی احکام سے آشنا ہوئے بغیر ان کی نافرمانی کے باعث اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا ہو۔

رسالت محمدیؐ کی عالمگیری :

البتہ آخری پیغمبر حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے پیغمبروں میں ایک فرق ہے۔ چنانچہ حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام پیغمبروں کی جو دعوتی تاریخ قرآن نے بیان کی ہے اس کے مطابق ان سب کی بعثت ان کی اپنی قوم یا کسی خاص قوم تک ہی ہوئی ہے۔ حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب، حضرت موسیٰ علیہم السلام کی دعوت کی جو تاریخ سورۂ اعراف، سورۂ یونس، سورہ ہود اور سورۂ طٰہٰ وغیرہ میں بیان ہوئی ہے، اس کے لحاظ سے یہ سارے حضرات اپنی قوم یا کسی ایک خاص قوم تک ہی پیغمبر بنا کر بھیجے گئے

حضرت عیسیٰ کے سلسلے میں تو قرآن کی صراحت ہی ہے کہ:

ورسولا الی بنی اسرائیل ؕ	اور وہ (خاص) بنی اسرائیل کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے۔
(آل عمران: ۴۹)	

جس کی تائید آں جناب کے اپنے متعلق اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ:

"میں اسرائیل کی کھوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا" (متی: باب: ۱۵: ۲۴)

نیز یہ کہ:

"لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں" (ایضاً: ۲۶)

لیکن آخری پیغمبر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں قرآن صراحت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کسی خاص قوم اور کسی خاص عہد اور زمانے تک کے لیے نہیں بلکہ دنیا کی تمام اقوام تک اور قیامت تک کے لیے اس کی فیض بخشی عام ہے۔ یہ الگ ہے کہ بہت سے لوگ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لیے اپنے کو آمادہ نہ کر سکیں:

وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا ولکن اکثر الناس لا یعلمون ٥	اور (اے نبیؐ) ہم نے جو آپ کو بھیجا ہے تو (دنیا کے) تمام انسانوں کے لیے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ لوگوں کی اکثریت اس بات کو سمجھنا نہیں چاہتی ہے۔
(سبا: ۲۸)	

دوسرے مقامات پر بھی بدلے ہوئے انداز میں اسی حقیقت کا اظہار کیا گیا:

واوحی الی ھذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ ط	اور مجھ تک اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ تم لوگوں کو ڈراؤں اور آئندہ جن لوگوں تک اس کا پیغام پہنچ سکے انھیں اسی طرح ڈرایا جاتا رہے۔
(انعام: ۱۹)	

اسی سورہ میں آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ دعوت کی وسعت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

..... ولتنذر ام القری	.....(اور یہ بابرکت کتاب ہم نے اتاری ہے

ومن حولها	تاکہ اس کے ذریعہ تم اصل بستی ساتھ ہی اس کے
(انعام : ۹۲)	اردگرد کے لوگوں کو ڈراؤ۔

اصل بستی اور تمام بستیوں کی ماں 'ام القریٰ' سے تو ظاہر ہے مراد 'مکہ' ہے۔ اس کے ساتھ اس کے اردگرد 'ومن حولہا' کی جو بات کہی گئی ہے، اس کی تفسیر میں امام رازیؒ صراحت کرتے ہیں:

(ومن حولها) دخل فيه سائر البلدان	(اور اس کے اردگرد کے لوگ اس میں (دنیا) کے
والقرى[1]	تمام شہر اور تمام بستیاں داخل ہو گئیں۔

ایک اور جگہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجے جانے کا اعلان کرتا ہے:

وارسلناك للناس رسولا	اور (اے نبیؐ) ہم نے آپ کو دنیا کے تمام لوگوں
(نساء: ۹)	کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

یہی بات دوسرے موقع پر اس طرح کہی گئی ہے:

تبارك الذى نزّل الفرقان على	بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے
عبده ليكون للعٰلمين نذيرا ۝	بندے پر اس فیصلہ کن چیز (قرآن) کو اتارا
(فرقان : ۱)	تاکہ (اس کے ذریعہ) وہ دنیا کے تمام
	انسانوں کا ڈرانے والا بنے۔

اور بعینہٖ یہی مضمون سورہ جمعہ کی آیت کریمہ:

هوالذى بعث فى الامّيّن رسولا	وہ اللہ ہی کی ذات ہے جس نے ان پڑھ لوگوں
منهم يتلوا عليهم آياته	میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں
ويزكيهم ويعلمهم الكتاب	اس کی آیتیں پڑھ کر سنائے، ان کے تزکیہ
والحكمة وان كانوا من قبل لفى	کا سامان کرے اور انھیں کتاب اور حکمت کی
ضلال مبين ۝	تعلیم دے۔ اور بلاشبہ اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی
(جمعہ : ۲)	گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

---

[1] مفاتیح الغیب المعروف بالتفسیر الکبیر: ۴/۹۵، مطبوعہ ازہریہ مصر ۱۳۰۸ھ

کی بعد والی آیت کریمہ کا ہے:

واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم	اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ جو ہنوز ان سے
وھو العزیز الحکیم ٥	نہیں مل سکے ہیں اور اللہ بڑا غلبے والا، حکمت
(جمعہ : ٣)	والا ہے۔

جس کی تفسیر میں مشہور مفسر قرآن حافظ ابن کثیر مفسر مجاہد اور دوسرے متعدد لوگوں کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

(واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم)	(اور دوسرے لوگ جو ہنوز ان سے نہیں مل سکے)
قال ھم الاعاجم وکل من صدق النبی	فرمایا کہ یہ لوگ اہل عجم ہیں، اسی طرح وہ تمام
صلی اللہ علیہ وسلم من غیر العرب[1]	لوگ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کریں جن
	کا تعلق عربوں سے نہ ہو۔

چنانچہ اسی آیت کریمہ کے حوالے سے اپنی ایک مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا مصداق ملک فارس سے تعلق رکھنے والے اپنے مشہور صحابی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو قرار دیا۔[2] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں روم و فارس کے بادشاہوں اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو جو دعوتی خطوط لکھے، حافظ ابن کثیر آپ کے ان دعوتی مراسلات کو بھی اسی آیت کریمہ کا تقاضا قرار دیتے ہیں۔[3] اسی سلسلے میں حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت سے وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کرتے ہیں:

ان فی اصلاب اصلاب اصلاب رجال	(قیامت تک کے لیے دنیا کے مختلف علاقوں سے
ونساء من امتی یدخلون الجنۃ	تعلق رکھنے والے) مردوں اور عورتوں کی پشتوں
بغیر حساب[4]	کی پشتوں کی پشتوں میں میری امت کے وہ لوگ
	ہوں گے جن کا جنت میں داخلہ کسی حساب کتاب کے
	بغیر ہوگا۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۴/۳۶۳-۳۶۴، مکتبہ تجاریہ کبریٰ مصر ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء۔ [2] حوالہ سابق / ۳۶۳

[3] حوالہ مذکور [4] حوالہ سابق / ۳۶۴۔

[illegible] کی بناء پر بعثت ہے جس کی روایت [illegible] پانچ خصوصیات بیان کرتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی [illegible] کو حاصل نہیں ہوئیں۔ ان میں سے آخری بات یہ کہ

وكان النبي يبعث الى قومه خاصة — پہلے ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف
وبعثت الى الناس عامة[1] — بھیجا جاتا تھا جبکہ میری بعثت عمومی طور پر
پوری نوع انسانی کی طرف ہوئی ہے۔

صحیح مسلم کی روایت کے یہ الفاظ ہیں:

وأرسلت الى الخلق كافة[2] — اور میں تمام کی تمام خلق خدا کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اسی باب میں اس سے پہلے یہ پوری روایت اس طرح ہے:

وكان كل نبي يبعث الى قومه خاصة — مجھ سے پہلے ہر کوئی نبی خاص اپنی قوم
وبعثت الى كل اسود واحمر[3] — کے لیے بھیجا جاتا تھا جبکہ میری بعثت
(قیامت تک کے لیے دنیا کے) تمام کالوں
اور گوروں کے لیے ہوئی ہے۔

قرآن حکیم میں جنوں کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سننے اور بعدازاں اس کے پیغام کو اپنی قوم تک پہنچانے کا تذکرہ تو ہے ہی،[4] سنن دارمی میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں علم تفسیر کے سرخیل حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے آیت کریمہ "وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ" کی تفسیر میں

---

[1] بخاری جلد ۱، کتاب التیمم و قول اللہ عزوجل فلم تجدوا ماء فتیمموا الآیہ۔ ایضاً: کتاب الصلاۃ، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعلت لی الارض مسجدا وطہورا۔ البتہ اس موقع پر 'عامۃ' کے بجائے 'کافۃ' کے الفاظ ہیں۔

[2] مسلم جلد ۱، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ۔ نیز سنن النسائی جلد ۱، کتاب الغسل والتیمم باب التیمم بالصعید اور سنن الدارمی، کتاب الصلاۃ، باب الارض کلہا طہور ما خلا المقبرۃ والحمام۔ طبع قاہرہ محولہ بالا۔

[3] مسلم، حوالہ سابق [4] سورۂ احقاف اور سورۂ جن

یہ صراحت بھی مذکور ہے کہ :

فارسلہ الی الجن والانس [۱]	تو اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (یکساں طور پر تمام) جنوں اور انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا۔

وحدت ادیان نہیں، وحدت دین :

اسلامی فلسفۂ مذہب کی اس تفصیل سے آپ سے آپ واضح ہے کہ ان مختلف انبیاء علیہم السلام کا لایا ہوا دین اپنی اصل اور حقیقت کے اعتبار سے ایک ہی ہو سکتا ہے۔ وقتی حالات و مصالح کے لحاظ سے ان کے درمیان جزئیات و فروعات کا اختلاف تو ہو سکتا ہے لیکن اپنے مغز اور جوہر کے اعتبار سے ان کے درمیان کوئی بنیادی اور مرکزی اختلاف واقع نہیں ہو سکتا۔ جب سلسلۂ نبوت و رسالت ابتدائے آفرینش سے ایک ہے اور پہلے انسان اور نبی سیدنا آدمؑ سے لے کر آخری نبی حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء و رسل ایک ہی خدائے ذوالجلال کے فرستادہ ہیں جس نے تنہا اس پوری کائنات کو پیدا کیا ہے اور روز اول سے بلا شرکت غیرے اس پر تنہا اسی کی حکمرانی قائم ہے، تو یہ بات قابلِ تصور بھی کیونکر ہو سکتی ہے کہ اپنی سب سے شاہکار مخلوق۔ انسان۔ کو تنہا اپنی عبادت و بندگی کے جس راستے پر وہ گامزن دیکھنا چاہتا ہے، اس کی سمتیں جداگانہ ہوں۔ حالات و مصالح کی رعایت سے آخری شریعت سے پہلے کی وقتی اور محدود شریعتوں میں جزوی اور فروعی معاملات میں تو بلاشبہ فرق و اختلاف کی گنجائش نکلتی ہے، جیسا کہ وہ واقعۃً ہے بھی، لیکن لطیف و خبیر اور انتہائی زبردست قوت و شوکت والی ایک ہی ہستی سے جاری ہونے والا سلسلۂ نبوت و رسالت اپنی اصلی اور بنیادی تعلیمات میں کسی فرق و اختلاف

---

[۱] سنن الدارمی، مقدمہ الکتاب، باب ما اعطی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الفضل۔ دار الریان للتراث، القاہرہ، طبع اولی ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء، تحقیق و تخریج: فواز احمد زمرلی اور خالد السبع العلمی۔

کا متحمل نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق تنہا اس کی بندگی کرکے زندگی میں اسے خوش کرنے کا سامان کرے اور دوسرا اس کی مرضی کے بالکل برعکس دوسرے بے شمار خداؤں کی پرستش و بندگی کرکے اسے راضی کرسکے۔ قرآن کے نزدیک سب کے لیے کامیابی اور نجات کی راہ ایک ہی رہی ہے۔ لیکن ہوا یہ کہ نفس و شیطان کے بہکاوے اور اپنے باہمی قومی اور گروہی مفادات کا شکار ہو کر لوگوں نے خدائی دین میں طرح طرح کی بدعات داخل کردیں اور عبادت و بندگی کے نت نئے طریقے اختیار کرلیے۔ آخر میں اسی مرض کا شکار اہل کتاب یہود و نصاریٰ ہوئے جنہوں نے محض اپنی انہی قومی اور گروہی چپقلشوں کا شکار ہو کر آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قرآن کی روشن ہدایات کے بالمقابل اپنی محرف شدہ شریعتوں سے ہی چمٹے رہنے پر اصرار کیا اور اس طرح وحدت دین کی صراط مستقیم پر قائم رہنے کے بجائے اختلاف و افتراق کی صورتوں پر ڈٹے رہنے کا فیصلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے صرف آخری پیغمبر کے پیروؤں کو اس گمراہی سے بچ کر راہ حق و صواب پانے کی توفیق ہوئی۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا:

کان الناس امۃ واحدۃ فبعث	(ابتدائے انسانیت میں) لوگ (توحید کے)
اللہ النبین مبشرین ومنذرین	ایک ہی راستے پر قائم تھے۔ (بعد میں اختلافات
وانزل معھم الکتب بالحق	کا شکار ہوئے) تب ایسا ہوا کہ اللہ نے نبیوں
لیحکم بین الناس فیما اختلفوا	کو بھیجنا شروع کیا کہ وہ لوگوں کو خوش خبری
فیہ وما اختلف فیہ الا الذین	سنائیں اور انھیں ڈرائیں اور ان کے ساتھ حق
اوتوہ من بعد ما جاءتھم البینت	بات بتانے والی کتاب اتاری تاکہ وہ لوگوں
بغیا بینھم فھدی اللہ الذین	کے درمیان ان کے مابین پیدا ہوجانے والے
امنوا لما اختلفوا فیہ من الحق	اختلافات کا فیصلہ کرسکے۔ (آخر زمانہ میں)
باذنہ واللہ یھدی من	اسی اختلاف کا شکار اہل کتاب ہوئے جبکہ
یشاء الی صراط مستقیم ٥	ان کے پاس (ہماری طرف سے) کھلی ہوئی
(بقرہ: ۲۱۳)	ہدایتیں آچکی تھیں جس کی وجہ ان کی آپسی
	عداوت اور دشمنی کے سوا دوسری نہ تھی۔ تو

یہ لوگ حق کے جس معاملے میں اختلاف کا شکار
ہوئے تھے اللہ نے اپنی مصلحت سے
اس کی بابت صحیح راہ اہل ایمان کو بتا دی ۔
اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے
پر لگا دیتا ہے ۔

دوسرے موقع پر حضرت نوحؑ سے لے کر آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تک حضرات انبیاءؑ کے ناموں کی صراحت کے ساتھ اسی حقیقت کی نشاندہی کی گئی ہے :

انّآ اوحینآ الیک کمآ اوحینآ
الیٰ نوح والنبیین من بعدہٖ
واوحینا الیٰ ابراھیم واسمٰعیل
واسحاق ویعقوب والاسباط و
عیسٰی وایوب ویونس وھارون
وسلیمان ج واٰتینا داوٗد زبوراً
ورسلا قد قصصنٰھم علیک
ورسلا لم نقصصھم علیک ط
وکلم اللہ موسٰی تکلیماً ہ رسلاً
مبشرین ومنذرین لئلا یکون
للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل ط
وکان اللہ عزیزاً حکیماً ہ
(نسار : ۱۶۳ - ۱۶۵)

(اے نبیؐ) ہم نے آپ کو اسی طرح وحی سے سرفراز
کیا ہے جس طرح (اس سے پہلے) نوحؑ اور
ان کے بعد دوسرے نبیوں کو اس سے سرفراز
کیا۔ اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ، اسماعیلؑ،
اسحاقؑ، یعقوبؑ، اولاد یعقوبؑ، عیسٰیؑ، ایوبؑ،
یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کو وحی سے سرفراز
کیا۔ اور داؤدؑ کو ہم نے زبور عطا کی۔ یہ کچھ
رسول ہیں جن کے حالات ہم نے آپ سے
بیان کیے، دوسرے بہتیرے رسول ہیں جن کے حالات
ہم نے آپ سے نہیں بیان اور موسٰیؑ سے اللہ نے
رُو در رُو کلام کیا۔ یہ رسول تھے جو دنیا میں اس لیے
آتے تھے تاکہ لوگوں کو خوشخبری سنائیں اور انھیں ڈرائیں
تاکہ ان رسولوں کے بعد دنیا والوں کے لیے اللہ کے
روبرو کوئی بات کہنے کی نہ رہے اور اللہ بڑا غلبے
والا، حکمت والا ہے ۔

اس سلسلۂ آیات میں پہلے نبی کی حیثیت سے حضرت نوحؑ کا تذکرہ اسی لیے ہے کہ

اسلام کے مطابق انبیائی تاریخ میں آپ ہی کی بابرکت ذات سے نبوت و رسالت کے ادارے کو باقاعدگی اور استحکام ملا۔ ورنہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے ابنائے آدم سے زندگی میں ہدایت الٰہی کی پیروی کا عہد اس سے بہت پہلے سے ابتدائے آفرینش ہی سے لے لیا گیا تھا۔ چنانچہ خدائی اسکیم کے مطابق آدم و حوا علیہما السلام کے زمین پر اتارے جانے کے حکم کے ساتھ ہی بارگاہ ایزدی سے ان کی ذریت کی نسبت سے یہ اعلان کر دیا گیا تھا:

قلنا اهبطوا منها جميعا فاما	ہم نے کہا تم سب کے سب اس جنت
يأتينكم مني هدى فمن تبع	سے نیچے اترو۔ اب اس کے بعد میری طرف
هداي فلا خوف عليهم ولا	سے ہدایت کا جو سامان کیا جائے تو جو کوئی
هم يحزنون ○ والذين كفروا و	میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا تو ایسے
كذبوا بايتنا اولئك اصحب النار هم	لوگوں کے لیے کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین
فيها خلدون ○	ہوں گے۔ البتہ جو لوگ کفر کا راستہ اپنائیں گے
(البقرہ : ۳۹)	اور ہماری آیتوں کا انکار کریں گے تو یہ دوزخی
	لوگ ہوں گے جو اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

جبکہ دوسرے موقع پر قرآن کی تصریح کے مطابق اس سے بھی پہلے عالم ارواح میں اولاد آدم کی پشت سے ان کی قیامت تک کے لیے ہونے والی نسلوں سے خدائے واحد کی بندگی کا عہد لے لیا گیا تھا:

واذ اخذ ربك من بني ادم من	اور یاد کرو اس وقت کو جبکہ تمہارے رب نے
ظهورهم ذريتهم واشهدهم	(اولاد آدم کی پشت سے آئندہ ہونے
على انفسهم الست بربكم قالوا	والی ان کی تمام نسلوں کو نکالا اور انھیں اپنے
بلى شهدنا أن تقولوا يوم القيمة	آپ پر گواہ ٹھہراتے ہوئے ان سے
انا كنا عن هذا غفلين ○ أو تقولوا	دریافت کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟
إنما اشرك اباؤنا من قبل	انھوں نے اس کے جواب میں کہا ہاں ہاں
وكنا ذرية من بعدهم افتهلكنا	ضرور ہم نے ایسا اس لیے کیا تاکہ تم قیامت

بما فعل المبطلون ٥	کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہم کو تو اس کا کچھ پتہ
(اعراف : ۱۷۲-۱۷۳)	ہی نہ تھا۔ یا یہ کہ تم یہ کہو کہ شرک وبت
	پرستی کا راستہ ہمارے آباؤاجداد نے پہلے
	سے ہی اختیار کر رکھا تھا اور ہم تو ان کے
	بعد کی نسل تھے (جو اپنے پچھلوں کے نقش قدم
	پر ہی چلا کرتی ہے)۔ تو کیا (پہلے سے)
	باطل پرست جو کرتے آئے تھے اس کے
	بدلے آپ ہماری ہلاکت کا فیصلہ کریں گے۔

اس کے بدیہی تقاضے کے طور پر آخری پیغمبر سمیت رسولوں کی پوری جماعت کی دعوت اور پیغام کا خلاصہ بیان کیا:

وما ارسلنا من قبلک من	اور (اے نبیؐ) تم سے پہلے ہم نے جو رسول
رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ	بھی بھیجے تو ان سب کو یہی ایک پیغام دے
الا انا فاعبدون ٥	کر بھیجا کہ میرے سوا کوئی دوسرا عبادت کے
(انبیاء : ۲۵)	لائق نہیں تو اے لوگو! تنہا میری ہی بندگی اختیار
	کرو۔

اور قیامت تک کے لیے ان کی معرفت ان میں سے ہر ایک کی امت کے لیے اسی ایک طریقے کی پیروی کو لازم قرار دیا:

ان ھذہٖ امتکم امۃ واحدۃ وانا	ہاں تم نبیوں کی اس تمام جماعت کا (توحید کا)
ربکم فاعبدون ٥	ایک ہی راستہ ہے اور تنہا میں ہی تمہارا
(انبیاء : ۹۲)	رب ہوں تو تم تنہا میری ہی بندگی کا راستہ
	اختیار کرو۔

دوسرے موقع پر اللہ کی عبادت کے بجائے اسی کے ہم معنی اس کے تقویٰ یعنی اس سے ڈر کر رہنے کا حکم دیا:

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ (مومنون : ۵۲)

اور تم رسولوں کی اس تمام جماعت کا (توحید) ایک ہی راستہ ہے اور تنہا میں ہی تمہارا رب ہوں تو تم تنہا مجھ ہی سے ڈر کر رہو۔

لیکن بعد میں ایسا ہوا کہ اپنی ناسمجھی اور نفس و شیطان کے بہکاوے اور دیگر سیاسی و معاشی اسباب و عوامل کے تحت ان کی امتیں ان کے بتائے ہوئے طریقے پر قائم نہ رہ سکیں اور انھوں نے شرک و بت پرستی اور حق تعالیٰ کی ذات و صفات میں بے اعتدالیوں کے نت نئے طریقے یہاں تک کہ بسا اوقات اس کے صریحی کفر و انکار کا راستہ اختیار کر کے اپنے کو مختلف پگڈنڈیوں پر ڈال دیا:

وَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ۝ (انبیاء : ۹۳)

لیکن بعد میں ایسا ہوا کہ انھوں نے اپنے (توحید کے) اس معاملے کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ خیر سب کو پلٹ کر تو ہمارے پاس ہی آنا ہے۔

اور اپنے کو مختلف جماعتوں اور مختلف ٹولیوں میں تقسیم کر لیا:

فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ (مومنون : ۵۳)

اس کے بعد ایسا ہوا کہ انھوں نے اپنے (توحید کے) اس معاملے کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اور حال یہ ہو گیا کہ ہر ٹولی اپنے اپنائے ہوئے طریقے پر شاداں و فرحاں رہنے لگی۔

یہی حقیقت ہے جسے قرآن دوسرے موقع پر 'اقامت دین' کی جامع اصطلاح سے یاد کرتا ہے۔ نمونے کے چند اولوالعزم پیغمبروں کے حوالہ سے پوری انبیائی جماعت کو دین کی اسی وحدت کو قائم و برقرار رکھنے اور اس میں اختلاف و انتشار کی صورتیں پیدا کرنے سے اجتناب کا حکم دیا گیا۔ سورہ شوریٰ میں فرمایا:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ

اللہ نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ ٹھہرایا ہے جس کی تاکید (اس سے پہلے) اس نے

وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ۔ (شوریٰ: ۱۳)	نوح کو کی تھی اور وہ کہ جس کی وحی ہم نے (اے نبی) آپ کی طرف کی ہے اور جس کی تاکید (پہلے) ہم ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو کر چکے ہیں کہ تم دین کو (توحید کی اس اصلی حالت پر قائم رکھو اور اس کے اندر اختلاف و انتشار کی صورتیں پیدا نہ کرو۔

تمام نبیوں کی طرف سے اس دین کی وحدت و اقامت کا مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ کا دین اپنی اصل و اساس کے اعتبار سے پہلے انسان اور پہلے پیغمبر سیدنا آدم سے لیکر آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ہمیشہ سے ایک اور متحد رہا ہے۔ عقائد و عبادات، رشتے ناطے کے حقوق، انسانوں کی خدمت، حلال وحرام کے اصول، عدل وانصاف کا قیام اور معاشرے کی سیاسی اور معاشی تنظیم وغیرہ کے جہاں تک اصول و اساسیات کا تعلق رہا ہے یہ کسی اختلاف و انقطاع کے بغیر ہر نبی کی دعوت میں یکساں طور پر موجود رہی ہیں۔ فرق صرف ان کے انطباق کے طریقوں اور ان کی جزئیات و تفصیلات میں رہا ہے جس کے لیے قرآن، "شریعت ومنہاج" کی دوسری اصطلاح استعمال کرتا ہے جو ہر نبی و رسول کے یہاں جداگانہ طور پر موجود رہی ہے جیسا کہ سورہ مائدہ میں ہے:

لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا۔ (مائدہ: ۴۸)	شریعت اور طریقہ (زندگی کی تفصیل تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے الگ الگ قرار دی ہے۔

دوسرے موقع پر آخری شریعت میں حج کے طریقوں کی تفصیل کے حوالہ مخالفین کے امکانی اعتراضات کے رد میں فرمایا:

لکل امۃ جعلنا منسکا ھم ناسکوہ فلا ینازعنک فی الامر وادع الیٰ ربک انک لعلیٰ ھدی مستقیم۔	ہر امت کے لیے عبادت کے طریقے ہم نے علیحدہ رکھے جسے وہ اختیار کیے رہی تو اب آج لوگوں کو (حج کے) اس معاملے میں

(ج : ۶۷) [1] تم سے جھگڑنے کا کوئی موقع نہیں ہے اور (اے نبیؐ) آپ لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلاتے رہئے۔ اس میں دو رائے نہیں کہ آپ ہی سیدھے طریقہ پر ہیں۔

یہی حقیقت ہے جس کی طرف حدیث میں اس طرح توجہ دلائی ہے:

الانبیاء اخوۃ لعلات امہاتہم شتی و دینھم واحد [2] — تمام انبیاء علاتی بھائی ہیں۔ ان کی مائیں مختلف ہیں لیکن ان سب کا دین ایک ہی ہے۔

'علاتی' کا مطلب باپ شریک بھائی۔ یعنی جن کی مائیں مختلف لیکن باپ ایک ہی ہو۔ 'ماؤں کے مختلف' ہونے کا مطلب یہی ہے کہ ان کی شریعتوں کی فروعات و جزئیات میں تو اختلاف ہے لیکن جہاں تک توحید اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کے اصولوں کا سوال ہے ان میں کوئی فرق و اختلاف نہیں ہے۔ ان کے 'دین کی یکسانیت' کا یہی مطلب ہے [3] پس معلوم ہوا کہ شریعتوں کا یہ تمامتر فرق تفصیلات و جزئیات کا ہے۔ خدائی دین اپنی اصل و اساس کے اعتبار سے ہمیشہ سے ایک اور متحد رہا ہے۔ اسی سے یہ بات نکلتی ہے کہ آج دنیا میں الحاد و دہریت اور انکار خدا پر مبنی نظریات و فلسفوں کے علاوہ یہودیت و نصرانیت اور شرک و بت پرستی کے نمائندہ نت نئے مذاہب کی جو ایک طویل فہرست پائی جاتی ہے، ایسا ہرگز نہیں کہ خالق کائنات خدائے واحد کی ذات کی طرف سے ان سب کو اپنی موجودہ حیثیتوں میں

---

[1] نیز: حج: ۷۸۔

[2] بخاری جلد ۱۔ کتاب الانبیاء، باب قول اللہ عزوجل واذکر فی الکتاب مریم الخ۔ مسلم جلد ۲۔ کتاب الفضائل، باب فضائل عیسیٰ علیہ السلام۔ نیز: ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب السنۃ۔ باب التخییر بین الانبیاء علیہم السلام۔ ایضاً: مسند احمد: ۲/۴۰۶، ۴۳۷۔

[3] نووی: شرح مسلم مع مسلم: ۲/۲۶۵۔ حافظ ابن حجرؒ نے 'ماؤں کے مختلف' ہونے کا ایک مطلب جو 'انبیاءؑ کے زمانوں کا اختلاف' بتایا ہے۔ فتح الباری: ۶/۳۱۳، مطبع خیریہ مصر ۱۳۲۵ھ طبع اولیٰ۔ تو یہ کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ راجح بات وہی معلوم ہوتی ہے جو امام نووی نے کہی ہے اور جسے خود حافظ ابن حجرؒ نے بھی اصل قول کی حیثیت سے

یکساں طور پر سند اور وجہ جواز (Sanction) حاصل ہے۔ خداوند عالم کی طرف سے ابتدائے آفرینش سے دنیا کے تمام انسانوں کے لیے عبادت و بندگی کا ایک ہی طریقہ تجویز ہوا۔ بعد میں انبیاء کے غلط جانشینوں نے اپنی تحریفات اور دوسرے انسانوں نے اپنی اختراعات سے بندگی رب کے ایک ہی طریقے کو مختلف مذاہب کا نام دے لیا اور بہت سے انسانوں نے اپنا یہ حق سمجھا کہ ادھر ادھر سے کتر بیونت کر کے اپنی طرف سے بھانت بھانت کے مذاہب ایجاد کر لیے اور طرفہ ستم یہ کہ انہی میں سے کچھ وہ لوگ بھی پیدا ہو گئے جن کا اصرار ہوا کہ کسی خدائی سند کے بغیر ان تمام ہی مستقل بالذات نام نہاد مذاہب کو مستقل خدائی ادیان کی صورت میں تسلیم کیا جائے جنہیں یہ استناد حاصل ہو کہ ان میں سے کسی بھی دین یا مذہب کی پیروی سے یکساں طور پر خالق بزرگ و برتر کی خوشنودی کا سامان کیا جا سکتا اور اس کی عبادت و بندگی کا حق ادا کیا جا سکتا ہے۔

اسلام۔ خدا کا آخری دین:

دین حق کی اس وحدت و یکسانیت اور ہدایت الٰہی کے اس تسلسل کا لازمی تقاضا ہے کہ تاریخ کے کسی مرحلے میں یہ سلسلہ تمام و کمال کو پہنچے، اور قیامت تک کے لیے اسے خدا تعالیٰ کے آخری پسندیدہ دین کی حیثیت حاصل ہو جائے۔ جب خدائی دین اپنی اصل و اساس کے اعتبار سے ہمیشہ سے ایک رہا ہے، حالات و زمانہ کی رعایت سے اختلاف صرف کی تفصیلات اور جزئیات میں رہا ہے، جسے دوسرے لفظوں میں شریعتوں کے اختلاف سے جانا جاتا ہے جو اپنے اپنے زمانے اور حالات کے لحاظ سے مختلف قوموں کے لیے مختلف رہی ہیں، تو اس سے خود بخود یہ بات نکلتی ہے کہ ہدایت الٰہی کے اس عارضی

= بیان کیا ہے کہ 'ان کا دین یعنی توحید کا طریقہ ہمیشہ سے ایک رہا ہے۔ فرق رہا ہے تو صرف مختلف شریعتوں کی فروعات و جزئیات کا رہا ہے۔ فتح الباری، حوالہ سابق۔ مزید تفصیل کے لیے ہماری کتاب مذہب کا اسلامی تصور، کی بحث وحدت دین انبیاءؑ کا اہم ترین نکتہ۔ ادارۂ تحقیق، علی گڑھ ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء بار اول

انتظام کو تاریخ کے کسی نہ کسی مرحلے میں مستقل انتظام کی صورت اختیار کرلینی ہے جس کے بعد خالق کائنات اور خالق جن و انس کی طرف سے اپنے بندوں کی نسبت سے ہدایت و رہنمائی اور زندگی میں اس کے مطلوبہ طرز زندگی کا مسئلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حل ہو جائے۔ آج دنیا میں جس دین و مذہب کو 'اسلام' کے نام سے جانا جاتا ہے وہ اپنی اصل اور حقیقت کے اعتبار سے خدائی رہنمائی کے اسی آخری انتظام کا دوسرا نام ہے۔ آج بہت سے لوگ غلط فہمی سے، جس میں دوسروں کے ساتھ بہت سے مسلمان بھی شریک ہیں، اسلام کو محمڈنزم (MOHAMMADANISM) اور مسلمانوں کو محمڈن (MOHAMMADAN) کہنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے[1] اس کے پیچھے یہی ذہن ہے کہ مثال کے طور پر جس طرح حضرت عیسیٰؑ کی طرف منسوب مذہب 'عیسائیت' اور اپنے ایک بزرگ 'یہودا' کی طرف انتساب کر کے دوسرا مذہب 'یہودیت' اور اپنے بانی 'بدھ' کی طرف انتساب کرتے ہوئے ان کا قائم کردہ مذہب 'بدھ مت' اور اسی طرح دنیا میں بے شمار مذاہب و ادیان پائے جاتے ہیں، آج سے چودہ سو برس قبل عرب میں پیدا ہونے والے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب مذہب اسی طرح 'محمڈنزم' اور اس کے پیرو 'محمڈن' ہیں، جو مذکورہ بانیان مذاہب کی طرح، اسی طرح اپنے اسی مذہب کے بانی اور پہلے پہل اس کو قائم کرنے والے ہیں۔ اسلام کے اوپر اس سے

---

[1] مسلمانوں کے انتہائی اعلیٰ اور تعلیم یافتہ طبقے میں بھی اس غلط فہمی کی اس سے بڑھ کر دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ آج سے سو سال قبل مسلمان قوم میں جدید تعلیم کے سب سے بڑے علمبردار بلکہ اس نسبت سے قوم کے مسیحا سرسید علیہ الرحمہ نے بھی اس مقصد سے اپنے قائم کردہ ادارے کا نام 'محمڈن اینگلو اورینٹل کالج (Mohammedan Anglo Oriental college) رکھا اور اس کے مقاصد کے تعارف کے لیے اپنے جاری کردہ رسالے 'تہذیب الاخلاق' کے مونوگرام میں اس کے ساتھ ہی بخط انگریزی 'محمڈن سوشل ریفارمر' (Mohammedan Social Reformer) کو شامل کرنا ضروری خیال کیا۔ حیرت اور تعجب اس پر ہے کہ اس عرصہ میں برصغیر ہند میں فکر اسلامی کے ہزاروں میل آگے بڑھ جانے کے باوجود آج جو اس رسالے کا دوبارہ اجرا عمل میں آیا ہے تو شاید اس کے تقدس کے پیش نظر رسالے کے اندرونی صفحے پر اس تاریخی مونوگرام کو جوں کا توں بحال رکھنا ضروری خیال کیا گیا ہے۔

بڑھ کر دوسرا ظلم نہیں ہو سکتا جس کا تصور کیا جا سکے۔ جبکہ اس کی نمائندہ کتاب، جیسا کہ تفصیلات گزریں، پکار پکار کر اس حقیقت کا اعلان کرتی ہے کہ نہ 'اسلام' کوئی نیا مذہب ہے، نہ اس کی نمائندہ کتاب۔ قرآن۔ کوئی نئی اور انوکھی کتاب ہے اور نہ اس کے لانے والے پیغمبر حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی پہلے پہل رسول ہیں جو دنیا میں اپنی طرف سے کوئی نیا مذہب قائم کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ قرآن کا تو صرف یہ کہنا ہے کہ پہلے انسان اور پہلے پیغمبر حضرت آدم ؑ سے لے کر نبوت و رسالت کا جو سلسلہ چلا آتا تھا اور جس کے ذریعے خدا تعالیٰ اپنے پسندیدہ دین 'اسلام' کی دنیا کے انسانوں کو آگاہی دیتا رہا تھا، آخری نبی ؐ کے ذریعہ اس سلسلے کو اب پایۂ تکمیل تک پہنچایا جا رہا ہے۔ ارتقا پذیر شریعتوں کو اس آخری پیغمبر ؐ کے ذریعہ اب نقطۂ کمال تک پہنچا دیا گیا ہے اس لیے اس کے ہوتے ہوئے قیامت تک کے لیے اب کسی نئی شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ خدائی دین کی اصل و اساس تو ہمیشہ ایک اور یکساں تھی ہی، وقتی مصالح اور ضروریات کے لحاظ سے اس اصل دین سے وابستہ تفصیلی قوانین و ضوابط کا مختلف حضرات انبیاء ؑ کے یہاں جو اختلاف تھا، آخری پیغمبر کے ذریعہ اسے تکمیل کی آخری حد کو پہنچا کر اس کے دروازے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے۔ پچھلی شریعتوں میں جو باتیں کام کی رہ گئیں تھیں اس آخری شریعت میں ان سب کو سمیٹتے ہوئے ان کے وقتی اور ہنگامی کردار کو ختم کرتے ہوئے، اس کے اندر آفاقی کردار کی شان پیدا کر دی گئی ہے۔ اور قیامت تک کے لیے دنیا و آخرت کی فلاح اور انسانی زندگی کی تعمیر کے لیے جن تعلیمات و ہدایات کی بھی ضرورت ہو سکتی ہے وہ سب کی سب بہ تمام و کمال اس آخری شریعت میں موجود ہیں۔ پس اسلام، جس آخری شریعت سے عبارت ہے وہ یہودیت و عیسائیت کے جوڑ کی کوئی

= اور امت کی بے حسی دیدنی ہے کہ گیارہ سال کے عرصے سے وہ اسی انداز سے شائع ہو رہا ہے اور اس کی تبدیلی کے لیے کوئی بے چینی اور اضطراب اور کسی تحریک اور احتجاج کا دور دور تک کوئی سراغ نظر نہیں آتا ہے۔

تیسری شریعت نہیں، بلکہ یہ آغازِ انسانیت سے چلے آرہے خدا کے ایک ہی دین۔ اسلام کی آخری کڑی ہے جسے تاریخ کے ایک دور میں بالکل بے جا طور پر یہودیت یا عیسائیت کا نام دے دیا گیا۔ یہودیت و عیسائیت میں اگر کچھ باتیں انسانی تحریفات سے صحیح سالم ضروری اور کام کی رہ گئی تھیں تو وہ مزید اضافوں اور آخری تنقیحات کے ساتھ اسی آخری شریعت میں آگئی ہیں۔ اس لئے قیامت تک کے لیے جس کسی کو خدائے وحدہٗ لاشریک کی بے لاگ وفاداری کا دم بھرنا ہے اور اپنی زندگی اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق گزارنی ہے تو اسے بے کم و کاست اور کسی لاگ لپیٹ کے بغیر آخری پیغمبر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں تجدید پانے والے ہمیشہ کے دین الٰہی۔ اسلام۔ کو اس کی موجودہ اجمع و اکمل صورت میں تسلیم کر لینا ہے کہ اب قیامت تک کے لیے خدا تعالیٰ کا پسندیدہ یہی آخری دین اسلام ہے:

إن الدين عند الله الاسلام	یقیناً اللہ کے نزدیک (اب قیامت تک کے لیے)
(آل عمران: ۱۹)	قابلِ قبول دین صرف اسلام ہی ہے۔

چنانچہ اب اس کو چھوڑ کر جو کوئی یہودیت یا عیسائیت یا ایسے ہی کسی دوسرے دین کو اختیار کرے گا تو وہ ہرگز ہرگز خدا تعالیٰ کے نزدیک قابلِ قبول نہ ہوگا اور آخرت میں ہمیشہ کا خسارہ ایسے شخص کی قسمت ہوگا:

ومن يبتغ غير الاسلام دينا	اور اس دین اسلام کے سوا جو کوئی کسی دوسرے
فلن يقبل منه وهو في الآخرة من	دین کا طلبگار ہو تو اللہ کی طرف سے اسے
الخاسرين ٥	شرفِ قبول حاصل نہیں ہو سکتا اور آخرت
(آل عمران: ۸۵)	میں ایسا شخص سخت گھاٹے کا شکار ہوگا۔

آخری پیغمبر کے ذریعہ خدائی شریعت اب پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی ہے۔ اس لیے اب اس کے بعد کسی دوسری شریعت کی پیروی کو حق تعالیٰ کی پسندیدگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ سورۂ مائدہ جو قرآن میں احکام کے پہلو سے نزولی ترتیب میں سب سے آخری سورہ ہے، اس کے شروع ہی میں اعلان کر دیا گیا:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ۰ (مائدہ : ۳)	آج کے دن تم لوگوں کے لیے میں نے سلسلۂ دین کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے بحیثیت دین کے (صرف اور صرف) اسلام کو پسند کر لیا ہے ۔

حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ خدا کے آخری پیغمبر :

اس سلسلے میں اسلام اور اس کی نمائندہ کتاب قرآن کا یہ دعویٰ ضرور ہے کہ ابتدائے آفرینش سے خدا تعالیٰ کی طرف سے چلے آ رہے ایک ہی دین ۔ اسلام ۔ کا سلسلہ آخری طور پر آج سے چودہ سو سال پہلے سرزمین عرب میں پیدا ہونے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام ہوتا ہے ۔ نبوت و رسالت کی سنہری زنجیر جو پہلے انسان اور پہلے پیغمبر سیدنا آدم علیہ السلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک دراز ہے، اس کی آخری اور انتہائی کڑی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ذات گرامی ہے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں آسمانی شریعت کی آخری طور پر اتمام اور تکمیل کے ساتھ نبوت و رسالت کے سلسلے کو بھی قیامت تک کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا ہے ۔ قرآن حکیم میں اس حقیقت کا اعلان بدیں الفاظ کیا گیا :

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین (احزاب : ۴۰)	محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ اللہ کے رسول اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں ۔

آیت کریمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی بات اسلام میں لے پالک کی ممانعت کے پس منظر میں ہے ۔ اس حکم کے آنے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے دستور کے مطابق حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا متبنیٰ بنا رکھا تھا ۔ اس آیت سے

اس رسم کے خاتمہ کے اعلان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی منادی کی گئی۔ آیت کریمہ میں یہ جو بات اجمال سے ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں اس کو کھول دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے خاتم اور قیامت تک کے لیے سلسلۂ نبوت و رسالت کی آخری کڑی ہیں، صحیح بخاری و مسلم کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو ایک تمثیل کی صورت میں واضح فرمایا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنیٰ بیتا فاحسنہ واجملہ إلا موضع لبنۃ من زاویۃ فجعل الناس یطوفون بہ ویتعجبون لہ ویقولون ھلّا وُضِعَت ھٰذہ اللبنۃ قال فانا اللبنۃ وانا خاتم النبیین [1]

میری اور مجھ سے پہلے کے نبیوں کی مثال ایسی ہے کہ شخص کوئی گھر بنائے اور اسے خوب اچھی طرح بنالے اور سنوارے۔ لیکن ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ جائے۔ پھر ایسا ہو کہ لوگ اسے گھوم کر دیکھیں تو عش عش کرنے لگیں۔ البتہ وہ ایک دوسرے سے کہیں کہ وہ باقی بچی اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی (جس سے کہ اس کے اندر نقص کا کوئی شائبہ نہ رہتا)۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو وہ اینٹ میں ہی ہوں میں تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہوں۔

بخاری و مسلم ہی کی دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بہت سے صفاتی ناموں کا تذکرہ کیا ہے، انہی میں سے ایک نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ فرمایا:

---

[1] بخاری جلد ا۔ کتاب المناقب، باب ما جاء فی اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقول اللہ ما کان محمد ابا احد من رجالکم الآیۃ۔ مسلم جلد ۲۔ کتاب الفضائل، باب ذکر کونہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین۔

وانا العاقب[1] — اور میں عاقب (سب سے آخر میں آنے والا (نبی) ہوں۔

صحیح مسلم میں حدیث کے راوی حضرت زہری نے جس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ :

والعاقب الذی لیس بعدہ نبی[2] — 'عاقب' (سب سے پیچھے آنے والا) یعنی وہ جس کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہ ہو۔

صحیح مسلم ہی کی دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلے حضرات انبیاء علیہم السلام کے بالمقابل اپنے بعض امتیازات کا ذکر فرمایا۔ انہی میں آخری دو چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائیں :

وارسلت الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون[3] — مجھے (قیامت تک کے لیے) تمام انسانوں کی طرف عمومی طور پر بھیجا گیا ہے اور میرے اوپر سلسلۂ نبوت کو (ہمیشہ ہمیشہ کے لیے) ختم کر دیا گیا ہے۔

اس موقع پر سنن نسائی کے الفاظ ہیں :

وبعثت الی الناس کافۃ وکان النبی یبعث الی — مجھے (قیامت تک کے لیے) دنیا کے تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہے، جبکہ مجھ

---

[1] بخاری حوالہ سابق، نیز مسلم جلد ۲۔ کتاب الفضائل، باب فی اسمائہ صلی اللہ علیہ وسلم

[2] صحیح مسلم حوالہ سابق۔ صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں بھی متن روایت میں یہ اضافہ ہے جس کا کسی راوی کا داخل کردہ ہونا ہی زیادہ قرین قیاس ہے لیکن امام ترمذی اور بعض دوسرے لوگوں کے یہاں حضرت سفیان بن عیینہ کی روایت میں 'الذی لیس بعدی نبی' کے الفاظ ہیں جس سے کہ اس کے موقوف ہونے کے بجائے مرفوع ہونے کا اشارہ نکلتا ہے

فتح الباری : ۶/ ۵۵۷۔ دار المعرفۃ، بیروت (طبع جدید) ترتیب و تصحیح : محمد فواد عبد الباقی اور محب الدین الخطیب

[3] صحیح مسلم جلد ا۔ کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ

قومه خاصة[1]	سے پہلے معاملہ تھا کہ نبی خاص اپنی قوم کی طرف ہی بھیجا جاتا تھا۔

اسی طرح سنن دارمی میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انا قائد المرسلین ولا فخر وانا خاتم النبیین ولا فخر[2]	میں تمام رسولوں کا سردار ہوں اور اس میں فخر جتانے کی کوئی بات نہیں۔ اور میں تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہوں اور اس میں بھی فخر جتانے کی کوئی بات نہیں۔

اسلام میں ختم نبوت کے سلسلے میں قرآن وسنت کی یہی تصریحات ہیں جن کے پیش نظر سلف سے لے کر خلف تک امت کے تمام ائمہ اور اس کے اکابر اس پر متفق اللفظ اور یک زبان ہیں کہ پیغمبر اسلام محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر آکر تاریخ انسانی میں نبوت و رسالت کے ادارے پر آخری طور پر مہر لگا دی گئی ہے۔ قیامت تک کے لیے یہ دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا ہے، جسے اب دوبارہ کھولے جانے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لیے تمام انسانوں اور جنوں کے آخری رسول اور آخری نبی ہیں، اور امت میں جو کوئی اس کے خلاف لے کر دعویٰ اٹھے، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اور ایسا شخص ہرگز ہرگز اس امت میں کوئی جگہ پانے کا حق دار نہیں ہوسکتا۔[3] اسلام

---

[1] سنن النسائی: ۱/۴۲، کتاب الغسل والتیمم۔ باب التیمم بالصعید مطبع مجتبائی، دہلی۔

[2] سنن الدارمی جلد ۱۔ المقدمہ، باب ما اعطی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الفضل حدیث ۴۹۔ دار الریان للتراث القاہرہ طبعہ اولیٰ سنہ ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۷ء تحقیق وتخریج: فواز احمد زمرلی، خالد السبع العلمی۔ اس مضمون کی دیگر احادیث کے لیے ملاحظہ کیجیے تفسیر ابن کثیر: ۳/۴۹۳، ۴۹۴۔ نیز تفہیم القرآن: ۴/۱۲۰ تا ۱۴۳ ضمیمہ ختم نبوت،

[3] علماء امت کی ان آراء کے ایک جائزہ کے لیے ملاحظہ کیجیے تفہیم القرآن جلد چہارم تفسیر سورہ الاحزاب۔ ضمیمہ ختم نبوت، صفحات ۱۲۶ تا ۱۵۰۔ محولہ بالا۔

میں عقائد کی مشہور و متداول کتاب شرح عقائد نسفی میں صاف لفظوں میں لکھا ہے:

اول الانبیاء آدم و آخرھم محمد[1] — سب سے پہلے نبی حضرت آدم اور سب سے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ختم نبوت کے دلائل:

یہ سوال ضرور ہے کہ اسلام میں اس ختم نبوت کے دلائل کیا ہیں۔ مسلمانوں کے لیے تو یہ ان کے عقیدے کا مسئلہ ہے۔ باہر کی دنیا ان کے اس دعوے کو کیونکر تسلیم کرے اور اس کے لیے اس کے قائل ہونے کے کیا دلائل اور کیا وجوہ و اسباب ہو سکتے ہیں؟ یہ ایک فطری سوال ہے اور واقعہ ہے کہ 'وحدت ادیان' کے زیر بحث ہندی فلسفے کی یہی اصل ذہنی رکاوٹ ہے جس کی وجہ سے بندگان خدا کی ایک بہت بڑی سنجیدہ اور معقولیت پسند تعداد کے لیے اسلام جوں کا توں ایک سوالیہ نشان بنا رہتا ہے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا دعویٰ کیا تو اپنے وصال سے قبل لاکھوں افراد کو اس کا قائل کر کے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ آپ کی امت کی ذمہ داری ہے کہ دوسرے لوگوں کے حق میں وہ اس کے دلائل فراہم کرے اور ان کے روبرو اس دعوے کی تفہیم و تشریح کا وہ حق ادا کر دے کہ حق پسند طبیعتوں کے لیے اس کے تسلیم کرنے میں رکاوٹ نہ رہے۔ اور جو لوگ محض اپنی ضد اور ہٹ دھرمی، گروہی اور مسلکی عناد اور ملکی اور قومی عصبیت جیسے جاہلی اسباب و عوامل کے تحت اس کے انکار پر ہی تلے ہوں، ان کے لیے روز محشر حق تعالیٰ کے حضور کسی حیلہ و حجت کے لیے کوئی موقع نہ رہے۔ اسلام کے ایک ادنیٰ خادم اور طالب علم کی حیثیت سے ذیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کے دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔

---

[1] شرح العقائد النسفیہ/ ۹۹ کتب خانہ رشیدیہ دہلی (بدون سنہ)

پہلی دلیل:

اس سلسلے میں پہلی بات یہ کہ اگر مذہب (RELIGION) انسان کا بنایا ہوا (MAN MADE) نہیں بلکہ خدا کا بنایا ہوا (GOD MADE) ہے، جیسا کہ اسلام کے سلسلے میں ہمارا اصرار ہے اور پچھلے صفحات میں ہم اس کی بار بار یاددہانی بھی کرا چکے ہیں تو قرآن کی رو سے جس طرح کہ نفس نبوت و رسالت کا استحقاق کہ کس زمانہ میں اور دنیا کے کس خطے میں خالقِ کائنات اور خالقِ انسان کی طرف سے اپنے بندوں کی ہدایت و رہنمائی دوسرے لفظوں میں نبوت و رسالت کے عظیم منصب کیلئے مناسب و موزوں شخصیت کا انتخاب خالص اللہ تعالیٰ کا اختیار تمیزی (PREROGATIVE) ہے کہ:

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ ؕ (انعام: ۱۲۴) یہ اللہ ہی کو بہتر معلوم ہے کہ وہ اپنے منصب رسالت کا اہل کسے قرار دیتا ہے۔

اسی طرح ختم نبوت (Finality of Prophet hood) کا مسئلہ صرف اور صرف اسی کا اختیار تمیزی (Prerogative) ہو سکتا ہے کہ تاریخ کے کس عرصے دنیا کے کس خطے اور کس قوم سے کسی شخصیت کا انتخاب وہ اسی مقصد سے عمل میں لاتا ہے۔ اگر یہ کائنات بے خدا نہیں ہے اور انسان دنیا کی اس کی زندگی میں اپنے لائحۂ حیات (way of life) کے انتخاب میں آزاد اور خود مختار نہیں ہے کہ کسی تحقیق و تفتیش کے بغیر دنیا کے بے شمار مذاہب میں سے جس مذہب کا چاہے وہ اپنے لیے انتخاب کر لے یا اپنی طرف سے خود کوئی نیا مذہب ایجاد کر لے یا خدانخواستہ بے مذہب اور بے دین (नास्तिक) ہو کر بھی وہ اپنے خیال کے مطابق خالق کائنات کی خوشنودی کا قائل ہو، اگر ان میں سے کوئی بات نہیں ہے، اور جیسا کہ اسلام کا اصرار ہے ہرگز ہرگز نہیں ہے، تو پھر نفس مذہب (Religion) اور نفس نبوت و رسالت (Prophet hood) کی طرح ختم نبوت (Finality of Prophet hood) کے سلسلے میں بھی اسے کسی بھی حیثیت سے حکم اور ثالث

کی حیثیت حاصل نہیں ہے کہ خالق کائنات کے روبرو وہ اس کی نسبت سے اپنی عائد کردہ شرائط (Terms) کو منوانے (Dictate) کی کوشش کرے۔ یا اس سے کمتر درجے میں اس خصوص میں اسے کسی بھی درجے میں مشیر اور صلاح کار کی ہی حیثیت حاصل ہو۔ گہرائی سے دیکھا جائے تو اس حیثیت میں رسالت محمدیؐ کا انکار اپنے نتیجے کے اعتبار سے خود رب تبارک و تعالیٰ کے انکار اور ان کی ذات پاک کو بوجوہ مطعون کرنے اور انہیں اعتراضات کا ہدف بنانے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ دوسرے پہلوؤں کی شمولیت سے متکلمین اسلام کے یہاں اس کی صراحت ہے۔[۱]

دوسری دلیل :

اسلام جو ختم نبوت کے عقیدے کا قائل ہے کہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے آخری رسول ہیں اور قیامت تک کے لیے اس کائنات کے خالق تنہا خدا کی رضا و خوشنودی کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے زندگی میں آپؐ کے بتائے ہوئے طریقے کی مخلصانہ پیروی کو لازم پکڑا جائے، اس کی دوسری دلیل ہے کہ نبوت و رسالت کی پوری تاریخ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس کا دعوے دار نہیں ہے۔ اس سلسلے میں جہاں تک ہندومت، جین مت اور بدھ مت کا تعلق ہے تو جیسا کہ کتاب کے پہلے باب میں آپ نے دیکھا، ان کے ہاں نبوت و رسالت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے ان کے یہاں اس کے نام سے جو کچھ ہے وہ اوتار واد ہے جس کا معاملہ نبوت و رسالت سے بالکل مختلف ہے۔ ہندو قوم کی مذہبی تاریخ کا سب سے بڑا سانحہ یہی ہے کہ اس نے اپنی بچی کھچی مذہبی تعلیمات پر اپنے روایتی فلسفے کے ایسے دبیز پردے چڑھا دیئے کہ اس کی شناخت حد درجہ مشکل اور حقیقت کی تلاش دشوار سے دشوار تر ہو گئی۔ اپنی متضاد اور

---

[۱] ملاحظہ کیجئے: شرح العقیدۃ الطحاویۃ، مکتبۃ الدعوۃ الاسلامیۃ، الازہر صفحات ۱۰۵، ۱۰۶

ایک دوسرے کی نفی کرنے والے مذہبی عقائد وافکار کو وجودیت (Pantheism) کے رنگ میں رنگ کر اور کائنات کے ایک ایک ذرے کو خالق کائنات کا مظہر (Incar-nation) قرار دے کر اپنے کو مذہبی رکھتے ہوئے بھی اس نے اپنے لیے 'بے مذہبی' زندگی کا ایسا لائسنس حاصل کر لیا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے جو کوئی بھی مذہب پابند زندگی کا قائل ہو اور زندگی میں حق اور ناحق اور صحیح اور غلط کی واضح لکیریں کھینچتا ہو ہندو ذہن ایسے کسی بھی مذہب سے انتہائی درجے کی دوری اور وحشت محسوس کرتا ہے ہندوستان میں دعوتی پہلو سے مسلمانوں کی اپنی کمیوں اور خامیوں سے قطع نظر ہندو ذہن کا یہی تفلسف اور اباحیت پسندی ہے جو آج بڑی حد تک اس کے لیے قبول اسلام کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ لیکن اس کی تفصیل اپنی جگہ خاص اس مسئلہ میں اسلام کا ہندو مت سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ ہندو مذہب کی نمائندہ کتابیں اس دعوے کی علم بردار ہی نہیں ہیں کہ 'اوتار واد' یعنی اس کا سلسلہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے اور ان کے خیال کے مطابق سچی مذہبی زندگی گزارنے کی خاطر کسی خاص اوتار کو آخری اوتار کی صورت میں تسلیم کرنا ضروری ہے۔ جہاں تک عیسائیت (Christianity) کا سوال ہے تو اس کے نمائندے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتوں کی تفصیل ہم آئندہ کریں گے، قرآن کی تصدیق کے ساتھ کہ 'وہ صرف بنی اسرائیل کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے'[1] مقدس انجیل کے حوالہ سے ان کا یہ اعلان گزر چکا ہے کہ 'میں بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے علاوہ کسی اور کی رہنمائی کے لیے نہیں بھیجا گیا'[2] تو جب سیدنا مسیحؑ خود اپنی نبوت ورسالت کو ایک قوم تک محدود اور اس کی دائمیت اور عالمگیری کی خود بخود نفی کر رہے ہیں، اس کے بعد زبردستی ان کے سر پر ختم نبوت کا تاج رکھنے کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے ہیں۔ موجودہ یہودیت (Jud-aism) کے سرخیل سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو دعوتی زندگی قرآن نے ریکارڈ کی ہے اور عہد نامۂ قدیم سے خود حرف بہ حرف جس کی تصدیق ہوتی ہے، اس کے مطابق آپ علیہ السلام

---

[1] آل عمران: ۴۹۔ [2] متی: باب: ۱۵: ۲۴۔

کی نبوت ورسالت بھی بنی اسرائیل کے لیے خاص تھی۔ آں جناب بنی اسرائیل کو ان کے ایک خاص دورِ غربت میں فرعون کے ظلم وجبر کے شکنجے سے آزاد کرانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ قرآن ہو کہ بائبل ان کی پوری دعوتی زندگی میں کوئی ایک نظیر نہیں کہ کسی ایک موقع پر بھی انھوں نے اپنی نبوت و رسالت کو عالمگیر اور اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا آخری رسول اور نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ آج دنیا میں یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کے مشترکہ قابلِ احترام پیغمبر سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا معاملہ اس سے مختلف نہیں ہے جنہوں نے ختم نبوت جیسا کوئی دعویٰ نہ کرتے ہوئے خانہ کعبہ تعمیر کے وقت خود اپنے چہیتے بڑے صاحبزادے سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے بعد کے زمانہ میں ایک آخری نبی اور آخری رسول کے آنے کی دعا کی تھی[1] جس کی تفصیل کو بھی ہم آگے کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔

اس طرح قبل اسلام کے مذاہب یا دوسرے لفظوں میں ابتدائے آفرینش سے خالق کائنات کے پسند کردہ ایک ہی دین۔ اسلام کی بگڑی ہوئی صورتوں میں تو ختم نبوت کے دعوے کا کوئی ذکر نہیں، مسئلہ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کے دعوے اور اس کی حقیقت کا ہے۔ واقعہ ہے کہ چودہ سو سال کے طویل ترین عرصے میں آخری نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی امت کے باہر یا اندر کسی شخص کا اس دعوے کو لے کر نہ اٹھنا اور اگر اٹھا بھی تو عبرتناک انجام کے ساتھ بہت جلد اس کا پردۂ گمنامی میں چلا جانا، اور ختم نبوت کے اس نیر تاباں کے روبرو کسی دوسرے چراغ کا نہ جل سکنا اپنے آپ میں اس کی بہت بڑی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور آخری رسول ہیں اور قیامت تک کے لیے خالقِ کائنات کی خوشنودی کا ایک ہی راستہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے چون وچرا اطاعت وپیروی میں مضمر ہے۔ اسلام کے باہر تو بفضل خدا نبوت ورسالت کا کوئی دوسرا دعوے دار پیدا نہیں ہوا، اسلامی تاریخ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد طلیحہ اسدی، مالک بن نویرہ، مسیلمہ کذاب اور سجاح بنت الحرث جیسے لوگوں کی صورت میں کچھ بدنصیب لوگ اس کے

---

[1] بقرہ: ۱۲۹

دعوے دار بن کر ضرور نمودار ہوئے لیکن پہلے خلیفہ رسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کمان میں اللہ تعالیٰ نے ان کا ایسا قلع قمع کرایا کہ قیامت تک کے لیے ان کا نام نمونۂ عبرت بن کر رہ گیا[1] اور بعد کی تاریخ کے کسی عرصہ میں ان کی نام نہاد دعوت کو لے کر اٹھنے والا کوئی شخص پیدا نہ ہو سکا۔ اس صدی کے اوائل میں غیر منقسم ہندوستان میں انگریزی سامراج کے پروردہ اور اس کے آلۂ کار مرزا غلام احمد قادیانی م ۱۹۰۸ء کو دعوائے نبوت کا شوق ضرور ہوا اور سوءِ اتفاق سے اسلام کی عملداری نہ ہو کر شگوفہ کھلانے سے قبل اس کلی کو نہ توڑا جا سکنے سے اس نام نہاد پیغمبر کو اپنے کچھ پیرو کار بھی بنا لینے میں کامیابی ہوئی۔ لیکن اس کے ڈھول کا پول کھولنے کے لیے اسی قدر کافی ہے کہ آج ایک ارب سے زائد تعداد کی حامل اس امت میں غلام قادیانی کے نام نہاد امتیوں کی تعداد چند لاکھ سے زائد نہیں۔ اور مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک پوری امت مسلمہ بالکل متفقہ اور یک زبان ہو کر اس پیغمبر کو خارج از اسلام اور اس کے پیروان باصفا کو 'غیر مسلم' قرار دے چکی ہے اور پورے عالم اسلام میں اسی حیثیت سے ان لوگوں سے معاملہ کیا جا رہا ہے[2]

اس لیے حق اور انصاف کی بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تاریخ

---

[1] اسلام کے دورِ اول میں ان نام نہاد مدعیان نبوت کے استیصال میں خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تاریخی کارنامے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی کی کتاب 'تاریخ اسلام' حصہ اول صفحات ۲۶۰ تا ۲۸۵ مطبوعہ تاج کمپنی، ترکمان گیٹ، دہلی۔ (بلا تاریخ)۔

[2] مرزا غلام احمد اور ان کے حواریوں نے قیامت سے قبل مسیح موعودؑ کے سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو کس طرح کتر بیونت کر کے اپنے حق میں موڑنے کی کوشش کی اس کے ایک جائزے اور رد کے لیے دیکھیے 'ضمیمہ ختم نبوت' تفہیم القرآن جلد ۴ صفحات ۱۵۴ تا ۱۶۹۔ قادیانی حضرات کی دیگر تلبیسات اور فتنۂ قادیانیت کے مستقل رد کے لیے: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ: قادیانی مسئلہ، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور اور مولانا ابوالحسن علی ندوی: قادیانیت، مطالعہ و جائزہ۔ مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، بار سوم ۱۹۷۶ء نیز: استاذ احسان الٰہی ظہیر شہید م ۱۹۸۷ء: القادیانیۃ۔ دراسات و تحلیل ادارہ ترجمان السنۃ۔ لاہور، پاکستان۔ بارہواں ایڈیشن ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

میں صحیح معنوں میں 'ختم نبوت' کا کوئی دعوے دار ہی نہیں ہے۔ اس لیے واقعہ اور حقیقت کا تقاضا یہ ہے کہ جب اس میدان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حریف ہی نہیں ہے تو ادھر اُدھر جھانکنے کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلا مقابلہ انتخاب عمل میں آنا چاہئے۔

تیسری دلیل :

اسلام میں 'ختم نبوت' کی اصلی اور حقیقی دلیلیں تو وہی دو ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔ اتمام حجت کے پہلو سے اس کی تیسری اور آخری دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عملی اور واقعاتی طور پر نبوت و رسالت کے سلسلے کے جاری اور برقرار رہنے کی کوئی ضرورت نہیں رہ گئی۔ نبوت و رسالت کا مسئلہ کوئی کھیل تماشا نہیں، بلکہ یہ زندگی کا سب سے سنجیدہ اور گراں بار مسئلہ ہے۔ یہ بچے کی ضد (बाल हठ) جیسا معاملہ نہیں کہ وہ ذرا مچلے اور بس اس کی فرمائش پوری کردی جائے۔ کائنات کے ذرے ذرے کی طلب ہوتی ہے اور زمین و آسمان میں ایک طرح کی معنوی ہلچل پیدا ہوتی ہے جب کہیں روئے زمین پر مالک دوجہاں کا فرستادہ نمودار ہوتا ہے۔ پھر ایسا بھی نہیں کہ وہ یوں ہی آتا اور سادہ انداز میں اپنی عمر طبعی پوری کرکے جیسے کا تیسا اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔ نہیں بلکہ دنیا میں اس کی آمد کا مطلب ہی ہوتا ہے کہ اس کی کمان میں یہاں حق و باطل کا معرکہ گرم ہو، جو لوگ اس کی پکار پر لبیک کہتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں کامیابیوں سے ہم کنار ہوتے ہیں۔ اور جو بدنصیب اپنی روایتی عصبیتوں کے اسیر ہوکر اس کی دعوت کا انکار کرتے ہیں، وہ دوسری دنیا کی ابدی نامرادیوں کے ساتھ پیغمبر کے روبرو اس دنیا سے بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کردیئے جاتے ہیں۔ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کے لیے تمام دنیا والوں کے لیے اتمام حجت کا فریضہ انجام دے دیا ہے جس کے بعد روز محشر کسی شخص کے لیے خدائے بزرگ و برتر کے حضور عذر و معذرت کا کوئی موقع نہیں کہ دنیا میں ہمیں تیرا پیغام پہنچا ہی نہیں کہ آج تیرے روبرو ہم اسکے انکار کے مجرم قرار پائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر نبوت و رسالت کے سلسلے کے تمام ہو جانے کا یہ عملی فائدہ ضرور ہے کہ وقتی طور پر ہی سہی بہت سے لوگوں کو نبی کی دعوت کے انکار کے فوری انجام بد اور دنیوی

تباہی سے نجات ملی ہوئی ہے۔

یہ واضح ہو جانے کے بعد کہ نبوت برائے نبوت کا مطالبہ کوئی چیز نہیں سوال یہ ہے کہ آخری پیغمبر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عملی طور پر نبوت و رسالت کے سلسلے کے جاری رہنے کی ضرورت کیا ہے۔ اختصار میں دیکھا جائے تو ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کی ضرورت کی دو ہی وجہیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ پچھلے نبی کی صراحت کے مطابق اس کی دعوت کسی خاص قوم، کسی خاص خطے اور کسی خاص زمانے تک کے لیے محدود ہو۔ جس کے پیش نظر نبوت و رسالت سے کسی کے بجائے وہی ہو کر وہ بعد کے زمانے کے لیے اس کے تسلسل کا خود بخود اعلان کر کے اس دنیا سے رخصت ہو۔ جیسا کہ سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا مسیحؑ کے یہاں ہمیں اس کا نمونہ ملتا ہے۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ اسی صورت حال کے پیش نظر ایسے نبی کو ملنے والی شریعت[1]، ارتقاء پذیر ہو جس کے نتیجے میں بالکل فطری اور بدیہی طور پر بعد کے لوگوں کے لیے وہ ان کی زندگی کی تنظیم اور ان کی قانونی ضروریات کی تکمیل سے قاصر ہو جس کی مثال میں نمایاں طور پر موسوی اور عیسوی شریعت کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔

اس سلسلے میں جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو پچھلے صفحات میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اس کی تفصیل آ چکی ہے کہ کسی ایک قوم، خاص خطے اور خاص زمانے تک محدود نہ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت عالمگیر ہے، آپ قیامت تک کے لیے تمام دنیا والوں کے لیے خدا تعالیٰ کے آخری نبی اور آخری رسول ہیں اور نبوت و رسالت کا سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمام کر دیا گیا ہے۔

رہی دوسری بات تو اس کی تفصیل تو آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں آتے

---

[1] اس موقع پر 'دین' و 'شریعت' کا وہ فرق پیش نظر رہے جس کی وضاحت ہی پہلے 'وحدت ادیان نہیں وحدت دین' کی بحث میں ہو چکی ہے۔

والی خدا تعالیٰ کی آخری کتاب 'قرآن مجید' کے تعارف میں آئے گی، اس وقت موقع کی مناسبت سے صرف اس قدر عرض ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ اس کے اجمال کی تفصیل اور اس کے مقتضیات کی توضیح و تبیین پر مشتمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور عملی سنتیں اور پھر ان دونوں کا جامع ائمہ اسلام اور مجتہدین امت کا تیار کردہ فقہ اسلامی کا عظیم الشان ورثہ، واقعہ ہے کہ اپنے آپ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت اور آپ کے خاتم الانبیاء اور خاتم الرسل ہونے کی سب سے بڑی نہیں تو بہت بڑی دلیل ہے۔ افسوس ہے کہ آج کے ہندوستان میں 'اسلامی شریعت' کے کٹے پھٹے نمائندے 'پرسنل لا' کا مطالعہ بھی مخصوص ملکی حالات اور قومی کشمکش کے پس منظر میں ایک خاص عینک اور اغیار کی پھیلائی ہوئی سازشوں سے رستگاری حاصل کیے بغیر کیا جاتا ہے، ورنہ عصبیتوں سے بلند ہو کر اس پوری شریعت کا مطالعہ اس جذبے سے کیا جائے کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ یہ کوئی محمدؐ اور ان کے پیروؤں کی تصنیف و ترتیب دادہ چیز نہیں، بلکہ اس خدائے علیم کی طرف سے اپنے بندوں کو ملنے والا یہ آخری مکمل ترین قانون ہے جو صرف مسلمانوں کا نہیں دنیا کے تمام انسانوں کا ایک ہی خالق اور اسی طرح ان کا تنہا حاکم اور مطاع مطلق ہے اور جسے کسی نہ کسی درجے میں برادران وطن بھی اسی طرح اپنا خالق و مالک تسلیم کرتے ہیں، ہم پورے جزم و یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر برادران وطن اس آفاقی شریعت کو اس کے حقیقی بین الانسانی پس منظر میں دیکھ سکیں اور انسانی زندگی کی تنظیم اور معاشرے کی تشکیل میں اس کی بے پناہ حکمتوں اور گہرائیوں کی واقعی قدر دانی کر سکیں تو وہ انھیں کوئی اوپری اور اجنبی نہیں بلکہ اپنے دل کی آواز محسوس ہو اور وہ بے ساختہ پکار اٹھیں کہ اس اجمع و اکمل آفاقی اور عالمگیر شریعت کے بعد ہمیں اپنی ہمہ جہتی صلاح و فلاح کے لیے کسی دوسرے قانون اور کسی دوسرے ضابطۂ حیات کی ضرورت نہیں۔ سورج آ گیا تو ستاروں کا دور خود بخود ختم ہو گیا، فلش لائٹ نے جب پورے ماحول کو بقعۂ نور بنا رکھا ہو تو پھر ٹمٹماتے چراغوں سے اپنے ہاتھوں کو تھکانے کی کیا ضرورت ہے؟

حیات محمدیؐ پر ایک طائرانہ نظر:

اس بحث کا سب سے نازک پہلو بے داغ اور بے مثال حیات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ نبوت محمدی کا انکار کوئی کھیل تفریح کا معاملہ نہیں کہ اسے یوں ہی بس چٹکیوں میں اڑا دیا جائے، یہ انسانی تاریخ کے سب سے سچے انسان کے دعوے کا انکار ہے جس سے اس کی پوری زندگی میں کسی ایک موقعے پر بھی جھوٹ اور خلاف واقعہ بات کا تجربہ نہیں کیا گیا۔ تاریخ کے مکمل اجالے کی اس شخصیت کو چالیس سال کی عمر میں اپنی نبوت کے اعلان کے بعد اپنے وطن مکہ میں اپنی دعوت کے سلسلے میں اپنے ہم وطنوں سے سخت ترین مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا اور مکی زندگی کا تیرہ سالہ عرصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی شدید مزاحمت اور کشمکش میں گزارا لیکن اس پوری لڑائی کے درمیان سب کچھ ہوا، نہیں ہوا تو صرف یہی نہیں ہوا کہ مخالفین کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ اور دروغ بیانی کا کبھی الزام عائد کیا گیا ہو۔ بلکہ نظائر اس کے برعکس ہیں کہ نازک سے نازک موقع پر بھی جبکہ مخالف صورت حال کا فائدہ اٹھا کر معاندانہ ردعمل کا اظہار کرتا ہے اور غائبانے میں فریق مخالف کو مطعون و متہم کرنے میں کوئی کسر باقی رکھنے کو تیار نہیں ہوتا، آپ کے کٹر سے کٹر مخالف کو ایسی صورت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جھوٹ اور دروغ بیانی کا الزام عائد کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ چنانچہ قیصر روم کے دربار میں آپؐ کے چچا جناب ابوسفیان، جو اس وقت تک مشرف بہ اسلام نہ ہو کر آپ کے شدید ترین مخالفوں میں تھے، کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا تھا۔ یہ ۶ھ کا واقعہ ہے جب کہ صلح حدیبیہ کی صورت میں مدینہ کے مسلمانوں کے ساتھ مکہ کے لوگوں کو بھی ایک مدت کے لیے امن و سکون سے رہنے کا موقع مل گیا تھا۔ اسی موقع کا فائدہ اٹھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور قریش کے سردار جناب ابوسفیان نے قبیلے کے دوسرے لوگوں کے ہمراہ تجارت کے مقصد سے شام کا سفر کیا۔ اتفاق سے انہی دنوں روم کا شہنشاہ ہرقل بھی وہیں کی اپنی ایک عملداری "ایلیا" میں اپنے قافلہ کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ یہ وہ موقع تھا جبکہ عظیم المرتبت صحابی حضرت دحیہ کلبیؓ کی سفارت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوتی مکتوب گرامی

امیر بُصریٰ کی معرفت ہرقل کے پاس پہنچ چکا تھا جس کی وجہ سے اس کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور ان کے متعلق معاملات کے لیے مزید تجسس اور طلب پیدا ہو چکی تھی۔ چنانچہ جب 'ایلیا' میں اسے وہاں قریش کے اس قافلے کی آمد کا پتہ لگا تو اس نے انھیں اپنے ہاں طلب کیا۔ یہ حضرات وہاں پہنچے تو مجلس جمی ہوئی تھی اور ہرقل کے اردگرد روم کی سربرآوردہ شخصیتوں کا جھرمٹ تھا۔ اب اس نے ان حضرات کو طلب کیا۔ ساتھ ہی اپنے ترجمان (TRANSLATOR) کو بھی موجود رہنے کا حکم دیا۔ اس کی معرفت سب سے پہلے اس نے اہل قافلہ سے یہ دریافت کیا کہ تمہارے ہاں جو شخص نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھے ہیں یہاں تم لوگوں میں کوئی شخص خاندان اور نسب میں ان سے قریب تر ہے۔ اس کے جواب میں جناب ابوسفیان کے سامنے آنے پر اس نے انھیں اپنے سے قریب بٹھانے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی اس نے ان کے دوسرے لوگوں کو پاس بلا کر انھیں ان کی عین پشت پر بیٹھنے کو کہا۔ بعد ازاں اس نے اپنے ترجمان کی معرفت ان حضرات سے کہا کہ میں اس شخص یعنی ابوسفیان سے اس شخص یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کچھ باتیں دریافت کرنے جا رہا ہوں۔ مطلب یہ تھا کہ اس موقع پر جناب ابوسفیان اپنی اسلام دشمنی سے کسی موقع پر غلط بیانی سے کام لیں تو ان کے دوسرے ساتھی برسرموقع ان کی تغلیط کر دیں۔ ہرقل کی اس پیش بندی سے جناب ابوسفیان بالکل بندھ کر رہ گئے لیکن دل کی بات بہرحال زبان پر آ کر رہی کہ:

فواللّٰہ لولا الحیاء من ان یاثروا علی کذبا لکذبت عنہ[1]	خدا کی قسم اگر اس کی حیا مانع نہ ہوتی کہ اگر میں کسی غلط بیانی سے کام لوں تو یہ لوگ مجھ کو ٹوک دینگے تو اس موقع پر ان (پیغمبرؐ) کے متعلق کسی نہ کسی غلط بیانی سے ضرور کام لیتا۔

اس کے بعد اس نے اپنے ترجمان کی معرفت جناب ابوسفیان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بہت سی باتیں دریافت کیں جن کی تفصیل ان شاء اللہ موقع کی مناسبت سے آگے آئے گی

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱۔ باب کیف کان بدوٴ الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس وقت زیرنظر مضمون کی رعایت سے صرف ایک بات، ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا کہ کیا ان کے دعوائے نبوت سے پہلے کی زندگی میں تم نے انھیں کبھی خلاف واقعہ بات کہتے ہوئے پایا' اس کے جواب میں شدید ترین دشمنِ اسلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین مخالف ابوسفیان کے لیے اس اعتراف کے سوا دوسرا چارہ نہ رہا کہ نہیں ہم نے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹ اور دروغ بیانی کا مجرم نہیں پایا۔

قال فهل كنتم تتهمونه بالكذب قبل ان يقول ما قال قلت لا [1]	اس نے کہا کہ کیا تم اس سے پہلے کہ وہ وہ بات کہیں جو کہ وہ آج کہہ رہے ہیں تم انھیں کبھی جھوٹ کی تہمت دیتے رہے ہو۔ اس پر میں نے کہا۔ نہیں، کبھی نہیں۔

یہ تو تھا اعلان نبوت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق وصفا کا آپ کے شدید ترین اور بدترین دشمن کی طرف سے اعترافات' نبوت سے پہلے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ مکی زندگی میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حیثیت اسی طرح سے مسلم تھی۔ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے مسلمان قوم کا یہ محض کوئی حسن ظن نہیں بلکہ مرتب تاریخ کی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ دوسری خوبیوں کے علاوہ اپنی قوم کے اندر خاص طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور امانت داری کا کوئی جواب نہ تھا:

حتى بلغ ان كان رجلا افضل قومه مروءة، واحسنهم خلقا، واكرمهم حسبا، واحسنهم جوارا، واعظمهم حلما، واصدقهم حديثا، واعظمهم امانة، وابعدهم من الفحش و الاخلاق التى تدنس الرجال تنزها	یہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی شخصیت کی حیثیت میں ابھر کر سامنے آئے جو اپنی قوم میں سب میں بڑھ کر مردانگی والے' سب میں بڑھ کر صاحب اخلاق، خاندان اور نسب میں سب سے اونچے، سب میں بڑھ کر بہترین پڑوسی، سب سے زیادہ حلیم و بردبار'

---

[1] بخاری، حوالہ سابق

وتكرما، حتى ما اسمه في قومه الا "الامين" لما جمع الله فيه من الامور الصالحة۔ [1]

سب سے زیادہ سچے، سب میں بڑھ کر امانت دار، بدی اور بے حیائی اور اخلاق ذمیمہ جن سے لوگوں کا دامنِ شرافت داغدار اور ان کی پاکبازی و پاک دامنی پر بٹہ لگتا ہے، کوسوں دور اور تمام لوگوں میں سب سے ممتاز، یہاں تک کہ راوی کا کہنا ہے کہ آپ کی قوم میں 'امین' کے علاوہ آپ کا دوسرا نام سننے میں نہیں آتا تھا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بہترین عادات واطوار کا جو آپ کو سنگم بنا دیا تھا، اسی کے پیش نظر کوئی دوسرا نام آپ کے لیے جچتا ہی نہ تھا۔

نبوت سے پندرہ سال قبل اور اپنی شادی سے پہلے حضرت خدیجہ رضؓ نے اپنے معمول کے مطابق دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنے سرمائے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تجارت کی دعوت اور اس کی پیش کش کی تھی تو دوسری خوبیوں کے علاوہ اس کی خاص وجہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور امانت داری کی بڑھی ہوئی شہرت تھی اور حضرت خدیجہ رضؓ ہی پر کیا موقوف۔ حیات محمدیؐ کا یہ وہ امتیاز ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری قوم موافق، مخالف متفق اللفظ اور یکساں زبان تھی اور علی رؤوس الاشہاد اسے اس حقیقت کا اعلان واعتراف تھا۔ [2]

---

[1] ابن ہشام: السیرۃ النبویہ: ۱/۱۹۹، دار الفکر القاہرہ۔ مراجعت کردہ تحقیقی ایڈیشن۔ تاریخ ندارد۔
مزید بحوالہ سابق/۲/۲۰۲۔ نیز: ابن ہشام: السیرۃ: ۱/۲۰۵، ۲۰۶۔ ناشر مذکور

[2] تفصیل کے لیے: صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الشعراء
باب: وانذر عشیرتک الاقربین۔
نیز: تفسیر تبت یدا ابی لہب۔

مزید، مرتب انسانی تاریخ کی یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ نبوت سے قبل حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ایک کامیاب تاجر اور مستحکم مالی حیثیت کے مالک تھے اور اپنی قوم میں کسی اختلاف و نزاع کے بغیر آپ کی امامت اور سرداری مسلم تھی، اس مقصد سے امت مسلمہ کی چودہ سالہ زبانی تاریخ (ORAL HISTORY) کے علاوہ اس کی سیرت و تاریخ کا زبردست ترین تحریری سرمایہ اس حقیقت کا شاہد عدل ہے، اس کے باوجود نبوت کا بار گراں اپنے کندھوں پر اٹھانے کے بعد اپنی پوری قوم کی مخالفت مول لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس حیثیت عرفی کو داؤ پر لگا دیا، ساتھ ہی بندگان خدا تک اس کے پیغام کو پہنچانے کا آپ کو ایسا سودا سوا ہوا کہ اپنی مالیات پر توجہ دینے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی موقع ہی نہ رہا جس کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی حالت دن بدن خستہ سے خستہ تر ہوتی گئی، کار نبوت میں اپنی حیثیت عرفی اور مالیات کی اس بے مثال قربانی، قوم کے اندر اپنے مسلمہ اخلاق کریمانہ، سب میں بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدیم النظیر سچائی اور سچ گوئی، یہ تمام چیزیں مل کر آپ کے اپنے زمانے کے انسانوں کی طرح قیامت تک کے لیے پوری دنیائے انسانیت کے سامنے ایک ایسا سوال سامنے لاتی ہیں جو غیر معمولی طور پر سنجیدہ غور و فکر کا مستحق ہے۔

اپنی اس بے مثال انبیائی اور دعوتی جد و جہد میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخ کی متفقہ شہادت میں کوئی دنیوی اور مالی منفعت نہیں اٹھائی اور اپنی پوری زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک موقع پر بھی کبھی کوئی خلاف واقعہ بات کہی، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں کبھی بھی سچائی اور سچ گوئی کے سوا دوسرا تجربہ کیا گیا، اس مسلمہ تاریخی حقیقت کے ساتھ جب یہی صادق و مصدق صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سلسلے میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ میں خدا کا آخری پیغمبر ہوں اور اخروی نجات کے لیے قیامت تک کے لیے دنیا کے تمام انسانوں کے لیے میری نبوت کا اقرار اور میرے لائے ہوئے پیغام کی پیروی ضروری ہے، تو کم سے کم یہ آواز اس کی مستحق ہے کہ اس پر سنجیدگی سے غور کیا جائے۔ ان لوگوں کے لیے تو ضرور ہی اسے زندگی کا سب سے اہم سوال بن جانا چاہیے جو اس کائنات کو الل ٹپ اور بے مقصد اور بے غایت ماننے کی غلطی کا ارتکاب کرنے کے لیے تیار نہیں اور جو اپنے حلق کے نیچے اس

بالکل غیر عقلی اور غیر منطقی بات کو اتارنے کے لیے کسی صورت آمادہ نہیں ہو سکتے کہ اس کائنات کی سب سے شاہ کار مخلوق، انسان کا کوئی متعین انجام نہیں۔ دنیا میں اس کے جینے کا کوئی مستقل آئین نہیں اور اس دنیا کے بعد دوسری دنیا میں نیک اور بد، ظالم اور مظلوم اور گنہگار اور بے گناہ دونوں کے انجام میں کوئی فرق نہیں اور کسی خدائی سند کے بغیر اپنی اپنی پسند سے کسی بھی مذہب کی پیروی اختیار کرکے یکساں طور پر خالق کائنات کی خوشنودی و رضامندی کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔

'وحدت ادیان' کا مروجہ ہندی فلسفہ، جیسا کہ آپ نے تفصیلات میں دیکھا' آزاد ہندوستان کی خالص سیاسی مصالح کی پیداوار ہے۔ جسے اتفاق سے کچھ غیر سیاسی اہل علم اور دانش وروں کی بھی تائید حاصل ہو گئی ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے اس کے پیچھے دلائل کا کوئی وزن نہیں۔ مذاہب عالم کی مستند کتابوں میں اس کی کوئی سند ہے' نہ ان مذاہب کے نمائندوں کی طرف سے عام طور پر اس کے حق میں کوئی اعلان کیا گیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس محدود سیاسی پس منظر سے اوپر اٹھ کر اس مسئلے کی حقیقت پر غور کیا جائے اور خدا کے منہ میں اپنی بات ڈالنے کے بجائے اپنے رسولوں کی زبانی اس کی بات پر دھیان دیا جائے اور گروہی اور علاقائی عصبیتوں سے بلند ہو کر مذاہب عالم کے اس جم غفیر میں سچائی کی تلاش کی فکر کی جائے اور تمام مذاہب کو ملا کر ان سب کا ایک ملغوبہ تیار کرنے کے بجائے فلسفہ مذہب کی اسلام کی پیش کردہ عقلی منطقی اور دل کو اپیل کرنے والی اس تعبیر و تشریح پر توجہ دی جائے جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں پیش کی گئی ہے اور جس کی دوسری دفعات کی تفصیل آئندہ صفحات میں آتی ہے۔ اسی پس منظر میں حیات محمدیؐ کے آئینے میں برادران وطن کو اسلام کی تصویر دکھانے کی ضرورت ہے۔

ختم نبوت۔ خدائی اسکیم کا حکیمانہ مظہر:

اسلام کے لیے 'وحدت ادیان' کے مروجہ ہندی فلسفے کی ناقبولیت اور اس کے بالمقابل اس کے الگ فلسفہ مذہب کی مذکورہ صدر دفعہ۔ ختم نبوت۔ کے سلسلے میں یہ سوال ضرور پیدا

ہوسکتا ہے کہ آخری پیغمبر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ورسالت کا سلسلہ جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا تو اس کی حکمت اور مصلحت کیا ہے؟ کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ انسانوں کی رہنمائی کے لیے وحی ورسالت کا یہ سلسلہ قیامت تک کے لیے دراز رہتا اور خدا کے فرستادے براہ راست اس کے بندوں کو اس کا پیغام پہنچاتے رہتے۔ اس سوال کا اصل جواب تو اوپر 'ختم نبوت کے دلائل' کی بحث میں گزر چکا ہے، مزید اطمینان کے لیے اس کے بعض دوسرے پہلوؤں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔

تاریخ عالم پر غیر جانب داری کی نظر ڈالنے والے کسی بھی شخص کے لیے اس حقیقت کے اعتراف میں کوئی تامل نہیں ہوسکتا کہ پیغمبر اسلام محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف ہی اس وقت لائے جبکہ دنیا میں بین الاقوامیت کا دور شروع ہو چکا تھا۔ گردش لیل ونہار اس کے لیے سراپا انتظار تھی کہ آخری نبیؐ کے ذریعہ پچھلی شریعتوں کو منسوخ کرنے والی آخری شریعت آئے جسے رہتی دنیا تک کے لیے عالمی شریعت کے طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ ظاہر ہے اس بین الاقوامیت کے لیے اپنی تمام تر مطلوبہ شرطیں پوری کر دینے کے بعد جس کی تفصیل آگے 'حجیت قرآن' کی بحث میں آتی ہے' آخری شریعت کے لیے یہ چیز کوئی رکاوٹ اور مانع نہیں ہوسکتی تھی کہ آخری نبیؐ کسی خاص قوم اور کسی خاص خطے میں پیدا ہوتا ہے' اور اس شریعت سے اخذ و استفادے میں اس کے اوپر اس قوم و ملک اور اس وقت کے مخصوص حالات کی چھاپ نسبتاً نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ کسی بھی مذہب و شریعت یا نظام حیات کے عالمگیر اور جاوداں ہونے کے لیے یہ کبھی ضروری نہیں رہا کہ اس کا علمبردار اور نمائندہ ہزاروں سال کی عمر لے کر دنیا کے تمام انسانوں سے تن تنہا رابطہ قائم کرے اور ان کے درمیان اپنے پیغام کی براہ راست تبلیغ واشاعت کے ذریعہ ہر قوم اور ہر گروہ کے مخصوص حالات اور ان کے رسوم وعادات کی رعایت سے ان سب کے لیے یکساں لائحہ عمل اور دستور حیات مرتب کر سکے اگر سرمایہ داری اور اشتراکیت کے الحادی نظریہ ہائے حیات کچھ خاص لوگوں کے درمیان ایک خاص خطے اور تاریخ کے ایک خاص مرحلے میں تجربے کی خراد پر چڑھ کر اپنے تئیں عالمگیری اور بین الاقوامیت کے دعوے دار بن سکتے ہیں'

اور مذہبیت میں انتہائی گہری جڑیں رکھنے والا رشیوں اور منیوں کا ہمارا ملک بھی انہیں اسی حیثیت میں نصف صدی تک اپنے سینے سے لگا سکتا، بلکہ آج اشتراکیت کی تجربہ گاہ "روس" میں اس نظریے کی کھلی ناکامی اور اس بت کے وہاں چاروں خانے چیت اوندھے منہ گر جانے کے باوجود ہندوستان کے مخلص مارکسی فدائین اس کی مسیحائی کے اسی طرح قائل اور اس نظریہ حیات کے مطابق اس ملک کی تشکیل کے لیے اسی طرح خم ٹھونک کر میدان میں اترے ہوئے ہیں، تو آخر خدا کے آخری دین۔ اسلام۔ ہی نے وہ کیا قصور کیا ہے کہ دنیا کے تمام نظریات اور نظامہائے حیات میں اپنی صداقت اور تاریخ کے عملی تجربے کی روشنی میں اپنی نتیجہ خیزی میں ان سب کے اوپر ہونے کے باوجود اس کی عالمگیری اور بین الاقوامیت کے تسلیم کیے جانے میں تامل ہو۔ کسی بھی نظریۂ حیات یا نظام شریعت کے عالمگیر اور بین الاقوامی ہونے کے لیے اس کے اوپر وقتی اور مقامی حالات کا اثر ہونا اس کی عالمگیریت اور بین الاقوامیت کے لیے ہرگز ہرگز قادح نہیں ہو سکتا۔ آج یورپ اسلام کی ہزار سالہ تاریخ کو نگلتے ہوئے یونان و روم کے علوم و فنون کو اپنا براہ راست جانشین باور کراتے ہوئے پوری دنیا کو ان کے فلاسفہ و حکماء کی خاک چٹوا رہا ہے اور ادب (ART) سماجی علوم (SOCIAL SCIENCE) کے نام سے آج پوری دنیا کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں افلاطون و ارسطو اور ان کے جانشینوں کا چرچا ہے۔ یہاں تک کہ آج فلسفہ و نفسیات اور سماجیات و سیاسیات ہی نہیں کھیل کے میدان تک کی اصطلاحات[۱] قدیم یونان کو عالمگیر اور بین الاقوامی تسلیم کیے جانے میں کچھ مانع اور حارج نہیں، اور تو اور آج کا امریکہ بھی اپنے مثالی فکری افلاس کے باوجود اپنے تئیں ایک عالمی نظام کے علمبردار ہونے کا مدعی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ان خود ساختہ انسانی نظریات کے لیے ان کی مقامیت و محلیت ان کی عالمگیری اور بین الاقوامیت کے لیے قادح نہیں، پھر آخری نبوی شریعت کے لیے ہی اس کے

---

[۱] خیال رہے کہ آج کھیل کے میدان کی "اولمپک" اور "مراتھن" کی اصطلاحات بھی یونانی الاصل ہیں اور ان کی ابتدار اور آغاز کا سلسلہ بھی اسی فکر و فلسفہ کی سرزمین سے قائم ہے۔

اور کسی قدر مقامیت و محلیت کی ناگزیر چھاپ کو اس کی اس حیثیت کے تسلیم کیے جانے میں حارج اور مزاحم ہو۔ جبکہ اس مقامیت و محلیت کا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں کہ دنیا کے دوسری قوموں اور دوسرے خطوں میں اس کے عملی انطباق کی صورت میں ان کی مقامی تہذیب اور کلچر کا کوئی لحاظ نہ ہوگا، اور غیر عرب کو بتمام وکمال آج کے چودہ سو سال قبل کے عرب کے سماج میں رنگ جانا ہوگا۔ ایسا بالکل نہیں، اسلامی شریعت کی عالمگیریت و بین الاقوامیت کا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں۔ آخری محمدی شریعت پر عربی اثرات کا مطلب صرف اور صرف بطور ماخذ قانون (SOURCE OF LAW) اس سے اخذ و استفادہ ہے، وہ ناگزیر اخذ و استفادہ جس سے بچ کر دنیا میں کسی قانون سازی (LEGISLATION) کا تصور نہیں کیا جا سکتا، شریعت محمدی دنیا کی دوسری تمام تہذیبی اکائیوں کو مٹانے نہیں آئی، اس ناگزیر اخذ و استفادہ کے ساتھ وہ دنیا کی ہر تہذیب اور ہر کلچر کی صرف اصلاح چاہتی ہے کہ اس کے اندر شرک و بت پرستی اور خدا بیزاری کے مظاہر کا خاتمہ ہو جائے اور انسانی زندگی خدائی فرمان کے تابع ہو جائے، ہر قوم کا مخصوص کلچر اور اس کے مخصوص عادات و اطوار اور رسوم و رواج جن کا اسلامی شریعت سے براہ راست ٹکراؤ نہ ہو، اسلام کو ان سے کچھ لینا دینا نہیں۔ آخری شریعت ان کے درمیان صرف ترمیمات (AMENDMENTS) چاہتی ہے، انھیں بالکل کالعدم قرار دینے اور جڑ پیڑ سے اکھاڑ دینے سے اسے کوئی دلچسپی نہیں۔ اسلام کے صدر اول میں محمدی قافلے نے اس وقت کی دنیا کی دو نمائندہ متمدن ترین بڑی طاقتوں (SUPER POWER) روم و ایران کو زیر نگیں کر کے قیامت تک کے لیے دنیا کی تمام متمدن اقوام کے لیے آخری شریعت کی عالمگیری اور آفاقیت و عملی نمونہ قائم کر دیا۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے عرب کے باطل کی سرکوبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے ذریعہ کی۔ اور ان دونوں بڑی طاقتوں کی سرکوبی عربوں کے ذریعہ کرائی۔ اور اس کے بعد ان دونوں کے سرغنوں کی سرکوبی کے ذریعہ قیامت تک کے لیے دنیا کے تمام ملکوں اور قوموں کی نسبت سے ان کے سرغنوں کی سرکوبی کی عملی مثال قائم ہو کر، شریعتِ محمدی کی عالمگیری کا سکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رواں ہو گیا۔ شریعت محمدی کی اس عالمگیری اور آفاقیت میں انسانیت کے لیے رحمت کا ایک بڑا پہلو یہ ہے کہ اس کی برکت سے اسے محدود در مقفر

اور مقامی اور علاقائی قوانین وضوابط اور رسوم وعادات کے تحفظ ونگہداشت کے دشوار ترین کام سے نجات مل گئی۔ اور مقامیت ومحلیت سے اوپر اٹھ کر انسانیت کے لیے عالمی برادری کی تشکیل کا راستہ آسان ہوگیا۔[1]

شریعت محمدی کی آفاقیت کے سلسلے میں اب صرف ایک اشکال باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ جب یہی آخری شریعت خداوند ارض وسماء کی آخری پسند کردہ شریعت ہے اور اسی کی بے لوث پیروی پر اس دنیا کے ساتھ آخرت کی زندگی کی نجات بھی وابستہ ہے تو ضرور ہے کہ قیامت تک کے لیے اس سے ناآشنا انسانوں کے لیے اس کی آشنائی کا سامان بہم ہو۔ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح قوم عرب کے اندر اس پیغام کے پہنچانے کا حق ادا کیا اور اس پر اپنی حجت تمام کردی، بعد میں آپ کے جان نثاروں نے اپنے زمانے کی متمدن دنیا کی نسبت سے اس اتمام حجت کا فریضہ انجام دیا تو ضرور ہے کہ قیامت تک کے لیے اس کا سلسلہ اسی طرح دراز ہو اور دنیا کا کوئی انسان اپنے رب کریم کے پیغام سے ناآشنا نہ رہے۔ یہ اشکال بالکل فطری ہے جس کی کسی قدر وضاحت اس سے پہلے ہو چکی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کے لیے اب یہ آپ کی برپا کردہ امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ غیر مسلم انسانیت تک اللہ کے پیغام کے پہنچانے کا حق ادا کرے۔ قرآن وسنت کی رو سے اس امت پر 'شہادت علی الناس' اور 'امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' کی جو ذمہ داری ڈالی گئی ہے اس کا یہی مطلب ہے۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ امت مسلمہ کی اصل شناخت یہی ہے کہ وہ اس فریضے کی ادائیگی کا اہتمام کرے اور دنیا کی تمام امتوں میں اسے 'خیر امت' اسی فریضے کی ادائیگی کی شرط کے ساتھ کہا گیا ہے۔ اپنی نمایاں دعوتی صلاحیتوں کے ساتھ اس فریضے کے ادائیگی کی ذمہ داری اس امت کے منتخب گروہ

---

[1] یہ خیالات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ہیں جنہیں مزید تشریح وتوضیح کے ساتھ ہم نے اپنے الفاظ میں پیش کیا ہے۔ آج کے ہندوستان میں شاید کہ ہماری یہ بحث ہمدردانہ غور وفکر کی مستحق ہے۔ شاہ صاحب کے اصل خیالات کے لیے ان کی شاہکار کتاب 'حجۃ اللہ البالغۃ' جلد ا۔ صفحات ۱۱۸، ۱۱۹۔ کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۳۷۳ھ، طبع اول

اور اس کی منتخب جماعتوں کی ہے، لیکن اس کے اسباب کی فراہمی اور متعلقہ دیگر ضروریات کی تکمیل کی ذمہ داری پوری امت کی ہے جس سے کوتاہی کی صورت میں روز محشر خدا کے یہاں تو اس کی پکڑ ہو گی ہی، دنیا کے اندر بھی وہ اس جرم عظیم پر اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے اپنے کو بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے گی[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ انبیاء کے ذریعہ براہ راست اقوام عالم پر اتمام حجت کے بجائے قیامت تک کے لیے اس امت کے ذریعہ اس فریضے کی ادائیگی میں حکمت و رحمت کا ایک بڑا پہلو یہ ہے کہ نبی کے ذریعہ اتمام حجت کے بعد سنت الٰہی کے مطابق پھر مخاطب قوم روئے زمین پر اپنی بقا کے استحقاق کو کھو دیتی ہے۔ عذاب الٰہی اسے اپنی لپیٹ میں لے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کے نام و نشان کو اس دنیا سے مٹا دیتا ہے۔ امت محمدیؐ کے ذریعہ اس اتمام حجت کی صورت میں، آخرت کی پکڑ کا معاملہ اپنی جگہ، دنیا کی زندگی میں قوم اپنے جینے کا سامان کر لیتی ہے۔ امت محمدیہ کے ذریعہ اس تک خدا تعالیٰ کے پیغام کے کماحقہ پہنچ جانے کی صورت میں روز حشر خدا کے حضور اس کے لیے عذر و معذرت کا تو کوئی موقع نہیں ہو سکتا، جس کی وجہ سے وہ اپنے کو خالق کائنات کے غیظ و غضب سے بچانے میں کامیاب ہو سکے لیکن دنیا کی زندگی میں، اسلام کے آجانے کے باوجود بھی، اگر اسے کفر و شرک کے اندھیرے میں ہی رہنے پر اصرار ہو چشمۂ صافی کے اس کے سامنے ہمہ تن انتظار ہونے کے باوجود محض اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے اسے پیاسا رہنا ہی منظور ہو تو اس بالواسطہ اتمام حجت کی صورت میں، صفحۂ ہستی سے اس کے نام کو مٹا کر حالت کفر و شرک میں بھی اسے زندہ رہنے کا حق حاصل رہتا ہے۔ خدا کے آخری دین کے امتیوں کو قوم کی اس حالت پر جیسا کچھ بھی حزن و ملال ہو، خدا کی زمین پر اس کے دین کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہوئے

---

[1] اس کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے ہماری کتاب 'مومنانہ زندگی کے اوصاف' کی بحث 'امر بالمعروف نہی عن المنکر'، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔ بار اول ۱۹۸۹ء۔ علمی اور تحقیقی پہلوؤں کی وضاحت کے لیے دیکھی جائے: مولانا سید جلال الدین عمری: معروف و منکر، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی بار دوم ۱۹۸۵ء

قوم کو اگر اپنے فیصلے پر ہی اصرار ہو تو انھیں اس کو مان لینے میں کوئی تردد نہ ہوگا۔ قرآن کے ریکارڈ کے مطابق آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی انبیائی امتوں عاد و ثمود وغیرہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ رہا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آج تک دنیا کے نقشے پر بہت ساری کافر و مشرک قوموں کو جو جینے کا حق حاصل ہے، اس کی روشنی میں اس فرق کو آسانی کے ساتھ محسوس کیا جاسکتا ہے۔

قرآن۔ خدا کی آخری کتاب:

'وحدت ادیان' کے مروجہ ہندی فلسفے کے برعکس 'ختم نبوت' کے ساتھ اسلامی تصور مذہب کا دوسرا اہم ترین نکتہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب۔ قرآن۔ کا اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب کی حیثیت سے تسلیم کیا جانا ہے۔ اسلام میں جس طرح 'ختم نبوت' کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نسبت سے کوئی نئی اور انوکھی چیز ہیں جو انسانی تاریخ کے ایک خاص دائرے میں دفعتاً نمودار ہو گئے، بلکہ سلسلۂ نبوت جو ابتدائے آفرینش سے قائم چلا آتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ذات پر صرف اسکے سر رشتے کی تکمیل اور اتمام ہوا، اسی طرح قرآن کے خدا تعالیٰ کی کتاب ہونے کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ تاریخ انسانیت کا یہ کوئی اتفاقی یا حادثاتی واقعہ ہے اور کسی شخص کی زبانی اس کا دعویٰ اس طور پر سامنے آیا ہے کہ اس کے آگے اور پیچھے اس کی کوئی دوسری نظیر اور مثل موجود نہیں۔ 'ختم نبوت' کی طرح یہاں بھی اسلام کا کہنا صرف اس قدر ہے کہ پچھلے انبیاء کی دکھائی ہوئی روشنی کے مدھم پڑجانے اور ان کی بتائی ہوئی تعلیمات میں بگاڑ آجانے کے بعد، ان کی مقامی اور محلیاتی حیثیت کو ختم کرتے ہوئے جس طرح آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس روشنی کی تکمیل اور ان تعلیمات کے آفاقی طور پر انتہائی تابانیوں کے ساتھ اتمام کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور کیے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں آنے والی کتاب 'قرآن' کا مقصد بھی اس کے سوا دوسرا نہ تھا کہ پچھلے آسمانی صحائف میں انسانی تحریفات کے گرد و غبار کو صاف کرتے ہوئے، یہاں بھی ان کی تعلیمات کی مقامی اور محلیاتی حیثیت کو ختم کرتے ہوئے

بین الانسانی کردار کے ساتھ قیامت تک کے لیے ہدایت الٰہی کی بنیادوں کو اپنے صفحات میں کامل و اکمل صورت میں محفوظ کر دے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جس وقت مکہ میں بعثت ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ بنیادی طور پر تین لوگوں سے تھا۔ اہل کتاب یہود ونصاریٰ اور مشرکین اور کفار عرب۔ جہاں تک یہود ونصاریٰ کا سوال ہے ان کے پاس توراۃ اور انجیل کی صورت میں ان کے دو جلیل القدر پیغمبروں حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے اوپر اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابیں موجود تھیں۔ دوسری طرف آپ کی اپنی قوم کے لوگ عرب کے کفار اور مشرکین تھے جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اپنا جدامجد (पूर्वज) تسلیم کرتے تھے اور قرآن کی صراحت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی کتاب سے نوازا تھا جو مختلف صحائف کی صورت میں تھیں[۱]۔ لیکن ہوا یہ تھا کہ عرب کے لوگ تو اپنے جدامجد کی کتاب کے سبق کو بھولے ہوئے تھے ہی، یہود ونصاریٰ کے علماء و فقہاء نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں

---

[۱] اعلیٰ: ۱۸-۱۹۔ ابن حبان وغیرہ کی نقل کردہ حضرت ابوذر غفاریؓ کی ایک تفصیلی روایت میں سیدنا ابراہیمؑ کو ملنے والے صحیفوں کی تعداد دس اور اس کے مضامین کی نوعیت ضرب المثلوں کی بتائی گئی ہے۔ ساتھ ہی اس کے کچھ نمونے بھی پیش کیے گئے ہیں۔ اسی روایت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے نازل کردہ کل کتابوں میں توریت، انجیل، زبور اور قرآن کے علاوہ سو صحیفے مزید بتائے گئے ہیں۔ پچاس صحیفے حضرت شیثؑ، تیس صحیفے حضرت ادریسؑ، دس صحیفے حضرت ابراہیمؑ اور دس حضرت موسیٰؑ پر توارت سے قبل نازل کیے گئے۔ مزید تفصیل کے لیے مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی بحوالہ ملا علی قاری اور علامہ سیوطی: فضائل قرآن عکسی ص ۳۰-۳۱ مشمولہ تبلیغی نصاب عکسی جلد اول۔ ادارہ اشاعت دینیات، نئی دہلی (بدون سنہ)۔ اس روایت کا مسند احمد: ۵/۲۶۵، ۲۶۶، میمنیہ، مصر سے جس میں انبیاء کی کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی گئی ہے، کوئی ٹکراؤ نہیں۔ حضرات انبیاء کی تعداد استقصاء کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری بتا دی، صحف آسمانی کی تعداد اپنے مخاطبین کی رعایت سے انہی انبیاء کی نسبت سے بیان کی جن سے قوم عرب آشنا اور ان کے احوال سے باخبر تھی۔

اپنی من مانی تحریفات وترمیمات سے ان کے چہروں کو بری طرح داغدار اور ان کی اصل صورت کو کچھ سے کچھ بنا کر رکھ دیا تھا۔ ان کتابوں کی مقامی اور محلیاتی حیثیت اس کے علاوہ تھی جو خود اپنی چند در چند داخلی شہادتوں کے نتیجے میں ایک خاص زمانے اور اپنی خاص قوم کے لیے ہی اتاری گئی تھیں۔ اور ان کے صفحات میں صاف طور پر لکھا ہوا تھا کہ ان کا دور صرف اور صرف آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ہاتھوں آنے والی کتاب 'قرآن' تک کے لیے ہوگا جس کے اندر ان کی مفید باتوں اور تعلیمات کو آخری تکمیلی اضافوں کے ساتھ قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا جائے۔ خدا کی اس آخری کتاب کے بعد اس کے حکم کے مطابق اس کی پچھلی دوسری تمام کتابوں کا دور ختم ہو جائے گا اور دنیا و آخرت میں سرخ روئی اور اس کی خوشنودی اور رضا جوئی اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ساتھ اسی کتاب کی پیروی ضروری ہوگی۔ یہی وجہ ہے جو قرآن نے اپنے زمانہ نزول کے وقت ہی صاف لفظوں میں اس حقیقت کا اعلان کر دیا تھا کہ کفار ومشرکین عرب اپنی جگہ اہل کتاب یہود ونصاریٰ کے لیے بھی اس کتاب کے آجانے کے بعد راہ یابی اور ہدایت شناسی کی اس کے سوا دوسری صورت نہیں کہ وہ اپنی اپنی کتابوں پر ایمان کا حق ادا کرتے ہوئے، جو صاف وصریح صورت میں اپنے ماننے والوں کو بعد میں آنے والے پیغمبر اور اس کو ملنے والی کتاب پر ایمان لانے کا پابند کرتی ہیں' اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ اس آخری کتاب کا ایمان داری اور پوری خوش دلی کے ساتھ اقرار کریں۔ اس کے بغیر قرآن نے اہل کتاب یہود ونصاریٰ کے اپنی اپنی کتابوں توراۃ وانجیل پر عمل کے دعوے کو بالکل بے بنیاد قرار دیا۔ اگرچہ اس موقع پر اپنے محیط علم کے ذریعہ ان کے معاندانہ ردعمل کا تذکرہ بھی اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی کر دیا تھا:

قل یاَھل الکتب لستم علیٰ	(اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تمہارا
شئ حتی تقیموا التوراۃ والانجیل	سچائی اور حق سے کوئی واسطہ نہیں جب تک تم توراۃ
وماَ انزل الیکم من ربکم ط	اور انجیل پر پوری طرح عمل پیرا نہ ہو اور اس (آخری
ولیزیدن کثیرا منھم ما انزل	کتاب) پر عمل نہ کرو جو اب تمہارے رب کی طرف

الیک من ربک طغیانا وکفراً	سے تم تک اتاری گئی ہے لیکن ہوگا یہ کہ آپ
فلا تأس علی القوم الکافرین۝	کے رب کی طرف سے آپ پر جو چیز اتاری گئی
(مائدہ : ۶۸)	ہے، وہ ان میں سے بہتیروں کے لیے سرکشی
	اور کفر میں اضافہ کا ہی باعث بنے گی۔ تو
	(اے نبیؐ) ایسے کافر لوگوں کے لیے آپ کو
	فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔

اس سے پہلے ان اہل کتاب یہود و نصاریٰ پر دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی فراوانی کے استحقاق کے لیے بھی توراۃ و انجیل کے ساتھ آخری اتاری جانے والی کتاب قرآن۔ پر ایمان کو ضروری قرار دیا اس موقع پر بھی ساتھ ہی اس دعوت پر ان کے مختلف طبقوں کے ایسے ہی امکانی ردعمل کا تذکرہ ہے :

ولو انهم اقاموا التوراة والانجيل	اور اگر یہ لوگ تورات اور اس (آخری کتاب)
وما انزل الیهم من ربهم	پر جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے
لاكلوا من فوقهم ومن	اتاری گئی ہے، پوری طرح عمل کرتے
تحت ارجلهم ط منهم امة	تو ان کے لیے اپنے اوپر سے بھی اور اپنے
مقتصدة ، وكثير منهم ساء	نیچے سے بھی وسائل رزق کی فراوانی ہوتی۔
ما يعملون ۝	ان میں سے بس ایک گروہ راہ اعتدال پر ہے۔
(مائدہ : ۶۶)	جبکہ ان کی اکثریت کا حال ہے کہ بہت برا
	ہے جو یہ کرتے رہے ہیں۔

اسی سورہ میں اس سے بھی پہلے اپنے اپنے زمانے کے لحاظ سے توراۃ و انجیل کی مرجعیت کے بیان کے ساتھ آخری کتاب 'قرآن' کے آجانے کے بعد قیامت تک کے لیے دنیا کے دوسرے تمام انسانوں کے ساتھ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے لیے بھی تمام معاملات زندگی میں اسی کے مطابق فیصلے کو لازمی قرار دیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سلسلے میں کسی بھی قسم کی نرمی اور لچک کے خلاف متنبہ کرتے ہوئے، اس سے

ہٹ کر سابقہ کتب سماویہ سمیت فیصلے کی کسی بھی دوسری صورت کو قرآن نے جاہلیت کا فیصلہ قرار دیا جو خالق ارض و سما، احکم الحاکمین کو ہرگز ہرگز قابل قبول نہیں۔

وان احکم بینھم بمآ انزل اللہ ولا تتبع اھوآءھم واحذرھم ان یفتنوک عن بعض مآ انزل اللہ الیک ؕ فان تولوا فاعلم انما یرید اللہ ان یصیبھم ببعض ذنوبھم ؕ وان کثیرا من الناس لفسقون ○ افحکم الجٰھلیة یبغون ؕ ومن احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون ○ (مائدہ : ۴۹ - ۵۰)	اور (اے نبی) آپ ان (اہل کتاب) کے درمیان اب فیصلہ کیجئے اس (کتاب) کے مطابق جو اللہ نے آپ پر اتاری ہے اور ان سے چوکنے رہئیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ نے جو چیز آپ پر اتاری ہے اس کے کسی حصے پر عمل درآمد سے یہ آپ کو باز رکھنے کا سبب نہ بن جائیں۔ تو اگر اس کے بعد یہ لوگ روگردانی کی راہ اپناتے ہیں تو آپ سمجھ لیجئے کہ اللہ ان کے بعض کرتوتوں کے سبب انھیں مبتلائے عذاب کرنا چاہتا ہے اور بات یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ نافرمان ہیں۔ تو کیا پس یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، حالانکہ اللہ سے بڑھ کر بہتر فیصلہ اور کس کا ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ انہی لوگوں کے حق میں ہو سکتا ہے جو بات کو ماننے کے لیے آمادہ ہوں۔

اور اسی سورہ میں اہل کتاب کو خطاب کر کے صاف صاف کہہ دیا گیا تھا کہ اس آخری کتاب کے آجانے کے بعد سلامتی کی راہ اور دنیا و آخرت کی نسبت سے سیدھے راستے کے پانے کی کوئی توقع ہے تو وہ اسی کی مخلصانہ پیروی سے ممکن ہو سکتی ہے:

یٰٓاھل الکتب قد جآءکم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم	اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا ہے جو تمہارے سامنے ان بہت

تخفون من الکتٰب ویعفوا عن	سی باتوں کو کھول کر بیان کرتا ہے جو تم
کثیر قد جاءکم من اللہ نور	(اپنی) کتاب میں سے چھپاتے تھے۔
وکتٰب مبین ۝ یھدی بہ اللہ	اس کے باوجود وہ بہت سی باتوں کو نظر
من اتبع رضوانہ سبل السلٰم	انداز کرتا ہے۔ بلاشبہ اب تمہارے پاس
ویخرجھم من الظلمٰت الی	اللہ کی طرف سے روشنی اور ایک کھلی ہوئی کتاب
النور باذنہ ویھدیھم الیٰ	آگئی ہے۔ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں
صراط مستقیم ۝	کو جو اس کی خوشنودی کے راستے پر چلنا چاہیں
(مائدہ : ۱۵ ـ ۱۶)	سلامتی کے راستوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے
	اور انھیں اپنی رضی کے مطابق تاریکیوں سے
	نکال کر اجالے میں لے آتا ہے اور ان کی سیدھے
	راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

دوسرے موقع پر کوہ طور پر حضرت موسیٰؑ کی دعا کے تسلسل میں قیامت تک کے لیے ان کے پیروؤں میں رحمت خداوندی کا مستحق صرف انہی لوگوں کو قرار دیا جو تورات و انجیل کی بشارت کے مطابق آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ساتھ ان کو ملنے والی روشنی خدا تعالیٰ کی آخری کتاب 'قرآن' کی سچے دل سے پیروی اختیار کریں گے۔

..... قال عذابی اصیب بہ من	..... فرمایا کہ جہاں تک میرے عذاب کا
اشاءُ ورحمتی وسعت کل شیءٍ	سوال ہے تو اس سے میں انھیں لوگوں کو
فساکتبھا للذین یتقون ویؤتون	دوچار کروں گا جنھیں کہ چاہوں گا۔ البتہ
الزکوٰۃ والذین ھم بایٰتنا یؤمنون	میری رحمت ہر چیز کو اپنے احاطے میں لیے
الذین یتبعون الرسول النبی	ہوئے ہے۔ تو اسے میں لکھوں گا ان لوگوں
الامی الذی یجدونہٗ مکتوبا	کے حق میں جو (دنیا میں مجھ سے) ڈر کر رہیں گے
عندھم فی التوراۃ والانجیلُ	اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور میری آیتوں پر دل
...... فالذین اٰمنوا بہ	سے ایمان لائیں گے۔ یہی لوگ ہوں گے

وعزروه ونصروه واتبعوا النور الذی انزل معہ اولٓئک ھم المفلحون ○	جو (بعد کے زمانے میں) امی نبی رسول کی پیروی اختیار کریں گے۔ جس کے کہ احوال کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو اب جو لوگ اس پر ایمان لائیں گے، اس کو قوت فراہم کریں گے، اس کی مدد کریں گے، ساتھ ہی اس روشنی (قرآن) کی پیروی کریں گے جو کہ اس کے ساتھ اتاری گئی ہے تو یہی لوگ ہیں جو دنیا و آخرت کی کامیابیوں سے ہمکنار ہوں گے۔
(اعراف : ۱۵۷)	

آیات کریمہ کا یہی سلسلہ ہے جس کے بعد ہی قرآن اپنی آفاقیت کے ساتھ اپنے لانے والے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی آفاقیت کا اعلان کرتا ہے :

قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السموٰت والارض لا الٰہ الا ھو یحی ویمیت فآمنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی یومن باللہ وکلمتہ واتبعوہ لعلکم تہتدون ○	(اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ اے دنیا والو! میں تم تمام لوگوں کے پاس اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں جس کے لیے ہی تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ تو تم ایک اللہ پر اور اسکے رسول امی نبی پر ایمان لاؤ جو کہ خود اللہ پر ایمان لاتا اور اس کی باتوں کا یقین رکھتا ہے اور تم اس کی بے چون و چرا پیروی اختیار کرو۔ اس کے ذریعہ تمہارے لیے ھدایت کی راہ آسان ہو سکتی ہے۔
(اعراف : ۱۵۸)	

حجیت قرآن کے دلائل :

'ختم نبوت' کی طرح 'حجیت قرآن' کے سلسلے میں بھی خاص طور پر برادران وطن کے ذہنوں میں یہ سوال ضرور پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر اس کے دلائل کیا ہیں؟ اور دوسری تمام آسمانی کتابوں کے بجائے قیامت تک کے لیے اور دنیا کے تمام انسانوں کی نسبت سے دنیا و آخرت کی کامیابی اور روز محشر اپنے خالق و مالک کی رضامندی کے لیے تنہا اسی کتاب کی پیروی کیوں ضروری ہے؟۔ اسلام کے ایک داعی کی حیثیت سے ہمارے لیے اس اشکال کا رفع کرنا ضروری ہے۔ ذیل میں ہم غیر مسلم دنیائے انسانیت کے اسی امکانی اشکال کو رفع کرنے کی کوشش کریں گے۔

پہلی دلیل :

۱۔ قرآن کے منزل من اللہ اور رہتی دنیا تک کے لیے اس کے واحد ذریعہ نجات ہونے کی پہلی دلیل تو وہی اس کے لانے والے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال سچائی اور امانت داری ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے داغ زندگی کے بالکل فطری اور بدیہی تقاضے کے طور پر ہم نے کسی چون و چرا کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کا آخری نبی اور آخری رسول تسلیم کر لیا، جس کے بغیر دنیا کی زندگی کی کامیابی و ناکامی اپنی جگہ، دوسری دنیا کی کامیابی اور حق تعالیٰ کی خوشنودی و رضامندی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، تو اس سے آپ میں آپ یہ بات نکل آئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں آئی ہوئی اللہ تعالیٰ کی کتاب بالکل آخری (FINAL) حیثیت کی حامل ہوگی جس سے ہٹ کر زندگی میں ہدایت و رہنمائی اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی مرضی و منشا کے مطابق زندگی گزارنے کے حق ادا کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

دوسری دلیل :

۲۔ اسی سے ملحق 'حجیت قرآن' کی دوسری دلیل یہ کہ تورات، انجیل اور زبور سمیت دوسری تمام ممکنہ آسمانی کتابوں میں، تنہا اس کتاب کے علاوہ دوسری کوئی کتاب اپنے تئیں خدا تعالیٰ کی آخری کتاب ہونے کی دعوے دار نہیں جس طرح قرآن میں مذکور حضرات انبیاء علیہم السلام،

اسی طرح ان کی طویل سے طویل ممکنہ فہرست میں دنیا کے چپے چپے پر پھیلے ہوئے دینیات والہیات کے وسیع و عریض لٹریچر کے مسلمہ ریکارڈ کے مطابق آخری نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا قابل لحاظ طور پر 'ختم نبوت' کا کوئی دوسرا دعوے دار نہیں۔ حجیت قرآن' (Finality of the Quran) کا بھی یہی معاملہ ہے کہ قرآن کی صراحت کردہ مذکورہ کتب سماوی سا تھ ہی ممکنہ کسی دوسری آسمانی کتاب میں اپنے تئیں ایسے کسی دعوے کا دور دور تک کوئی نشان نہیں کہ خدا تعالیٰ کا الہام کردہ ھدایت و رہنمائی کا یہ آخری صحیفہ ہے جس کی پیروی اختیار کیے بغیر دنیا و آخرت کی کامیابی اور حق تعالیٰ کی خوشنودی و رضامندی کی دوسری کوئی صورت نہیں۔ جب فہرست انبیاء میں اس مقصد کے کسی دعوے دار نہ ہو کر آخری پیغمبر کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلامقابلہ انتخاب کے سوا دوسرا چارہ کار نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں آنے والی اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب 'قرآن' کا بھی یہی معاملہ ہے کہ اپنی ہم جنسوں میں بھی کسی ایک کے اس مقصد کے مدعی نہ ہونے کی صورت میں اس حیثیت سے بلامقابلہ اسی کتاب کا انتخاب ضروری ہے۔

تیسری دلیل:

۳۔ اس کتاب کی صداقت و حجیت کے چند در چند دوسرے داخلی و خارجی شواہد اس کے علاوہ ہیں۔

(الف) انہی میں سے ایک چیز یہ کہ نبوت کے بعد چالیس سال کی عمر میں اس کے لانے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر اس کے کلمات کسی پیشگی تیاری اور کسی علمی پس منظر کے بغیر اچانک اور یک بیک جاری ہوئے۔ جبکہ تاریخ کی شہادت ہے اور تجربے سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ قرآن کے رتبے کا کلام طویل علمی ریاض اور مجاہدے کے تسلسل میں ہی پیش کیا جا سکتا ہے۔ چالیس کی عمر سے کسی بڑے کام کا آغاز ایسے کسی شخص کے ہاتھوں ہی انجام پایا ہے جس نے کہ اس سے پہلے کے اپنے بیس پچیس سال کے زمانے کو اسی کی تیاری میں لگایا ہو اور ہر طرف سے کٹ کر اپنے آپ کو اسی کے لیے یکسو کر لیا ہو حالانکہ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں صورت معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہ حقیقت اس پر مستزاد کہ اُس وقت کی روایتی اور سکہ بند اھل علم برادری اہل کتاب

یہود و نصاریٰ کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عرب قوم کے اندر ہوئی جو بجا طور پر ان کے مقابلے میں ان پڑھ یا بے پڑھی (امیین) تھی[1] اور اس کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان پڑھے یا بے پڑھے 'امی' تھے۔ جیسا کہ قرآن نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لقب سے یاد بھی کیا ہے۔ اس نسبت سے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور بھی جبکہ آپ توراۃ و انجیل سے بڑھ کر کلام پیش فرما رہے تھے، قبل از نبوت علمی ریاض و مجاہدے کی ضرورت تھی۔ جبکہ صورت حال یہ ہے کہ تاریخ کا پورا ریکارڈ اس کے برعکس اور تمام تر شواہد اس کے خلاف ہیں۔

ب: اسی تسلسل میں یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ قرآن جیسے بلند پایہ کلام کا ظہور تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ہو رہا ہے، لیکن خود اس کا کوئی کریڈٹ نہ لے کر اس کا تمام تر کریڈٹ آپؐ اس کے اتارنے والے اور جبریل امین کے ذریعہ اسے آپؐ کے قلب پر کرنے والے خدائے علیم و حکیم کے لیے مخصوص رکھتے ہیں۔ قرآن کے صفحات اس اعلان و اعتراف سے بھرے ہوئے ہیں کہ اس کلام کے تیار کرنے اور اسے لوگوں

---

[1] عرب قوم کے لیے قرآن کے استعمال کردہ لفظ 'امیین' (جمعہ: ۲) کی صحیح توجیہہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ عربوں کے لیے یہ بات قرآن نے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے مقابلے میں کہی ہے جو دینیات کے علم کے اجارہ دار ہونے کے ناطے غیر اہل کتاب اور غیر اسرائیلیوں کو اپنے سے فروتر ساتھ ہی انھیں جاہل اور ان پڑھ کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ (آل عمران: ۷۵) سے یہی حقیقت سامنے آتی ہے جس میں توراۃ کی صراحت کے مطابق یہود غیر اسرائیلیوں کو 'امی' قرار دے کر ان کے ہر طرح کے استحصال کو اپنے لیے عین روا تصور کرتے تھے۔ (تفصیل کے لیے ہماری کتاب اسلام کا تصور مساوات، باب اول، یہودیت کی بحث ص ۳۸۔۴۲) اس کی روشنی میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے 'امی' ہونے کی بھی صحیح توجیہہ یہی ہے۔ عربوں کے 'امی' ہونے کی نسبت سے یہ مروجہ خیال کہ قبل از اسلام ان کے ہاں گنتی کے لوگ ہی لکھنے پڑھنے سے آشنا تھے، قرآن کے چند در چند داخلی شواہد تو اس کے خلاف ہیں ہی، دستیاب ریکارڈ تاریخ سے بھی اب اس کی غلطی بے نقاب ہو چکی ہے۔

کے رد و پیش کرنے میں اس کے لانے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی کردار نہیں۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سر تا سر اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے کہ اس نے آخری طور پر نبوت کے عظیم منصب کے لیے آپ کا انتخاب کیا اور اس کے نتیجے میں آپ کو اس عظیم الشان کتاب سے نوازا جو رہتی دنیا تک کے لیے انسانیت کا آخری سہارا اور دنیا و آخرت میں اس کی کامیابی کی ایک ہی ضمانت ہے۔ نبوت سے پہلے آپؐ کو دینیات و الٰہیات کے مطالب سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ یہ محض رحمت خداوندی کا کرشمہ ہے کہ آپؐ کی معرفت خدا تعالیٰ کا یہ پیغام قیامت تک کے لیے اس کے تمام بندوں کے نام پہنچ رہا ہے۔ جبکہ علمی دنیا کی معروف روایت ہے کہ اپنے تو اپنے بڑے بڑے لوگ دوسروں کے کام کو بھی اپنے کھاتے میں ڈال لینے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے۔ اس روایت سے ہٹ کر آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بے لوثی اس کتاب کے من جانب اللہ اور منزل من اللہ ہونے کی ناقابل تردید شہادت ہے۔

(ج): پھر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ نزول قرآن کے تئیس ۲۳ سالہ طویل عرصے میں متعدد بار ایسے وقفے آتے ہیں جبکہ خدائی مصلحت سے ایک خاص عرصے کے لیے نزول وحی کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ وقفے بہت شاق گذرتے ہیں کہ مخالفتوں کے طوفان میں اپنے مولیٰ سے ہم کلامی ہی اس کا واحد سہارا اور اس کی تسکین و اطمینان کا تنہا وسیلہ ہوتا ہے۔ دعوت اسلامی کے مخالفین کی طرف سے اس صورت حال کا جس طرح استحصال کیا جاتا ہے وہ الگ سے سوہان روح ہے۔ طعنوں کی بارش ہوتی ہے اور طنز و تعریض کے چرکے لگائے جاتے ہیں۔ اچھے خدا سے واسطہ ہوا ہے جو مصیبت کی گھڑی میں اس طرح ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ شاید خدا کی طرف سے ناراضگی چل رہی ہے جو انھوں نے صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بے رخی اختیار کر رکھی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مخالفین دعوت کے یہ تمام طعنے سنتے ہیں اور اس کی ناقابل بیان تکلیف کو برداشت کرتے ہیں لیکن دشمنوں کو خاموش کرنے اور معترضین کے منہ کو بند کرنے کے لیے اپنے جی سے ایسا کوئی کلام پیش کرنے کی کوشش کرنے کے

بجائے، ان کے روبرو صاف اپنے عجز و درماندگی کا اعتراف کرتے ہیں اور کھلے لفظوں میں اس حقیقت کا اعلان کرتے ہیں کہ اس کتاب کی تصنیف میں میرا کوئی حصہ نہیں، اسی کا تو مولائے کائنات کی طرف سے میرے اوپر الہام ہوتا ہے، وحی ربانی کا سلسلہ جب بحال ہوگا، اس کا کوئی حصہ میں اسی وقت پیش کرسکوں گا۔ طعن و تشنیع کے جتنے تیر بھی مجھ پر برسائے جائیں خدا کے کلام میں اپنے جی کے کوئی اضافہ کرنے سے میں یکسر قاصر اور معذور ہوں۔ قرآن کی صداقت و حجیت کے سلسلے میں کیا یہ کوئی معمولی بات ہے جسے بالکل نظر انداز کرکے آگے بڑھ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

چوتھی دلیل:

۴۔ حجیت قرآن کی چوتھی دلیل اس کی بے مثال ادبیت اور لسانی سحر انگیزی ہے۔ زندہ زبان ہونے کے باوجود تاریخی پس منظر میں آج یورپ کی بعض زبانوں کو عربی زبان پر کسی قدر فوقیت (upper hand) حاصل ہونے کی بات کہی جاسکتی ہے۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے اپنی فصاحت و بلاغت اور دوسری بے شمار لسانی خصوصیات کے باعث اس کو دنیا کی تمام زبانوں پر برتری حاصل ہے۔ اور عربی زبان کو بجا طور پر دنیا کی تمام زبانوں کی ماں 'ام الالسنۃ' (MOTHER OF THE TONGUES) کہا گیا ہے اور اس کے اہل زبان اپنی قوم 'عرب' کے علاوہ دنیا کی دوسری تمام قوموں کو 'عجم' گونگا کے لفظ سے یاد کرتے ہیں تو یہ بھی کوئی تعلی نہیں بلکہ بالکل حقیقت واقعہ کا اظہار ہے۔ جو بلا کی تاثیر اور زبان کی وسعت اور اس کا شکوہ اس زبان میں پایا جاتا ہے، السنہ عالم میں کسی اور زبان میں اس کی نظیر نہیں۔ پھر زمانہ نزول قرآن میں جس طرح عرب قوم اپنی دوسری خصوصیات و امتیازات کے لحاظ اقوام عالم میں بالکل یکتا و منفرد تھی جس کے باعث آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور ان کے ذریعہ دین حنیفی کی تجدید کے لیے اس قوم کا انتخاب عمل میں آیا، تاریخ کے اس مرحلے میں زبان کی ترقی اور اس کی زور آوری کے پہلو سے بھی اس کا یہ زمانہ اسی طرح ممتاز اور منفرد تھا۔ گردش لیل و نہار کا یہی موڑ ہے جس میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر چالیس سال کی عمر میں ان کی سابقہ زندگی کی روایات سے بالکل ہٹ کر

یک بیک اس لاہوتی کلام کا اجراء ہوتا ہے۔ تاریخ کے مسلمہ ریکارڈ کی شہادت ہے کہ نبوت سے قبل کی زندگی میں اس وقت کے غالب کلام کی نسبت سے بحیثیت شاعر یا خطیب کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی شناخت نہ تھی۔ یہ صحیح ہے کہ اس وقت کی عرب روایت میں کچھ خال خال لوگ روایتی مشق وتمرین کے مرحلے سے گذرے بغیر اچانک اپنے سکوت کو توڑتے ہوئے شاعری اور زبان دانی کا جوہر دکھانے لگتے تھے۔ ایسے ہی لوگوں کو اس زبان میں 'نابغہ' کے لفظ سے یاد کیا جاتا تھا جو 'نبغ نبغۃ واحدۃ' کے مصداق یک بیک دفعۃً اپنی حیران کن خطابت یا شاعری سے ماحول میں تہلکہ مچا دیتے تھے۔ لیکن محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر پیش ہونے والا کلام، جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے، معروف خطابت وشاعری سے بہت کچھ مختلف ایک بالکل دوسری ہی چیز تھی، جس نے عقلوں کو حیران اور بڑے بڑے زبان آوروں کو اپنے روبرو گونگا بنا کر رکھ دیا تھا۔ قرآن کے ذریعہ پیش ہونے والے پیغام حق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم 'عرب' کو جو پریشانی تھی اس کی تفصیل سے تاریخ کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔ اس نے ان کے دن کے چین اور رات کے سکون کو غارت کر رکھا تھا۔ عرب قوم کی شرک وبت پرستی اور دین براہیمی سے ان کی منحرف زندگی کے خلاف سخت ترین محاذ کھول کر قرآن نے مکے کے اندر ایسی ہنگامہ خیز صورت پیدا کر دی تھی جس نے اسی پوری قوم کو سرتاپا اضطراب میں تبدیل کر دیا تھا۔ قرآن کی آواز پر بیٹا باپ سے نبرد آزما تھا اور بیوی شوہر سے جدا ہو رہی تھی۔ قوم کا روایتی اتحاد بالکل خطرے میں پڑ گیا تھا، اور اس کی عظمت رفتہ کے فوت ہو جانے کا خوف اسے کھائے جا رہا تھا۔ ادھر کتاب اللہ کی اثر انگیزی کا عالم یہ کہ اسلام کا کلمہ پڑھ لینے والے لوگ تو اس کی عظمت اور بے مثال ادبیت سے متاثر ہو کر اپنی شاعری کو خیرباد کہہ ہی رہے تھے[1] مخالفین دعوت

---

[1] شعرائے سبعہ معلقہ میں امتیازی مرتبہ کے حامل جناب لبید جن کے ایک شعر پر ایک موقع پر عکاظ کے بازار میں وقت کے تمام شعراء ان کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے تھے، اسلام لانے کے بعد قرآن کے سامنے انھوں نے شعر گوئی بالکل ترک کر دی تھی۔ یہاں تک کہ ایک موقع پر سیدنا فاروق اعظم رضؓ نے ان سے شعر کی فرمائش کی تو اس کے جواب

میں بھی جس کے کان میں اس کی آواز پڑجاتی وہ اس کے روبرو اپنے دل کی بازی ہار جاتا تھا[1]۔ دعوت اسلامی کے زور سے اس کے حریفوں کے جانی و مالی نقصان کے بوجھ کے لگ رہے تھے اور عرصۂ حیات تنگ ہوکر قرآن کے لفظوں میں زمین کی پہنائی ان کے حق میں سکڑتی جارہی تھی، جس سے جزبز ہوکر قرآن کی آواز کو دبانے اور اس کے حاملین کو نیچا دکھانے کے لیے وہ ہر طرح کے حربے استعمال کر رہے تھے اور اس کے لیے اپنا ایڑی چوٹی کا زور صرف کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھے ہوئے تھے، کشمکش کے اسی نقطۂ عروج (CLIMAX) میں قرآن اپنی حقانیت کے ثبوت میں اسی زبان اور قوم کے سامنے اپنا یہ چیلنج پیش کرتا ہے کہ ساری نزاع کا فیصلہ ہوجاتا ہے اگر تم اس کلام کو اللہ کا کلام ماننے کے لیے تیار نہیں ہو تو کیا جاتا ہے، اس کے بالمقابل اسی جیسا کلام پیش کردو[2]، قرآن کی دعوت اپنے آپ میں بے اثر ہوکر

= میں فرمایا کہ: سورۂ بقرہ اور آل عمران جیسے عالی مرتبت کلام کے بعد اب شعر و شاعری میں لگنا کچھ اچھا نہیں لگتا۔ ماکنت لاقول شعرا بعد أن علمنی اللہ البقرہ وآل عمران (الاستیعاب لابن عبدالبر: ۳/۳۰۹، مصر ۱۳۵۸ھ) اللہ نے مجھ کو بقرہ اور آل عمران جیسی چیز کا علم عطا فرمادیا ہے تو اس کے بعد میرا شاعری کرنا کچھ مجھ کو جنچتا نہیں ہے۔

[1] مشہور دشمن اسلام مکے کے سردار ولید بن مغیرہ کا واقعہ جس کے سامنے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے ایک حصہ کی تلاوت کی تو وہ اپنے اوپر طاری ہونے والی رقت کو چھپانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ بعدازاں اشعار عرب اور اس کی متنوع صنفوں سے اپنی گہری واقفیت کے حوالہ سے اس نے کلام الٰہی کو ان سے مختلف بتایا۔ ساتھ ہی قرآن کی غیر معمولی شیرینی اور تازگی کے اعتراف کے ساتھ اس نے مستقبل میں اس کے بے مثال غلبے اور فتح مندی کی بھی پیش گوئی کردی تھی۔ وواللہ ان لقولہ حلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ، وانہ لمثمر اعلاہ، مغدق اسفلہ، وانہ لیعلو ولا یعلی وانہ لیحطم ما تحتہ۔ (السیرۃ النبویۃ لابن کثیر: ۱/۴۹۹۔ دار المعرفۃ، بیروت ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۲ء تحقیق: مصطفیٰ عبدالواحد نیز: الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی: ۲/۱۱۷، مطبوعہ ازہریہ، مصر ۱۳۲۲ھ ۱۹۴۳ء، طبعہ ثانیہ)۔ ہاں بخدا جو قول کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں اس میں شیرینی اور بے مثال تازگی ہے۔ اس کی شاخیں ثمربار اور اس کی جڑوں میں بے مثال شادابی ہے اور بالیقین ایک نہ ایک دن وہ سب پر چھا کر رہے گا۔ اسے کوئی دبانے میں کامیاب نہیں ہوسکے گا بلکہ اس کے پیروں تلے جو چیز بھی آئے گی وہ اسے روند کر رکھ دیگا۔

[2] اس سلسلے میں قرآن نے سب سے پہلے تو اصل کلام کو مطلق اپنے جیسا کلام لا پیش کرنے کا چیلنج دیا: (طور: ۳۴) =

تم کو اپنی تمام پریشانیوں سے نجات مل جاتی ہے لیکن قرآن کے اس چیلنج کے جواب میں فصاحت و بلاغت میں عرب کی یہ یکتائے زمانہ قوم زمانۂ نزولِ قرآن کے پورے تیئیس سال اور اس سے متصل بعد کے جزیرۃ العرب سے کفر و شرک کے استیصال کے پورے عرصے میں بالکل ساکت و صامت رہی اور قرآن کے جوڑ کے کلام کو پیش کرنے سے وہ یکسر درماندہ اور عاجز رہی۔ تو جب حالات کے اس شدید ترین دباؤ اور اس کے بعد اسباب و وسائل کی بدرجۂ اتم فراہمی کے باوجود اس کے لیے اس چیلنج کا جواب دینا ممکن نہ ہو سکا تو بعد کے ادوار کے لیے تو اس کے جواب کا امکان اور بھی کم سے کمتر ہو گیا اور برائے نام غیر مسلم عرب تعداد کی نسبت سے آج تک یہ چیلنج اسی طرح اپنے جواب کے بغیر جوں کا توں زندہ اور برقرار رہے۔ پھر ایک زبان کی حامل اہل تر قوم کی طرف سے اس کا مثیل فراہم کیا جانا ناممکن بنا رہا تو قیامت تک کے لیے دوسری تمام قوموں اور جملہ زبانوں کی نسبت سے اس عجز و درماندگی کا ثبوت خود بخود فراہم ہو گیا۔

۵۔ کتاب اللہ کی حجیت اور اس کی معجز بیانی کا دوسرا پہلو اس کے مضامین اور اس کی ہمہ گیر و ہمہ جہت تعلیمات اور اس کے فراہم کردہ بے مثال نظامِ زندگی کی تفصیلات اور اس کے چند در چند پہلوؤں کی تشریحات و توضیحات میں مضمر ہے۔ واقعہ ہے کہ آج بدقسمتی سے اس ملک میں ایک خاص تاریخی پس منظر میں اسلام اور اس کی نمائندہ کتابِ الٰہی کو ایک مخصوص عینک سے دیکھا

= بعد ازاں ان کے سامنے دس سورتوں کا چیلنج رکھا (ہود: ۱۳) اس لیے کہ کسی چیز کی قابل لحاظ تعداد کا اس سے کم پر تصور نہیں ہے۔ اس سے بھی وہ عاجز و درماندہ رہے تو کم سے کم سطح پر اتر کر اس نے انھیں اپنے جیسی ایک سورہ ہی پیش کرنے کا چیلنج رکھا (البقرہ: ۲۳) لیکن اس سب کے جواب میں جب ان کی طرف سے مکمل خاموشی اور سکوت ہی رہا تو اس نے صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ تمام کے تمام انسان اور جن مل کر بھی اگر اس جیسا کلام پیش کرنا چاہیں تو اس میں ہرگز ہرگز انھیں کامیابی نصیب نہ ہو سکے گی۔ قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھٰذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا o (بنی اسرائیل: ۸۸) (اے نبیؐ) آپ صاف کہہ دیجیے کہ اگر تمام کے تمام انسان اور جنات مل کر بھی اس جیسا قرآن پیش کرنا چاہیں تو وہ اسے پیش نہ کر سکیں خواہ ان میں سے ایک دوسرے کی مدد اور اعانت میں کسی قسم کی کسر باقی نہ رہنے دیں۔ مزید تفصیل کے لیے: الاتقان فی علوم القرآن: ۲/ ۱۱۷۔ محولہ بالا۔

جارہا ہے، ورنہ خدا تعالیٰ کی توفیق سے اگر برادران وطن اس کتاب کا ہمدردانہ مطالعہ کرسکیں اور اس سے ابھرنے والے نظام زندگی کے خدوخال قومی اور گروہی عصبیتوں سے بلند ہو کر دیکھ سکیں، تو ان کے لیے کتاب اللہ کی حقانیت کو تسلیم کرانے کے لیے یہ چیز خود بخود کافی ہو، اس کے لیے کسی دوسرے دلائل وشواہد کی کوئی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ اس کتاب کے ذریعہ انسانی زندگی کی جو مثالی تشکیل عمل میں آتی ہے اور اس کے لیے فلسفے اور قانون کی دوگونہ ضرورت کی جس اعلیٰ ترین صورت میں تکمیل ہوتی ہے وہ آپ میں آپ اس کتاب مبین کے برحق اور منزل من اللہ ہونے کی واضح ترین شہادت ہے۔ عقائد وعبادات سے لے کر، معیشت، معاشرت، سیاست اور بین الاقوامی تعلقات تک انسانی زندگی کے جملہ امور و مسائل سے متعلق کتاب اللہ میں جو اصولی ہدایات ملتی ہیں، جن کی مزید توضیح وتشریح اس کے لانے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال سے ہوتی ہے جسے 'سنت' کے جامع نام سے جانا جاتا ہے، بعد کے مرحلے میں جس کے دیگر متعلقہ مسائل ومعاملات کی تفصیلات اس امت کے ائمہ وفقہاء نے فراہم کی ہیں اور جس کا سلسلہ صدر اول سے لے کر آج تک اسی طرح قائم وبرقرار ہے، اسلام اور اس کی نمائندہ کتاب الٰہی کی صداقت وحقانیت کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ موجودہ ہندوستان میں اسلام کی نمائندگی صحیح معنوں میں اپنے دین سے بہت دور اس امت کے ذریعہ اور اس کی شریعت کی ترجمانی مسلمانوں کے پرسنل لا کے حوالہ سے ہوتی ہے جس کی نمائندگی عام طور پر مسلمانوں کے اس طبقے کی طرف سے ہوتی ہے جو اسلامی شریعت کی باریکیوں سے کماحقہ واقف نہ ہو کر اس کے تئیں پوری طرح مخلص اور یکسو بھی نہیں، اور جو لوگ شریعت کے واقعی واقف کار اور اس کے لیے یکسو اور مخلص ہیں، رابطے کی کمی اور ابلاغی خلا (communication gap) کے باعث برادران وطن کے سمجھدار اور انصاف پسند طبقے تک ان کی بات نہ پہنچ کر، دعوتی اجنبیت اور دوری کی ایک عجیب وغریب صورت حال قائم ہے جس میں اپنی بے بسی اور بے چارگی کے ساتھ شدید ترین ذہنی اضطراب اور بے چینی کا احساس ہوتا ہے۔ کاش کہ یہ صورت حال تبدیل ہو کر قرآن کی دعوت اپنی تمام تابانیوں کے ساتھ برادران وطن تک پہنچ سکے اور

اس سے ابھرنے والے نظامِ زندگی کے خدوخال اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ سامنے آسکیں تو آج 'وحدتِ ادیان' کی بھول بھلیوں سے نکل کر اس کے لیے اسلام کے 'ختمِ نبوت اور حجیت قرآن' کے دعووں کو تسلیم کرنے میں کوئی تحفظ اور رکاوٹ نہ ہو۔ لسانی اعجاز کے ساتھ کتاب اللہ کا فکری اور علمی اعجاز بھی اپنی اثر انگیزی میں اس سے کم نہیں۔ اس کی حامل امت اس کی جلوہ نمائی کا حق ادا کر سکے تو غیر مسلم انسانیت کے لیے اس کی دعوت خود اس کے اپنے دل کی آواز محسوس ہو، اور آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اس کتاب کی صداقت و حقانیت کے تسلیم کرنے میں اسے کوئی تامل نہ رہے۔[1]

پورے سلسلۂ رسالت و نبوت پر ایمان:

'وحدت ادیان' کے مروجہ ہندی فلسفے کا اگر کوئی مفاد ہو سکتا ہے تو وہ یہی کہ اس کے

---

[1] حجیت قرآن کی اس بحث کو اسلامی لٹریچر میں 'اعجاز القرآن' کی معروف بحث سے جانا جاتا ہے۔ ہماری اس گفتگو میں اسی عنوان سے سیوطی کی 'الاتقان' اور اس کے حاشیے علامہ ابوبکر باقلانی کی 'اعجاز القرآن' سے استفادے کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ اصل بحث کے لیے: الاتقان فی علوم القرآن: ۲/۱۱۶ - ۱۲۵، باقلانی کے لیے حوالہ سابق صفحات ۴۶ تا ۱۵۷، اس موقع پر حجیت قرآن کے مسئلے پر ہم نے ایک خاص پہلو سے بحث کی ہے۔ قرآن کے من جانب اللہ اور منزل من اللہ ہونے کے دوسرے دلائل کی تفصیل کے لیے دیکھیے مولانا صدرالدین اصلاحی کی کتاب 'قرآن مجید کا تعارف' صفحات ۱۱ تا ۴۴، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند، دہلی، بار اول ۱۹۹۳ء نیز: مولانا سید جلال الدین عمری کی کتاب 'خدا اور رسول کا تصور اسلامی تعلیمات میں' صفحات ۱۴۹ تا ۱۷۰، جس میں 'اعجاز القرآن' کے ساتھ اسلام میں 'معجزات' کے مسئلے کا بھی احاطہ ہے، محولہ بالا۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی کتاب کے خاکسار کے ترجمے 'دعوت دین کے علمی تقاضے' میں بھی اس مسئلہ پر مفید بحث ہے، صفحات ۱۲۳ تا ۱۴۳، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، بار اول ۱۹۹۲ء سائنسی معلومات کے پہلو سے اعجاز قرآنی کی رونمائی کے لیے استاذ محمد علی صابونی کا مضمون 'قرآن کا سائنسی معجزہ'، ترجمہ از مولانا غیاث الدین سلفی، جو مولانا اصلاحی کی مذکورہ کتاب کے اس پہلو کی بحث پر بعض بہت اچھے اضافے کرتا ہے، مطبوعہ ماہنامہ 'آثار جدید' مئو، جون ۱۹۹۰ء مطابق ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ۔

ذریعہ صرف کسی ایک مذہب کی صداقت وحقانیت پر اصرار نہ کرتے ہوئے تمام مذاہب کے یکساں اعتراف وتصدیق کے ساتھ مذہبی کشادگی و رواداری کی اچھی مثال قائم ہوتی ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اپنے واقعی پس منظر میں مذہبی کشادگی و رواداری کا حق بھی 'اسلام' کے ذریعہ ہی ادا ہوتا ہے۔ پچھلے مباحث کی روشنی میں مذہبی کشادگی و رواداری کا یہ مطلب کبھی بھی درست نہیں ہو سکتا کہ حق و ناحق اور صحیح و غلط کے کسی فرق و امتیاز کے بغیر دنیا میں موجود سیکڑوں اور ہزاروں مذاہب کو جوں کا جوں صحیح اور برحق تسلیم کر لیا جائے جبکہ ان میں کچھ اپنی اصل وابتدا (ORIGIN) کے لیے خدائی سرچشمے کے معترف ہیں تو بہت بڑی تعداد میں وہ مذاہب ہیں جو اِدھر اُدھر سے کتر بیونت کر کے کچھ انسانوں کے ایجاد کردہ ہیں، جن کی کل شناخت انہی لوگوں سے قائم ہے اور ان سے ہٹ کر ان کی کوئی انفرادیت اور تشخص نہیں ہے۔ اسلام 'مذہب' کے ساتھ اس صریح ناانصافی اور زیادتی کو اپنے لیے بالکل ناقابل قبول قرار دیتے ہوئے اس کی تشکیل کے حق کو خالق کائنات کا مخصوص حق امتیازی (PRE-ROGATIVE) تسلیم کرنے پر اصرار کرتا ہے، جس سے اپنے آپ میں لازم آتا ہے کہ ابتدائے آفرینش سے اس سلسلے کی تکمیل تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کی رہنمائی اور انھیں راہِ حق دکھانے کی خاطر جتنے انبیاء اور رسول بھی بھیجے گئے اور انھیں اپنے اپنے زمانے کے لیے جو کتابیں بھی دی گئیں، اسلام کسی کم وکاست کے بغیر اس پورے سلسلۂ نبوت و رسالت کی صداقت وحقانیت کا کھلے بندوں اعتراف کرے۔ اسلام نہ صرف یہ کہ اس پورے سلسلۂ رسالت ونبوت کا اعتراف کرتا ہے بلکہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے اور اس میں باقی رہنے کی اسے اولین شرط قرار دیتا ہے۔ کتاب ھدایت میں اس حقیقت کا اعتراف پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سمیت قیامت تک کے لیے ہونے والی ان کی پوری امت سے کرایا گیا ہے:

امن الرسول بما انزل الیہ	رسول ایمان رکھتے ہیں اس چیز پر جو ان کے
من ربہ والمومنون کل	پاس ان کے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے'
امن باللہ وملئکتہ وکتبہ	اسی طرح (ان کے پیروکار) تمام اہل ایمان
ورسلہ لا نفرق بین احد	بھی۔ ان میں سے ہر ایک ایمان رکھتا ہے،

من رسلہ وقالوا سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر (بقرہ : ۲۸۵)	اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی تمام کتابوں پر اور اس کے تمام رسولوں پر۔ ہم اس کے رسولوں میں کسی کے بیچ امتیاز نہیں برتتے۔ اس کے بجائے ان سب کا کہنا ہے کہ ہم نے سُنا اور سر تسلیم خم کیا۔ اے ہمارے آقا! ہم تیری معافی کے طلبگار ہیں اور (ہم سب کو) تیرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔

اس سے پہلے یہود و نصاریٰ کے اس غلط دعوے کی تردید کے ساتھ کہ دین ابراہیمؑ میں اپنی تحریفات کے ذریعہ انھوں نے اپنے کو جوان ٹکڑیوں میں تقسیم کر لیا تھا تو راہ یابی کے لیے ان میں سے کسی ایک میں شمولیت کافی ہے، راہ یابی کی صحیح صورت قرآن نے یہ قرار دی کہ کسی فرق و امتیاز کے بغیر خدا تعالیٰ کے تمام رسولوں اور ان کے ساتھ آئی ہوئی خدائی کتابوں پر ایمان لایا جائے۔ مختلف انبیاءؑ کے ناموں کی صراحت کے ساتھ ارشاد ہوا:

قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون ۰ فان امنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اھتدوا وان تولوا فانما ھم فی شقاق فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع	(اے مسلمانو!) کہو ہم ایمان رکھتے ہیں ایک خدا پر اور ان تمام باتوں پر جو ہم تک اتاری گئی ہیں اور ان تمام باتوں پر جو اتاری گئیں ابراہیم اسماعیل، اسحاق، یعقوب اولاد یعقوب تک اور جو عطا کی گئیں موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو عطا کی گئیں دوسرے تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔ ہم ان تمام کے بیچ کوئی امتیاز نہیں کرتے اور ہم (بے لوث طریقے پر) اللہ کے مطیع فرمان ہیں۔ تو اب اگر یہ (اہل کتاب) اس طرح ایمان رکھتے ہیں جس طرح کہ تم ایمان رکھتے ہو تب تو وہ یقیناً صحیح راستے پر ہیں لیکن

العلیم ○ (بقرہ: ۱۳۶-۱۳۷)[1]

اگر وہ روگردانی کا راستہ اختیار کرتے ہیں تو اس کی وجہ ان کے جھگڑے کے مزاج کے سوا دوسری نہیں تو ان کے شر سے بچاؤ کے لیے آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بڑا سننے والا، جاننے والا ہے۔

پورے سلسلۂ رسالت و نبوت کا اعتراف و اقرار کرنے کے بجائے جو لوگ قومی اور گروہی مفادات کی آڑ میں محض اپنی خواہش اور اپنی پسند کو فیصلہ کن قرار دیتے ہوئے خدا تعالیٰ کے کچھ رسولوں کو مانیں اور کچھ کے انکار کے درپے ہوں، قرآن ان کی اس روش کو صاف لفظوں میں کفریہ روش قرار دیتا ہے، اور اپنے ماننے والوں کا راستہ اس سے بالکل مختلف تجویز کرتا ہے اور اللہ کے انکار کے ساتھ اسے تمام رسولوں کے انکار کے مرادف گردانتا ہے:

ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذلک سبیلا ○ اولئک ھم الکافرون حقا واعتدنا للکفرین عذابا مھینا ○ والذین امنوا باللہ ورسلہ ولم یفرقوا بین احد منھم اولئک سوف یوتیھم اجورھم

بلاشبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے انکار کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان امتیاز کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم ان میں سے کچھ پر ایمان لائیں گے اور کچھ کا انکار کریں گے اور اس طرح وہ ایک درمیان کی راہ اختیار کرنی چاہتے ہیں تو یہی لوگ اصلی کافر ہیں اور ایسے کافروں کے لیے ہم نے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ہاں جو لوگ اللہ اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لائیں اور ان میں سے کسی کے درمیان وہ کوئی امتیاز نہ کریں تو یہ لوگ ہیں کہ اللہ بہت جلد انھیں

---

[1] نیز: آل عمران: ۸۴-۸۵۔ جہاں یہی بات تقریباً انہی الفاظ میں کہی گئی ہے۔

وکان اللہ غفورا رحیما ٥	ان کے قرار واقعی بدلے سے نوازے گا اور
(نساء: ۱۵۰-۱۵۲)	اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

قرآن نے واضح دعوتی مصالح کے پیش نظر اپنے صفحات میں صرف ان حضرات انبیاء کے نام گنائے ہیں اور ان کے احوال بیان کیے ہیں جن سے مخاطب قوم کی واقفیت تھی اور ان کی سرگذشتوں کا اس کے ہاں چرچا تھا۔ اس سے ہٹ کر اول سے آخر تک پورے کرۂ ارضی پر آنے والے انبیاء کی تفصیل جن کی اکثریت مخاطب قوم کے لیے اجنبی اور غیر معروف ہو کر اس کے لیے وحشت اور اجنبیت کا باعث تو ہوتی، ان کی داستان حیات کی تفصیلات کے ساتھ یہ کتاب صحیفۂ ھدایت کے بجائے معلومات کا ایسا انسائیکلوپیڈیا ہوتا جس سے استفادہ اور اس کے مضامین کا استحضار تو اپنی جگہ، اسے تو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ہی ایک مستقل مسئلہ ہوتا۔ کتاب حکمت سے اس کی توقع کیونکر کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے مخاطبین کے نزدیک معروف گنتی کے انبیاء کا تذکرہ کر کے باقی حضرات کے فی الجملہ ذکر پر اکتفا کیا جس کے لیے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے صاف لفظوں میں کہا گیا کہ آپ کے سامنے سلسلہ نبوت کا یہ بالکل اجمالی تذکرہ ہے۔ حضرات انبیاءؑ کی بہت بڑی تعداد ہے جن کے احوال واضح دعوتی مصالح کے پیش نظر ہم آپ سے بیان نہیں کر رہے ہیں:

ولقد ارسلنا رسلا من	اور (اے نبیؐ) آپ سے پہلے ہم نے بہت سارے
قبلك منهم من قصصنا	رسول بھیجے ہیں ان میں کچھ ہیں جن کے حالات
عليك ومنهم من لم	ہم نے آپ سے بیان کیے ہیں اور بہت سے
نقصص عليك ۚ	ہیں جن کے حالات ہم نے آپ سے بیان
(غافر: ۷۸)	نہیں کیے ہیں۔

دوسرے موقع پر سلسلۂ انبیاء کے اجمالی تذکرہ کے ساتھ یہ بات مزید وضاحت سے کہی گئی:

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا	(اے نبیؐ) ہم نے آپ کے پاس اسی طرح
إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ ۚ	وحی بھیجی ہے جس طرح (اس سے پہلے) ہم نے

واوحینآ الی ابراھیم و	نوح اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کے پاس
اسمعیل واسحق ویعقوب	وحی بھیجی تھی۔ ایسے ہی ہم نے ابراہیم، اسماعیلؑ
والاسباط وعیسٰی وایوب	اسحاق، یعقوب، اولادِ یعقوب، عیسٰی، ایوب،
ویونس وھرون وسلیمٰن ۚ واتینا	یونس، ہارون اور سلیمان کو اپنی وحی سے سرفراز کیا اور
داوٗد زبورا ۚ ورسلاً قد قصصنٰھم	داوٗد کو ہم نے زبور عطا کی۔ اور کچھ ہی رسول ایسے
علیک من قبل ورسلا	ہیں جن کے حالات ہم نے پہلے آپ سے بیان کیے
لم نقصصھم علیک ۚ وکلم	ہیں اور بہتیرے رسول وہ ہیں جن کے حالات ہم نے
اللہ موسٰی تکلیما ۚ	آپ سے بیان نہیں کیے ہیں اور موسٰیؑ کو اللہ
(نساء: ۱۶۳-۱۶۴)	نے اپنی بھرپور ہم کلامی کا شرف عطا کیا۔

مسند احمد کی ایک روایت میں حضرات انبیاءؑ کی کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی گئی ہے[1]۔ قرآن آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ان کے تمام امتیوں کو ان تمام حضرات انبیاءؑ کا پیروکار قرار دیتا ہے۔ سورہ انعام میں یہود و نصارٰی اور مشرکین عرب قرآن کے تینوں مخاطبین کی مسلمہ شخصیت سیدنا ابراھیمؑ کے ساتھ حضرت نوحؑ سے لیکر حضرت عیسٰیؑ تک پورے سلسلۂ نبوت کے تذکرے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی اجنبی اور انوکھا نبی نہ مان کر انہی حضرات گرامی کے نقش قدم کا پیرو قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے قرآن کا یہی پیغام قیامت تک کے لیے آپؐ کی پوری امت سے ہے۔ دعوت اسلامی کے ابتدائی مراحل میں مخاطب قوم عرب کی اس کی ناقدری کے پس منظر میں ارشاد ہوا:

اولٰئک الذین آتینٰھم الکتٰب	یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے اپنی طرف سے
والحکم والنبوۃ ۚ فان یکفر بھا	کتاب، فیصلے کے سامان اور نبوت کے
ھٰؤلاء فقد وکلنا بھا قوما	منصب سے سرفراز کیا تو اب اگر یہ (عرب کے)
لیسوا بھا بکفرین ○	لوگ اس کا انکار کرتے ہیں تو اس کے لیے

---

[1] مسند احمد: ۵/۲۶۵، ۲۶۶، مطبوعہ میمنیہ مصر ۱۳۱۳ھ

اولٓئک الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ قل لآ اسئلکم علیہ اجرًا ان ھو الاذکری للعٰلمین ۝

(انعام: ۸۹ - ۹۰)

ہم نے (اہل ایمان جماعت سے) ایسے لوگوں کو لا کھڑا کیا ہے جو اس کا انکار کرنے والے نہیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے (اپنے اپنے زمانے میں) اپنی ھدایت سے نوازا تھا تو (اے نبی پیش آمدہ مسائل میں جہاں برعکس ہو) آپ انہی لوگوں کے دکھائے ہوئے راستے کی پیروی اختیار کیجئے۔ (اے نبی) کہہ دیجئے اس پر میں تم لوگوں سے کسی بدلے کا طالب نہیں ہوں یہ تو دنیا والوں کے لیے محض یاددہانی کا سامان ہے۔

کتاب اللہ کے صفحات سے اس کا عملی ثبوت ہے، جس کی بعض مثالوں کی وضاحت ہم آگے کریں گے کہ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاں شریعت کی تفصیلات آنے تک متعلقہ معاملات ومسائل میں اہل کتاب لوگوں کی شریعت کی پیروی کرتے اور اسی کے مطابق مقدمات کے فیصلے فرمایا کرتے تھے۔ قرآن کے علاوہ اسلام کے ذخیرۂ حدیث میں بھی اس کی مثالیں ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف معاملات میں اپنے سے پچھلی شریعتوں کے مطابق عمل فرمایا۔[1] اہل کتاب یہود ونصاریٰ کے علاوہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے لوگ جو نادانی سے براہیمی طریقے کو چھوڑ کر شرک و بت پرستی کے کھڈ میں جا گرے تھے، لیکن

---

[1] اس کی سب سے نمایاں مثال دسویں محرم کا روزہ ہے جس کا یہود کے ہاں اہتمام تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف مسلمانوں کو اس دن کے روزہ کا حکم دیا بلکہ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ یہود کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ کی پیروی کے ہم زیادہ حق دار ہیں۔ بخاری جلد ا۔ کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشورا۔ مسئلے کے لحاظ سے اسلام میں رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے عاشورا کا یہ روزہ فرض تھا۔ اس کے بعد اس کی حیثیت برقرار نہ رہ کر نفل کی حیثیت باقی رہی۔

ان کی چیزیں اور ان کے جو طور طریقے صحیح دین خداوندی کی روایات کے مطابق تھے قرآن میں تو ان کا حوالہ ہے ہی جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویب فرمائی اور ان پر عمل کر کے دکھایا، حدیث میں بھی اس کی مثالیں نایاب نہیں ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حوالہ دیا اور ان کی مسلمہ اقدار کی حیثیت سے ان کو برتنے اور ان کو اختیار کرنے کی تلقین کی[1] یہاں تک کہ اسلامی اصول فقہ (JURIS PRUDENCE) کا یہ

---

[1] ایک مثال تو اسی صوم عاشورا ہی کی۔ دوسری روایت کے مطابق رسول خدا صلی اللہ علیہ مدینہ آمد سے قبل قریش جاہلیت کے طریقے کے مطابق اس دن کے روزے کا اہتمام فرماتے تھے۔ مدینہ تشریف آوری پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس معمول کو برقرار رکھا۔ ساتھ ہی دوسرے لوگوں کو بھی اس دن کے روزے کا حکم فرمایا۔ بخاری جلد ا کتاب المناقب، باب ایام الجاہلیۃ، ایضا: بخاری، کتاب الصوم، حوالہ سابق۔ واقعہ کے پہلو سے ان دونوں روایتوں کے درمیان کوئی ٹکراؤ نہیں۔ مکے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش جاہلیت کے طریقے کے مطابق اس کا اہتمام فرمایا۔ مدینہ میں یہود کے اس پر عمل سے اس پر مزید تاکید کے ساتھ اپنے پیروؤں کو بھی اس کی تلقین فرمائی۔ اس کی دوسری مثال میں جنازے کو دیکھ کر کھڑے ہو جانے کے حکم نبوی کو پیش کیا جا سکتا ہے جس کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ہدایت فرمائی تا آں کہ وہ گزر نہ جائے۔ بخاری جلد ا۔ کتاب الجنائز، باب القیام للجنازۃ، نیز اس کتاب کا باب 'باب من قام لجنازۃ یہودی۔ اس کی اصل بھی حضرت عائشہؓ کی اس روایت میں دیکھی جا سکتی ہے جس کے مطابق جاہلیت کے لوگوں کے یہاں اس کا اہتمام تھا کہ وہ جنازے کی خاطر کھڑے ہو جاتے تھے کتاب المناقب، باب ایام الجاہلیۃ۔ اس کے سلسلے میں دوسری روایت بھی ہے کہ ایسا کرنا ضروری نہیں ہے اور بہت سے اہل علم کا اسی پر عمل بھی ہے، لیکن حضرات صحابہ و تابعین میں بہت سے لوگ پہلی روایت ہی کے قائل ہیں اور اسی پر عمل کو قابل ترجیح سمجھتے ہیں، چنانچہ حضرات حسن بن علیؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اس کے قائل ہیں۔ اور یہی مسلک امام اوزاعی، احمد اور اسحاق کا ہے اور اسی کے قائل محمد بن حسن ہیں۔ یہ تمام حضرات جنازے کو دیکھ کر اس کے لیے کھڑے ہو جانے کے وجوب کے قائل ہیں۔ ساتھ ہی ان کا کہنا ہے کہ جو کوئی جنازے کی مشایعت اختیار کرے تو جب تک کہ جنازہ زمین پر رکھ نہ دیا جائے اس کے لیے بیٹھنا درست نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری المعروف بالعینی: ۷/۱۵، مصطفی البابی الحلبی و اولادہ، مصر ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء، طبع اولیٰ)

مسلمہ اصول قرار پایا کہ "اللہ اور اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کا انکار اور رد نہ ہو تو ہم سے پہلے لوگوں کی شریعتوں کو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا درجہ حاصل ہوگا"[1] کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ اسلام کی اس حیثیت میں برادران وطن کو اس سے دوری اور اجنبیت ہو۔ اسلام جب پورے سلسلۂ نبوت و رسالت پر ایمان کو اپنی پیروی کا حق ادا کرنے کا لازمی تقاضا قرار دیتا ہے تو سرزمین ہند میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس فریضے کی ادائگی کے لیے یہاں جن برگزیدہ ہستیوں کو مبعوث کیا گیا یا باہر سے یہاں انھیں اس کام کے لیے مامور کیا گیا، ان کی نبوت و رسالت کا اقرار واعتراف اس میں خود بخود شامل ہوگیا۔ اور یہ اعتراف واقرار بھی رضا کارانہ اور اختیاری نہیں بلکہ لازمی اور حتمی جس کے بغیر کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہو سکتا، نہ اس کے لانے والے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی و اتباع کا حق ادا کر سکتا ہے۔

جملہ آسمانی صحائف کا اعتراف :

سلسلۂ نبوت و رسالت کے اس اعتراف کا لازمی مطلب ہے کہ اس کے ساتھ ہی جملہ آسمانی کتابوں کی صداقت وحقانیت کا اعتراف کیا جائے۔ اجمالی طور پر تو یہ مضمون اوپر آ ہی چکا ہے۔ لیکن اس کے دوسرے گوشے بھی ہیں جن کی کسی قدر وضاحت ضروری ہے۔ 'وحدت ادیان' کے مروجہ ہندی فلسفے کے روبرو اسلام کے نقطۂ نظر کی تفصیل میں یہ چیز غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے کہ اس کے

---

[1] اصل الفاظ میں: 'والصحیح أن شرائع من قبلنا اذا قص اللہ ورسولہ من غیر انکار أنہ شریعة لرسولنا' مختصر المنار لابن حبیب الحلبی ۲۶/ مشمولہ مجموعہ متون اصولیہ، شائع کردہ: مکتبۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ ۱۴۰۲ھ طبع اولی۔ تقریباً انہی الفاظ میں مزید دیکھیے ہندوستان میں مروجہ درس نظامی میں اصول فقہ حنفی کی مشہور ومعروف کتاب حسامی: ۱/۱۸۹، مع شرح النامی للفاضل مولوی عبدالحق۔ کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند (بدون سنہ) ومما یتصل بسنة نبینا علیہ السلام شرائع من قبلہ والقول الصحیح فیہ أن ما قص اللہ ورسولہ منہا من غیر انکار یلزمنا علی انہ شریعة لرسولنا الخ

لانے والے پیغمبر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ہاتھوں آنے والی خدا کی آخری کتاب 'قرآن' یہ دونوں کے دونوں اپنے کو پچھلے سلسلۂ نبوت و رسالت کے معترف و مصدّق کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ جس کا صاف مطلب ہے کہ وہ اپنے پیغام اور اپنی دعوت کے لحاظ سے کوئی اجنبی اور انوکھی چیز نہیں بلکہ یہ اسی سلسلۂ نبوت و رسالت کی آخری کڑی ہیں جس کا سررشتہ ابتدائے آفرینش سے قائم چلا آتا ہے اور جس کا طریقہ ہی یہ ہے کہ بعد کو آنے والا ہر نبی اپنے سے پہلے نبی کا اور ہر بعد کی آنے والی کتاب اپنے سے پچھلی کتاب کی صداقت و حقانیت کی معترف اور اپنے کو اس کی صدائے بازگشت قرار دیتی ہے۔ اسی اصول کے لحاظ سے قرآن سیدنا عیسیٰؑ کو اپنے سے پچھلی کتاب 'توراۃ' کا مصدّق قرار دیتا ہے[1] اور اسی کی رعایت سے آخری نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب یہود و نصاریٰ دونوں کی کتابوں 'توراۃ و انجیل' کے مصدّق قرار پاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت اس کے سوا دوسری نہیں کہ آپؐ کے ذریعہ ان کے پیغام کو نئی زندگی ملتی اور آفتاب ہدایت کو بدلیوں کی دھندھ سے نکل کر اپنی واقعی تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہونے کا موقع ملتا ہے۔ چنانچہ قرآن اہل کتاب یہود و نصاریٰ پر اسی پہلو سے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حجت کا اتمام کرتا ہے:

ولما جآءھم رسول من عند اللہ مصدّق لما معھم نبذ فریق من الذین اوتوا الکتٰب کتٰب اللہ ورآء ظھورھم کانھم لا یعلمون ۝ (بقرہ : ۱۰۱)	لیکن جب ایسا ہوا کہ ان (اہل کتاب) کے پاس اللہ کا فرستادہ (آخری رسول) آگیا جو ان کے پاس موجود خدائی تعلیمات کو (اپنی اصل کے اعتبار سے) حرف بحرف تسلیم کرنے والا تھا تو وہی لوگ جنہیں اس سے پہلے آسمانی کتابوں سے نوازا گیا تھا، ان کے ایک طبقے نے اللہ کی اس آخری کتاب کو اپنے پس پشت ڈالنے کا فیصلہ کرلیا گویا کہ انھیں اس کے بارے میں کوئی پتہ ہی نہیں ہے۔

---

[1] آل عمران: ۵۰۔ مائدہ: ۴۶۔ صف: ۶

یہی صفت قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح آپ کے ہاتھوں آنے والی کتاب کی قرار دیتا ہے۔ اور اصل کتاب یہود و نصاریٰ کو اسی کے حوالہ سے اس پر ایمان کی دعوت دیتا ہے:

یٰایھا الذین اوتوا الکتٰب اٰمنوا
بما نزّلنا مصدقا لما معکم
من قبل ان نطمس وجوھا
فنردھا علیٰ ادبارھا او نلعنھم
کما لعنّا اصحٰب السبت وکان
امر اللہ مفعولا ۝
(نساء : ۴۷)

اے (یہود و نصاریٰ) وہ لوگو جنہیں آسمانی کتابوں سے نوازا گیا، ایمان لاؤ اس (آخری کتاب) پر جسے ہم نے اب نازل کیا ہے جو تمہارے پاس موجود کتابوں کی (اپنی اصل کے اعتبار سے) حرف بحرف تسلیم کرنے والی ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم چہروں کی ہیئت بگاڑ دیں اور انھیں لوگوں کی پیٹھوں کی طرف پھیر دیں یا انھیں ایسی ہی اپنی پھٹکار کا مستحق قرار دیدیں جیسا کہ (اس سے پہلے) ہم سبت والوں کو اپنی پھٹکار کا مستحق قرار دے چکے ہیں اور اللہ کی جو بات ہوتی ہے وہ ہو کر رہتی ہے۔

اور اسی کے حوالے سے وہ بنی اسرائیل کے لوگوں سے پوری درد مندی سے خطاب کرتا ہے:

وآمنوا بما انزلت مصدقا
لما معکم ولا تکونوا اول کافر
بہ ولا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا
وایای فاتقون ۝
(بقرہ : ۴۱)

اور ایمان لاؤ اس (آخری کتاب) پر جو ہم نے اب اتاری ہے جو تمہارے پاس موجود کتابوں کو (اپنی اصل کے اعتبار سے) حرف بحرف تسلیم کرتی ہے اور تم پہلے نمبر پر اسی کے انکار کرنے والے نہ ہو۔ اور میری آیتوں کو انتہائی معمولی قیمت پر نہ بیچو اور ڈرنا ہے تو بس میرا ہی ڈر رکھو۔

آیت کریمہ میں اللہ کی آیتوں کو تھوڑے داموں، پر بیچنے کا خطاب بنی اسرائیل کے علماء، فقہاء سے ہے جو اپنی مذہبی اجارہ داری کو دنیا کی کمائی کا ذریعہ بنائے ہوئے تھے۔ جھاڑ پھونک

اور گنڈے تعویذوں وغیرہ کا سلسلہ تو اس کا ایک معمولی حصہ تھا جس کے عوض وہ اللہ کی آیتوں کو سستے داموں بیچ رہے تھے، اصلاً یہ حضرات اپنی مذہبی حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے پوری قوم کو یرغمال بنائے ہوئے تھے اور اس کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے تھے۔ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنے میں ان کی یہ دنیا پرستی ان کے پاؤں کی بڑی زنجیر تھی جس کے بعد ان کے لیے اس کی تمام راہیں مسدود ہوتی نظر آتی تھیں اور یہی وجہ تھی جو اس کی مخالفت میں وہ ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھے۔ آگے قرآن ان کے اوپر "قتل انبیاءؑ" کے ایک دوسرے فردِ جرم کو عائد کرتے ہوئے ان کے دل کے اس چور کو اس طرح بے نقاب کرتا ہے:

واذا قیل لھم اٰمنوا بما انزل اللہ قالوا نؤمن بما انزل علینا ویکفرون بما وراءہٗ وھو الحق مصدقا لما معھم قل فلم تقتلون انبیاء اللہ من قبل ان کنتم مومنین ٥ (بقرہ : ۹۱)	اور جب ان (اہل کتاب) سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ اس (آخری کتاب) پر جو اللہ نے اب اتاری ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ایمان بس اسی چیز پر لائیں گے جو ہم تک اتاری گئی ہے اور جو اس کے بعد آنے والی ہے وہ اس کا صاف انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ سراپا حق کی آئینہ دار اور ان کے پاس موجود کتابوں کو (اپنی اصل کے اعتبار سے) حرف بحرف تسلیم کرنے والی ہے۔ لیکن (اے نبیؐ) ان سے یہ تو پوچھیے کہ اس سے پہلے تم اللہ کے نبیوں کو موت کے گھاٹ کیوں اتارتے رہے تھے اگر تم ایسے ہی ایمان کے پختہ راستے پر قائم تھے۔

آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی نبوتوں اور رسالتوں کے سلسلے میں اسلام کے نقطۂ نظر کی تفصیل اس سے پہلے آچکی ہے کہ ان کی حیثیت وقتی اور محدود تھی اور ان کا تخاطب ایک خاص قوم اور خاص زمانے کے لوگوں سے ہی ہوتا تھا۔ اس حیثیت میں نمونے کے طور پر اگر تورات اور انجیل میں انسانوں کے ہاتھوں تحریفات نہ ہوگئی ہوتیں تو ان میں اور قرآن میں فرق صرف اجمال اور تفصیل اور کامل

اور غیر کامل کا نظر آتا اور جو کوئی تورات اور انجیل کا قائل ہوتا اس کے لیے قرآن کی صداقت وحقانیت کے اعتراف میں کوئی تامل نہ ہوتا۔ لیکن اپنی وقتی اور محدود حیثیت کے علاوہ قرآن کی تصریحات کے مطابق ان کے اندر انسانی تحریفات وتلبیسات کے باعث، کلام الٰہی میں غیر الٰہی کلام کی آمیزش اور حق کے باطل کے ساتھ گڈمڈ ہو جانے کی وجہ سے فیصلہ کن حیثیت اور مرجعیت کا مقام صرف آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں آنے والی کتاب کو ہی حاصل ہو سکتا ہے جس کی قیامت تک کے لیے حفاظت کا ذمہ خود اسی کے اتارنے والے اللہ عزوجل نے لیا ہے اور جس کا جملہ کتب سماویہ میں یہ امتیاز آج مسلمہ اور غیر متنازعہ ہے کہ وہ ایک شوشے کے فرق کے بغیر وہ جوں کی توں جیسا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا نزول ہوا تھا، وہ اسی صورت میں آج اس دنیا میں موجود ہے اور تحریری تواتر کے ساتھ اس کے زمانہ نزول سے آج تک اس کے حفظ وورد کا زبانی تواتر اس کا ایسا امتیاز ہے جو کیا آسمانی اور کیا غیر آسمانی دنیا کی پوری لٹریری تاریخ میں کسی دوسری کتاب کو حاصل نہیں[1]۔ اس تفصیل سے خود بخود واضح ہے کہ اب قرآن سے پہلے کی تمام آسمانی کتابیں توراۃ وانجیل اور زبور یا دوسری ایسی کوئی بھی کتاب جسے بظن غالب اس فہرست میں شامل کیا جا سکے، اب ان کی حیثیت محض نمونے کی ہے جن سے اتفاقیہ تائید وتوثیق کا فائدہ تو اٹھایا جا سکتا ہے لیکن جہاں سند اور مرجعیت کا مقام وہ صرف اور صرف خدا تعالیٰ کی آخری کتاب کو ہی حاصل ہو سکتا ہے جس کے اندر پچھلی کتابوں کے اجمال کی ایسی تفصیل کردی گئی ہے کہ اب قیامت تک کے لیے کسی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے:

وما كان هذا القرآن أن يفترى	اور اس قرآن کے بارے میں یہ کہنا روا نہیں
من دون الله ولكن تصديق الذي	ہو سکتا کہ وہ اللہ کی طرف سے ہونے کے
بين يديه وتفصيل الكتاب	بجائے کسی اور طرح سے گھڑ کر بنا لیا گیا ہے۔
لا ريب فيه من رب العالمين ۝	بلکہ وہ اپنے سے پچھلے صحیفوں کو (اپنی اصل کے

(یونس: ۳۷)

---

[1] کتاب اللہ کی اس محفوظ تدوین کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے: مولانا صدرالدین اصلاحی: قرآن مجید کا تعارف محولہ بالا، تدوین قرآن از مولانا مناظر احسن گیلانی، ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۶۹ء مرتبہ غلام ربانی۔ اور تاریخ القرآن از مولانا مفتی عبداللطیف رحمانی، شاہ ابوالخیر اکیڈمی، دہلی ۱۹۸۳ء

اعتبار سے) حرف بحرف تسلیم کرنے والا اور
ان کتابوں کے اجمال کی تفصیل پیش کرنے والا ہے
اس کے اندر کسی قسم کے شک و شبہے کی گنجائش
نہیں ہے کہ وہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔

حقیقت میں یہ کتاب تورات و انجیل کی صدائے بازگشت ضرور ہے لیکن ان کے اندر حق و باطل کی آمیزش کی گڑبڑ ہی کی وجہ سے اب فیصلہ کن حیثیت اسی کتاب کو حاصل ہے۔ اس لیے اب اسی پر ایمان لاکر ہی ان پچھلی کتابوں پر ایمان کا حق ادا کیا جا سکتا ہے :

اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم ○ نزل علیک الکتب بالحق مصدقا لما بین یدیہ وانزل التوراۃ والانجیل ○ من قبل ھدی للناس وانزل الفرقان ○ ان الذین کفروا بآیات اللہ لھم عذاب شدید واللہ عزیز ذو انتقام ○

(آل عمران : ۲-۴)

اللہ وہی ہے کہ اس کے سوا کوئی دوسرا بندگی کے لائق نہیں۔ وہ زندۂ جاوید، نظامِ عالم کو تھامے ہوئے ہے۔ اس نے آپ پر یہ کتاب (قرآن) اتارا ہے جو سراسر حق اور اپنے سے پچھلی کتابوں کو (اپنی اصل کے اعتبار سے) حرف بحرف تسلیم کرنے والا ہے اور اسی نے اس سے پہلے تورات اور انجیل کو اتارا جو (اپنے زمانہ کے) لوگوں کے لیے سامان ہدایت فراہم کرنے والی تھیں۔ اور (اب سب سے آخر میں) اس نے یہ فیصلہ کن کتاب (قرآن) اتارا ہے۔ چنانچہ اب جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کریں گے ان کو سخت ترین عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا اور اللہ بڑی طاقت والا، بدلے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اپنے اپنے زمانہ کے لحاظ سے تورات اور انجیل میں یقیناً روشنی اور ہدایت کا سامان تھا۔[1]

۱؎ مائدہ: ۴۴، ۴۶

لیکن اب 'محافظ' اور 'نگراں' کی حیثیت اللہ کی اسی آخری کتاب 'قرآن' کی باقی ہے۔ اس کتاب کے آجانے کے بعد پچھلی شریعتوں کا دور اب ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا۔ قیامت تک کے لیے اب تمام معاملات کا فیصلہ اسی کتاب کے مطابق کیا جاسکتا ہے۔ اس سے ہٹ کر کسی دوسری آسمانی یا ممکنہ آسمانی کتاب سے وابستگی کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی مرضی کی تلاش سرتاسر جاہلیت کا راستہ ہے جسے پکڑ کر انسان جہاں چاہے پہنچ جائے خدا تعالیٰ کو پانے میں ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتا:

وانزلنا الیک الکتب بالحق مصدقا
لما بین یدیه من الکتب ومهیمنا
علیه فاحکم بینهم بما
انزل الله ولا تتبع اھواءھم
عما جاءک من الحق لکل
جعلنا منکم شرعة ومنهاجا
ولو شاء الله لجعلکم امة
واحدة ولکن لیبلوکم فیما
اتاکم فاستبقوا الخیرات
الی الله مرجعکم جمیعا فینبئکم
بما کنتم فیه تختلفون
وان احکم بینهم بما
انزل الله ولا تتبع اھواءھم
واحذرھم ان یفتنوک عن
بعض ما انزل الله الیک
فان تولوا فاعلم انما
یرید الله ان یصیبهم
ببعض ذنوبهم وان کثیرا

اور (اے نبیؐ) اب ہم نے آپ پر یہ کتاب
(قرآن) اتارا ہے جو سرتاسر حق ہے اور اپنے
سے پچھلی کتابوں کو (اپنی اصل کے اعتبار سے)
حرف بہ حرف تسلیم کرنے والا ہے۔ ساتھ ہی ان کے
حق میں اس کی حیثیت نگراں کی سی ہے۔ تو (اے
نبیؐ) اب آپ ان (اہل کتاب) کے درمیان
فیصلہ اسی (کتاب) کے مطابق کریں جو اللہ
نے اب اتاری ہے اور آپ کے پاس اب جو
حق آگیا ہے اس کے مقابلے میں آپ ان کی
خواہشات نفس کی پیروی اختیار نہ کریں۔ تم میں سے
ہر ایک کے لیے ہم نے ایک شریعت اور طریقہ
زندگی قرار دیا ہے (جس کی آخری طور پر نمائندگی
قرآن کے ذریعہ ہوتی ہے)۔ اور اگر اللہ چاہتا تو
خواہی نخواہی تم سب کو دین حق کے ایک ہی راستے
پر لگا دیتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا تاکہ اب
جو چیز اس نے تم کو عطا کی ہے اس کے معاملے
میں تمہاری آزمائش کرے۔ تو تم بھلائیوں کے
میدان میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی

من الناس لفاسقون ۝ افحکم الجاھلیۃ یبغون ؕ ومن احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون ۝ (مائدہ: ۴۸ - ۵۰)

کوشش کرو۔ اللہ ہی طرف تم سب کو لوٹ کر آنا ہے۔ تو وہاں وہ تمہارے لیے اس کی حقیقت کھول کر رکھ دے گا کہ (دنیا میں) تم کسی بیجا بات پر جھگڑتے رہے تھے اور (اے نبیؐ) اب آپ ان (اہل کتاب) کے درمیان اس (کتاب) کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اتاری ہے۔ اور ان کی خواہشات کی پیروی اختیار نہ کریں اور ان سے خوب چوکنے رہیں کہ اللہ نے جو چیز آپ پر اتاری ہے اس کے کسی حصے پر عملدرآمد سے وہ آپ کو باز نہ رکھ دیں۔ اس کے بعد بھی اگر یہ روگردانی کا راستہ اختیار کرتے ہیں تو آپ سمجھ لیجئے کہ اللہ نے ان کے کسی قدر گناہوں کے عوض انھیں مبتلائے عذاب کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور بات تو یہی ہے کہ لوگوں کی اکثریت نافرمان ہے۔ تو کیا بس یہ جاہلیت کے فیصلے کے طلبگار ہیں۔ حالانکہ اللہ سے بڑھ کر بہتر فیصلہ اور کس کا ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ بات انھیں کی سمجھ میں آسکتی ہے جو اپنے ایمان کے معاملے میں سچے ہوں۔

ان آیات کریمہ کے اندر اس پورے پس منظر کو بیان کر دیا گیا ہے جس کے تحت قرآن کا اصرار ہے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے حصول اور زندگی میں اس کے احکامات کی پیروی کی اس کے سوا دوسری صورت نہیں کہ پچھلی آسمانی کتابوں کی آڑ میں اپنی خواہشات نفس کی پیروی کے بجائے اس کتاب کے آجانے کے بعد تنہا اس کی اتباع کو لازم قرار دیا جائے اور عقائد و عبادات سے لے کر جملہ معاملات

زندگی میں صرف اسی کی مرجعیت اور ثالثی کو تسلیم کیا جائے۔ جب پچھلی آسمانی کتابیں تھیں ہی ایک خاص زمانے اور ایک خاص مدت تک کے لیے، پھر ستم بالائے ستم یہ کہ انسانی ہاتھوں نے ان کے اندر من مانی تحریفات کر کے ان کے حلیے کو بگاڑ کر کچھ کا کچھ کر دیا تو اب نجات کا اس کے علاوہ دوسرا راستہ باقی ہی کیا رہ جاتا ہے کہ آخری پیغمبرؐ کے ذریعہ آخری کتاب کے آجانے کے بعد اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لیا جائے اور قومی اور گروہی عصبیتوں کے دام میں پھنس کر پچھلی کتابوں سے اپنی قسمت کو وابستہ کر کے اپنی عاقبت خراب کرنے کا سامان نہ کیا جائے۔ قرآن اور پچھلی آسمانی کتابوں کا یہ فرق و امتیاز برقرار رہے تو آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے مصدق و معترف اور ان کے ہاتھوں آنے والی اللہ کی آخری کتاب اس سلسلے کی انتہائی کڑی ہے۔ قرآن کی طرف سے اس سے بڑھ کر اس کا اعتراف اور کیا ہو سکتا ہے کہ اسی حقیقت کو وہ اپنے من جانب اللہ ہونے کی ایک اہم ترین دلیل کے طور پر پیش کرتا ہے۔ چنانچہ اس کا کہنا ہے کہ اگر یہ قرآن خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی اور ذات یا کسی اور ہستی کی طرف سے ہوتا تو اس کے مضامین پچھلی آسمانی کتابوں سے یقیناً مختلف ہوتے لیکن ایسا نہ ہو کر اس کے مضامین کی پچھلی کتابوں تورات و انجیل وغیرہ سے ہم آہنگی اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ ایک ہی سنہری زنجیر ہے جس کی یہ مختلف کڑیاں ہیں اور یہ ایک ہستی کے فرامین ہیں تو مختلف زمانوں میں اس وقت کے حالات کی مناسبت سے نازل کیے گئے ہیں اور آخری طور پر 'قرآن' کے ذریعہ اس سلسلے کی تکمیل کر کے اب اس کے دروازے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے:

افلا یتدبرون القرآن ولو	تو کیا ایسا ہے کہ یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے
کان من عند غیر اللہ لوجدوا	ہیں۔ حالانکہ اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی
فیہ اختلافا کثیرا ۝	طرف سے ہوتا تو ضرور (کتب سابقہ سے) اس
(النساء: ۸۲)	میں بڑا اختلاف نظر آتا۔

اس آیت کریمہ کی دوسری تفسیر بھی کی گئی ہے لیکن اس کی راجح اور دل لگتی تفسیر وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔[1] سورۂ شعراء کی آیت کریمہ کا بھی یہی مضمون ہے جس میں اسے مزید کھول دیا گیا ہے:

---

[1] اس زمانے کے عظیم مفسر قرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ اسی تفسیر کے قائل ہیں۔ حواشی الفراہی علی القرآن علی القرآن المجید۔

وانہ لفی زبر الاولین ۝ اولم یکن لہم اٰیۃ ان یعلمہ علمٰٓؤا بنی اسرائیل ۝
(شعراء: ۱۹۶-۱۹۷)

اور اس کتاب (قرآن) کا مضمون پچھلے لوگوں کو ملنے والی آسمانی کتابوں میں محفوظ ہے۔ کیا ان (اہل مکہ) کی نشانی کے لیے یہ کافی نہیں کہ بنی اسرائیل کے علماء اس کے مضمون سے خوب آشنا ہیں۔

دوسرے موقع پر قرآن اپنے توحید کے مضمون کے لیے اپنے ساتھ کتب سابقہ کے حوالہ کا چیلنج دیتا ہے:

ام اتخذوا من دونہٖ اٰلہۃ قل ھاتوا برھانکم ھٰذا ذکر من معی وذکر من قبلی بل اکثرھم لا یعلمون الحق فھم معرضون ۝
(انبیاء: ۲۴)

تو کیا ایسا ہے کہ (مکہ کے) ان لوگوں نے ایک خدا کو چھوڑ کر اپنے لیے بہت سے معبود ٹھہرا رکھے ہیں۔ (اے نبیؐ) کہیئے کہ اس کے حق میں تم اپنی دلیل پیش کرو۔ یہ میرے ساتھ کی یاددہانی (قرآن) اور مجھ سے پہلے کے لوگوں کی یاددہانی (کتب سابقہ) دونوں موجود ہیں (اور ان سب کی گواہی میرے حق میں ہے)۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں کی حق بات کو سمجھنا نہیں چاہتی ہے۔ یہی وجہ ہے جو یہ بدستور اپنے اعراض کی روش پر قائم ہیں۔

آیت کریمہ میں قرآن سے پہلے کی یاددہانیوں 'ذکر من قبلی' سے مراد تورات اور انجیل اور دیگر کتب سماویہ ہیں اور اہل مکہ سے قرآن کے اس چیلنج کا مطلب ہے کہ قرآن کے دعوائے توحید کے بالمقابل آسمانی کتابوں میں سے کسی میں ایک خدا کے ساتھ کسی دوسرے خدا یا خداؤں کا تصور ملتا ہو تو

= غیر مطبوعہ۔ تحت آیت بالا۔ مزید تفصیل کے لیے ہمارا مضمون 'مولانا حمید الدین فراہیؒ کے غیر مطبوعہ قرآنی حواشی' مطبوعہ ششماہی علوم القرآن علی گڑھ جنوری۔جون ۱۹۹۱ء مطابق جمادی الاخری۔ ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ۔ قدیم و جدید معروف تفسیری ذخیرے میں ابھی تک اس کی تائید میں کوئی نظیر نہیں مل سکی۔

اسے پیش کیا جائے[1] قرآن کے اس چیلنج کے جواب میں اہل مکہ اور عقب سے انھیں ورغلانے اور ان کے منہ میں لقمے دینے والے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا مکمل سکوت اس کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ یہ سب کے سب لوگ لاجواب تھے اور قرآن کی اس للکار کے جواب میں ان کے پاس کہنے کے لیے کوئی بات نہ تھی۔

سورۂ عنکبوت کی ان آیات کریمہ میں بھی یہی بات کہی گئی ہے، جہاں قرآن صاف لفظوں میں اپنے مضامین کو اہل کتاب کے سینوں میں محفوظ بتاتا ہے:

وما کنت تتلوا من قبلہ من	اور اے نبی اس سے پہلے آپ کسی کتاب کی تلاوت
کتاب ولا تخطہ بیمینک	کرتے تھے، نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔
اذا لارتاب المبطلون ○ بل	اگر ایسا ہوتا تو یقیناً اس وقت باطل پرستوں
ھو آیت بینٰت فی صدور	کے لیے شک پیدا کرنے کا ضرور موقع ہوتا۔
الذین اوتوا العلم وما یجحد	جبکہ صورت یہ ہے کہ یہ دن کے مانند روشن
بایٰتنا الا الظٰلمون ○	آیتیں ہیں جو ان لوگوں (اہل کتاب) کے
(عنکبوت: ۴۹-۴۸)	سینوں میں محفوظ ہیں جنہیں (اس سے پہلے) علم کی روشنی سے نوازا جا چکا ہے اور ہماری آیتوں کا انکار تو وہی لوگ کر رہے ہیں جنھوں نے ظلم کے راستے پر قائم رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

آیت کریمہ میں 'اہل علم' سے مراد اہل کتاب یہود و نصاریٰ ہیں۔ اس لیے کہ اس سے پہلے کا سلسلہ انہی سے متعلق ہے:

ولا تجادلوا اھل الکتٰب	اور اگر اہل کتاب سے کبھی بحث و مباحثے
الا بالتی ھی احسن الا الذین	کی نوبت آ ہی جائے تو اس کے لیے عمدہ

---

[1] تفسیر الجلالین/۳۴۴، دار المعرفۃ، بیروت، طبع اول ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء۔

ظلموا منهم وقولوآ امنا بالذی انزل الینا وانزل الیکم والٰھنا والٰھکم واحد ونحن لہ مسلمون ۝ وکذلک انزلنآ الیک الکتٰب فالذین اٰتینٰھم الکتاب یومنون بہ ومن ھٰؤلآء من یومن بہ وما یجحد باٰیٰتنآ الا الکٰفرون ۝

(عنکبوت: ۴۶ - ۴۷)

سے عمدہ طریقہ اختیار کرو۔ ہاں ان لوگوں کا معاملہ علیحدہ ہے جنھوں نے ان میں سے ظلم کے راستے پر اڑے رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور (اے اہل ایمان) تم یہ کہو کہ ہم بے کم و کاست ایمان رکھتے ہیں اس چیز پر جو ہم تک اتاری گئی ہے ساتھ ہی اس پر بھی جو کہ تم تک اتاری گئی ہے اور ہمارا اور تمہارا معبود تو بالکل ایک ہے اور ہم سب کے سب اسی کے مطیع فرمان ہیں۔ اور یہی اصل حقیقت ہے اس کی جو ہم نے آپ پر یہ کتاب اتاری ہے۔ تو (حق پرست اہل کتاب) جنہیں ہم نے اپنی کتابوں سے نوازا ہے وہ آج دل کی پوری آمادگی سے اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ سانحہ الگ ہے کہ ان (اہل مکہ) میں سے کچھ ہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان لانے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں اور ہماری آیتوں کا انکار تو وہی لوگ کر رہے ہیں جنھوں نے کفر کے راستے پر جمے رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

اہل کتاب میں 'ظالموں' سے ترک مجادلہ کا مطلب ہے کہ ضدی اور کٹھ حجتوں کی ہدایت کی امید نہ ہو کر انھیں منہ لگانے کے بجائے اپنی دعوتی قوت کار کو صحیح جگہ پر صرف کیا جائے۔ 'آتینا ہم الکتاب' کا قرآنی اسلوب حق پرست اہل کتاب کے لیے ہوتا ہے جس کے متعلق قرآن کا کہنا ہے کہ وہ پھیلے ہوئے دائرے میں جزیرۃ العرب سے باہر بھی خود اپنی کتاب کی شہادت کی بنیاد پر قرآن کی حقانیت کا یقین رکھتے ہیں چنانچہ آگے کی بحث میں ہم اس کے بعض نمونے بھی پیش کریں گے، 'من ھولاء' سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوری مخاطبین ہیں جن میں سے کچھ

کے ایمان کی قرآن خوش خبری سناتا اور انکار کرنے والوں کو کفر خداوندی کے گناہ عظیم کا مرتکب گردانتا ہے۔ واضح دعوتی مصلحت سے چونکہ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب براہ راست اہل کتاب یہود و نصاریٰ ہی سے تھا اس لیے کہ ان کی کتابوں کا حوالہ بھی قرآن میں زیادہ ہے۔ چنانچہ قرآن میں دیت کے قانون کی اہم ترین دفعہ تورات کے حوالہ ہی سے ہے جسے اسلام نے جوں کا توں برقرار رکھا ہے[1] قرآن اللہ کی یاد اور آخرت طلبی کے اپنے مضامین کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی پہلے کے سیدنا ابراہیمؑ کو دیئے جانے والے صحیفوں کا بھی حوالہ دیتا ہے اور اپنی تعلیمات انہی قدیم آسمانی صحائف کا عکس قرار دیتا ہے:

قد افلح من تزکیٰ ۝ وذکر	اصل بامراد ہے وہ شخص جو اپنی پاکیزگی کی
اسم ربہ فصلیٰ ۝ بل	فکر رکھتا ہے اور اپنے رب کا نام یاد کرتا ہے
تؤثرون الحیٰوۃ الدنیا ۝ والاٰخرۃ	اور اسی کے نتیجے میں نمازیں پڑھتا ہے۔ کاش
خیر وابقیٰ ۝ ان ھٰذا لفی	کی بات یہ ہے کہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے
الصحف الاولیٰ ۝ صحف ابراھیم	ہو حالانکہ آخرت کی زندگی زیادہ بہتر اور پائدار
وموسیٰ ۝	ہے۔ بلاشبہ یہ مضمون پچھلے صحیفوں میں موجود ہے۔
(اعلیٰ: ۱۴-۱۹)	ابراہیم اور موسیٰ[2] کے صحیفوں میں موجود ہے۔

بار بار بات آچکی ہے کہ قرآن میں مذکور انبیاء اور آسمانی کتابیں نمونے کی ہیں اور ناگزیر دعوتی مصلحت سے دیگر انبیاء اور آسمانی کتابوں کے ذکر سے قرآن کو صرف نظر کرنا پڑا ہے، ورنہ اس کی صراحت اور اسلام دوسرے مآخذ کی تائید سے ان کی واقعی تعداد ان سے بہت زیادہ ہے۔ قرآن کے مطابق دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے ان انبیاء اور ان کتابوں پر ایمان اسی صراحت اور یقین کے ساتھ ضروری ہے، بقیہ انبیاء اور صحف سماویہ پر فی الجملہ اور اصولی طور پر ایمان لانے کا حکم ہے جس کے بغیر خود آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آخری کتاب پر آدمی کا ایمان

---

[1] مائدہ: ۴۵

[2] ملا علی قاری اور سیوطی کے حوالہ سے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کو ملنے والے صحیفوں کی تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

تشنہ تکمیل رہا ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا	اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم (اس کا حق جیسی
بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ	ادا کر سکتے ہو جبکہ) ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے رسول
الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ	پر اور اس کتاب پر جسے اللہ نے اب اپنے رسول پر
الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ	اتارا ہے اور ان کتابوں پر جو اس نے اس سے
یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ	پہلے اتاری ہیں۔ اور جو کوئی انکار کرے اللہ کا،
وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ	اس کے فرشتوں اس کی کتابوں، اس کے
ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا ○	رسولوں اور آخرت کے دن کا سمجھنا چاہیے کہ وہ بہت
(النساء: ۱۳۶)	دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

چنانچہ آج اسے اسلام کی حقانیت کا ثبوت ہی کہا جا سکتا ہے کہ ہزار تحریفات کے باوجود دونوں تورات و انجیل میں بھی ایسی بہت سی تعلیمات بلکہ ان کا بہت بڑا حصہ کتاب اللہ سے ایسی مشابہت رکھتا ہے کہ صاف طور پر یہ تمام دھارے ایک ہی سرچشمے سے پھوٹے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ امکانی طور پر ہندو مذہب کی مقدس کتابوں ویدوں پرانوں اور سمرتیوں میں بھی عقائد و عبادات کے علاوہ معاملات زندگی سے متعلق بھی ایسی بہت سی چیزیں ملتی ہیں جن میں غیر معمولی یکسانیت اور ہم آہنگی نظر آتی ہے۔ جس کے بعض نمونے کتاب کے پہلے باب میں ہم پیش کر چکے ہیں۔ کچھ اور چیزیں آگے کی بحث میں آتی ہیں۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اسلام، اس کے لانے والے پیغمبر اور قرآن کی اس حیثیت میں برادران وطن کے لیے اس کے پیغام میں وحشت و اجنبیت کا کیا موقع ہو سکتا ہے۔ رشیوں اور منیوں کی اس سرزمین میں مارکسزم اور لینن ازم جیسے غیر معقول اور غیر فطری اور انسانوں کے ساختہ پرداختہ نظریات کے مقابلے میں خالقِ کائنات کے عطا کردہ ہمیشہ کے خدائی دین کی آخری تکمیلی صورت اسلام کے لیے اس کے باسیوں کے سینوں میں کیوں گنجائش نہیں ہو سکتی ہے اور قومی کشمکش اور مخصوص تاریخی پس منظر سے اوپر اٹھ کر کیوں اس کا پیغام ہمدردانہ غور و فکر کا مستحق نہیں ہو سکتا ہے؟

مصدقا لما بین یدیہ کا دوسرا پہلو: "مصدقا لما بین یدیہ" کا ایک پہلو یا اس کی ایک تفسیر تو یہ ہے

کہ قرآن کے مضامین فی الجملہ پچھلی آسمانی کتابوں سے ہم آہنگ ہیں۔ اسی قرآنی اصطلاح کا دوسرا مفہوم یا اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ پچھلی تمام آسمانی کتابوں اور خاص طور پر اس کے فوری مخاطبین اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی کتابوں تورات و انجیل میں اس کے لانے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی اور ان کے اوصاف و خصوصیات اور ان کی شخصیت کی امتیازی علامات کا تذکرہ اتنی تکرار اور اتنی تفصیل سے تھا کہ اس کی بنیاد پر یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح پہچانتے تھے جس طرح کہ انسانوں کی بھیڑ میں انسان کو اپنی سگی اولاد کو پہچاننے میں کوئی رکاوٹ اور تکلف نہیں ہوتا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے قرآن اور اس کے لانے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے 'مصدقا لما بین یدیہ' ہونے کا مطلب ہے کہ یہ کتاب اور یہ نبی اپنے سے پہلے نبیوں اور کتابوں کی پیشین گوئیوں کا مصداق ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ان پیشین گوئیوں کے حرف بہ حرف سچے ہونے کی علامت ہے۔ اپنی کتابوں کے اس واضح اور صریح تقاضے کے برعکس اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور خاص طور پر ان کے عالموں اور فقیہوں دوسرے لفظوں میں ان کے مذہبی پروہتوں اور اجارہ داروں نے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو اپنے ہی خوابوں کی تعبیر اور اسے اپنے دل کی آواز جاننے کے بجائے اس کی مخالفت اور سادہ لوح عربوں کو بھی اس میں گھسیٹ لانے اور انھیں اس کے لیے مسلسل اکسانے اور ورغلانے کی گھناؤنی اور ناپسندیدہ روش پر محض اپنی قومی اور گروہی عصبیت کے دباؤ پر چل پڑے۔ اس لیے کہ ان لوگوں کا خیال تھا کہ چوں کہ عرصۂ دراز سے نبوت و رسالت کا سلسلہ سیدنا ابراہیمؑ کے دو صاحبزادوں حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ کے خانوادوں میں موخر الذکر میں چلا آتا تھا جسے بعد میں ان کے صاحبزادے حضرت یعقوب جن کا دوسرا نام 'اسرائیل' بھی تھا کی نسبت سے زیادہ شہرت اسی نام 'بنی اسرائیل' سے ہوئی اور جناب اسماعیلؑ کے خانوادے آخری نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور آپ کے بعد بیچ میں کوئی دوسرا نبی پیدا ہی نہیں ہوا تھا، اس لیے اہل کتاب کو پورا اطمینان تھا کہ نبوت کی معروف روایت کے مطابق آنے والا آخری نبیؐ بھی لازماً انہی کے درمیان کا اور انہی میں سے ہوگا۔ چنانچہ اسی بنیاد پر وہ سادہ لوح عربوں کے روبرو اپنی بزرگی اور برتری کی ڈینگیں مارتے تھکتے نہیں تھے کہ ہماری مذہبی امارت و سیادت کے بھلا کیا کہنے ہیں اور اسے کسی دوسری سمت سے کوئی خطرہ اور چیلنج بھی کیا ہو سکتا ہے۔ اب تک

تو نبوت و رسالت کا سلسلہ ہمارے درمیان قائم تھا ہی آنے والا آخری نبیؐ بھی ہمارے درمیان ہی سے ہوگا جس کے ذریعہ قیامت تک کے لیے دنیا پر ہماری دینی سیادت کا سکہ رواں ہو جائے گا۔ لیکن جب ان کی توقعات آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنو اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل کے درمیان سے مبعوث ہوئے جنہیں یہ لوگ عرصۂ دراز سے اپنے سے کمتر اور فروتر سمجھتے تھے اور انھیں اپنے سے نیچا اور ذلیل سمجھنے میں کوئی کسر باقی رکھے ہوئے نہیں تھے، تو جب ان کی امیدوں کے خلاف اس آخری نبی کی بعثت ان کمزوروں اور مظلوموں کے درمیان سے ہوگئی اور انجیل کے لفظوں میں "جس پتھر کو معماروں نے رد کر دیا تھا وہی کونے کے سرے کا پتھر قرار پا گیا"[1] تو اس آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ان لوگوں کا رویہ بالکل ہی تبدیل ہو گیا، انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس سے اپنی نگاہیں پھیرلیں بلکہ صاف طور پر اس کی مخالفت اور انکار پر اتر آئے۔ حالانکہ قرآن کے لفظوں میں وہ اپنی کتابوں کی پیشین گوئیوں اور اپنے رسولوں کی زبانی خوش خبریوں کے ذریعہ اس آخری نبیؐ کو اچھی طرح پہچانتے تھے اور ان کے دلوں میں اس کی صداقت وحقانیت کی نسبت سے ذرہ برابر بھی تردد اور تامل نہیں تھا۔ ذیل کی آیت کریمہ میں اہل کتاب یہود ونصاریٰ کے اسی رویے کا تذکرہ ہے جس کے بعد قرآن انھیں اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق قرار دیتا ہے:

ولما جاءهم كتٰب من	اور جب ایسا ہوا کہ ان (اہل کتاب) کے پاس
عند الله مصدق لما معهم	ہماری طرف سے وہ کتاب آگئی جو ان کے پاس
وكانوا من قبل يستفتحون	موجود (آسمانی کتابوں توراۃ وانجیل) کو (اپنی اصل کے
على الذين كفروا فلما جاءهم	اعتبار سے) حرف بہ حرف تسلیم کرنے والی تھی اور
ما عرفوا كفروا به فلعنة الله	جبکہ صورت یہ تھی کہ اس سے پہلے وہ اس کے لیے
على الكافرين ۝	اپنے حق میں (عرب کے) کافر لوگوں کو چیلنج دیتے
(البقرہ: ۸۹)	تھے (کہ دیکھ کر رہنا کہ وہ آخری کتاب ہمارے درمیان

---

[1] متی کی انجیل باب: ۲۱ - آیت: ۴۲ مشمولہ نیا عہد نامہ، بھارت کی بائبل سوسائٹی بنگلور، مطبوعہ ۱۹۸۸ء - الفاظ ہمارے ہیں۔

ہی آئے گی)۔ تو جب ایسا ہوا کہ (آخری نبیؐ کے
ذریعہ بنو اسماعیل کی معرفت) وہ (کتاب) ان کے
پاس آئی جسے وہ اچھی طرح پہچان رہے تھے
تو انھوں نے اس کے انکار کی روش پر قائم رہنے
کا ہی فیصلہ کیا تو ایسے منکرین حق اللہ کی لعنت
کے سوا اور کس چیز کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

دوسرے موقع پر قرآن کا کہنا ہے کہ ان پیشین گوئیوں اور ان علامتوں کی وجہ سے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لوگ اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح کہ انسانوں کی بھیڑ میں آدمی اپنے سگے بیٹے کو پہچان لیتا ہے۔ یہ الگ ہے کہ قومی اور گروہی عصبیت کے دباؤ میں آج ان کا رویہ اس کے برعکس ہے جس کے نتیجے میں ان کے کچھ لوگ حق بات کو چھپانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں اور دنیوی زندگی کی چند روزہ چودھراہٹ کو برقرار رکھنے کی خاطر آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لا کر آخرت کی ہمیشہ کی ناکامی کا سودا کر رہے ہیں:

۱۔ الذین اٰتینا ھم الکتب یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم و ان فریقا منھم لیکتمون الحق وھم یعلمون ۝ (البقرہ: ۱۴۶)	(اہل کتاب یہود و نصاریٰ) جن کو ہم نے (اپنی) کتاب دی ہے وہ آخری نبیؐ کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح کہ وہ اپنے سگے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ ان کا ایک طبقہ جانتے بوجھتے حق بات کو چھپانے کی کوششوں میں مصروف ہے۔
۲۔ الذین اٰتینا ھم الکتب یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم الذین خسروا انفسھم فھم لا یومنون ۝ (انعام: ۲۰)	(اہل کتاب یہود و نصاریٰ جن کو ہم نے (اپنی) کتاب سے نوازا وہ آخری نبی کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح کہ وہ اپنے سگے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اپنا گھاٹا کرنے پر تلے ہوئے ہیں وہ اس کو مان کر نہیں دے رہے ہیں۔

اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو اس آخری نبیؐ کی پہچان میں کوئی التباس اور اشتباہ ہو بھی کیسے سکتا تھا جبکہ قرآن کی صراحت کے مطابق ان کے جد امجد سیدنا ابراہیمؑ نے اپنے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت اپنی دوسری دعاؤں کے ساتھ اس نبی کی بعثت کے لیے دعا ہی نہیں بلکہ اس کے اوصاف و خصوصیات کی بھی تفصیل کر دی تھی:

ربنا وابعث فيهم رسولا منهم
يتلوا عليهم ايٰتك ويعلمهم
الكتٰب والحكمة ويزكيهم انك
انت العزيز الحكيم ٥
(بقره: ١٢٩)

اے ہمارے آقا! تو بنی اسماعیل کے درمیان انہی کے اندر سے ایک رسول کو مبعوث فرما جو ان کے سامنے تیری آیتوں کو پڑھ کر سنائے اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کے تزکیہ کا سامان کرے۔ بلاشبہ تو ہی سب سے بڑھ کر طاقت والا، حکمت والا ہے۔

اور اس نبیؐ کی یہی خصوصیات ہیں جن کا تذکرہ اس کی بعثت کے وقت انہی الفاظ میں کرایا۔[1] اور سلسلۂ اسرائیلی کے آخری نبی حضرت عیسیٰؑ جن کے حق میں تورات کی اسی طرح کی خوش خبریاں اور بشارتیں موجود تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی صراحت کے ساتھ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش خبری سنائی۔ یہ الگ ہے کہ شریعت نا آشنا نادان عربوں کی طرح ان لوگوں نے بھی محض اپنی ضد سے اس کے آنے والے 'پیغام ربانی' کو جادوگری اور 'سحر' سے تعبیر کیا:

واذ قال عيسى بن مريم يٰبني
اسرآئيل إني رسول الله اليكم
مصدقا لما بين يدي من
التوراة ومبشرا برسول يأتي
من بعدي اسمه احمد فلما
جاءهم بالبينات

اور وہ بھی کیا وقت تھا جبکہ مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل کے لوگو! میں تمہارے پاس اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ مجھ سے پہلے جو تورات ہے اپنے حق میں اس کی خوشخبریوں اور بشارتوں کا مصداق ہوں ساتھ ہی اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی خوش خبری سنانے

---

[1] بقرہ: ١٥١، جمعہ: ٢

قالوا هٰذا سحر مبين ٥ (صف : ٦)

والا ہوں جس کا نام احمدؐ ہوگا۔ ترجمہ: پھر جب ایسا ہوا کہ یہ رسول ان کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لے کر آگیا تو اس کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

چنانچہ اسلام کے صدرِ اول میں اس کی ایک سے ایک مثالیں موجود ہیں کہ اہلِ کتاب عالموں اور راہبوں ہی نے نہیں، تورات و انجیل کے دوسرے واقف کاروں نے بھی محض ان کتابوں کی داخلی شہادتوں کی بنیاد پر آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اس کے مصداق کو پا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و حقانیت کا کھلے بندوں اعتراف کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تورات و انجیل کی یہی واضح شہادتیں تھیں جن کے نتیجے میں قیصرِ روم ہرقل نے اپنے دربار میں جس کے پس منظر کا حوالہ اس سے پہلے گزر چکا ہے، جناب ابوسفیان کے وفد سے ان کی نمائندگی میں اپنے طویل سوال و جواب میں ان کے جواب کی تمام دفعات کو اپنے موافق پانے کے ساتھ ان کی تصدیق و اعتراف کرتے ہوئے آخر میں یہ کہنے کے لیے اپنے کو مجبور پایا تھا کہ:

.....فان كان ما تقول حقا فسيملك موضع قدمي هاتين

......(ابوسفیان) اگر تم وہ بات جو کہہ رہے ہو وہ سچ ہے تو سن لو کہ میرے قدموں

ل قرآن حکیم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام باقی تمام مقامات پر محمدؐ (آل عمران ۱۴۴، احزاب ۴۰ اور فتح ۲۹) صرف زیرِ نظر آیت میں احمدؐ ہے۔ حدیث میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا نام محمدؐ، دوسرا احمدؐ ہے (موطا: ۲/۲۶۲، مکتبہ تجاریہ کبریٰ، مصر)۔ زیرِ بحث آیت کی بشارت کا بظاہر تقاضا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل اور زیادہ معروف نام احمدؐ، بعد میں محمدؐ ہوتا، جس سے اس کی صداقت زیادہ آشکارا اور اس پر ایمان کے لیے مزید مہمیز ہوتی۔ ذاتِ نبویؐ کے نام میں 'احمدؐ' کی شہرت 'محمدؐ' سے کم نہیں۔ لیکن چونکہ پچھلی شریعتوں سے امتیاز اور تشبہ سے اجتناب آخری شریعت کا مستقل اصول ہے۔ اس لیے غالباً اس کی رعایت سے 'احمدؐ' کے اوپر 'محمدؐ' کو فوقیت دی گئی، تاکہ پچھلی شریعتوں سے آخری شریعت کے امتیاز کے ساتھ حاملِ شریعتؐ کے نام میں بھی یہ امتیاز اسی طرح معلوم اور متعین رہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وقد كنت اعلم انه خارج	تلے جو جگہ اس پر اس کا اقتدار قائم ہو کر رہے گا
ولم اكن اظن انه منكم	اور میں اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ شخص نمودار ہونے
فلو اني اعلم اني اخلص	والا ہے لیکن میں یہ نہیں سمجھتا کہ وہ تم لوگوں
اليه لتجشمت لقاءه ولو	کے درمیان پیدا ہوگا۔ اگر مجھ کو اس بات کا
كنت عنده لغسلت عن	یقین ہوتا کہ میں ان تک پہنچنے میں کامیاب
قدميه[1]	ہو جاؤں گا تو میں ضرور ان سے ملاقات کی کوشش
	کرتا اور اگر مجھ کو ان کے ہاں باریابی کا شرف
	حاصل ہوتا تو میں ان کے پاؤں دھونے
	کی سعادت حاصل کرتا۔

دوسرا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی کے نزول کے بعد کا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ نزولِ وحی سے عرصہ قبل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر خاص کیفیات طاری رہنے لگی تھیں اور آپؐ کے انداز خاصے بدل سے گئے تھے۔ چنانچہ اس زمانے میں آپؐ کو جو خواب نظر آتے وہ دن کے اجالے کی طرح حرف بہ حرف صادق آتے، اسی طرح اس زمانے میں آپؐ کو تنہائی پسندی اور خلوت گزینی سے خاص شغف ہو گیا تھا اور آپؐ کئی کئی دنوں کے لیے کھانے پینے کا معمولی سامان لے کر غارِ حرا میں عبادت و ریاضت کے لیے معتکف ہو جاتے تھے۔ اس کے باوجود جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی کا نزول ہوا تو آپؐ کے سابقہ احوال سے ہٹ کر یہ بالکل انوکھا اور غیر معمولی نوعیت کا تجربہ ہونے کے باعث اس سے طبعی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھبراہٹ اور بے چینی کا سامان ہوا۔ آپؐ کی محبوب رفیقۂ حیات آپؐ کی اس گھبراہٹ اور بے چینی کے ازالے کی خاطر آپؐ کو لے کر اپنے چچازاد بھائی جناب ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو دورِ جاہلیت ہی میں عیسائیت قبول کر چکے تھے۔ انھیں انجیل پر غیر معمولی دسترس حاصل تھی اور یہ اس کے بہت بڑے عالم شمار کیے جاتے تھے۔ اس وقت ان کی عمر کافی ہو چکی تھی اور بینائی بھی جاتی رہی تھی۔ چنانچہ حضرت

---

[1] بخاری جلد ۱۔ باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

خدیجہ کے متوجہ کرنے پر انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی کے پہلے تجربے کی تفصیل معلوم کی۔ جس کے بعد ان کے لیے اس اعلان کے سوا دوسرا چارہ نہ رہا۔ اس پورے سوال و جواب کو اصل الفاظ میں نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

....فقال له ورقة هذا الناموس الذي نزّل الله على موسٰى يا ليتني فيها جذعا يا ليتني اكون حيا اذ يخرجك قومك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم او مخرجيّ هم قال نعم لم يات رجل قط بما جئت به الا عودي وان يدركني يومك انصرك نصرا مؤزرا[1]

.....اس پر جناب ورقہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے کہا کہ یہی وہ فرشتہ ہے جسے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے پاس بھیجا تھا۔ کاش کہ اس زمانے تک میرے اندر توانائی باقی رہتی اور اے کاش کہ اس وقت میں زندہ رہتا جبکہ تمہاری قوم تم کو اپنے گھر بار سے نکالے گی۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ آیا ایسا ہوگا کہ یہ لوگ مجھ کو میرے گھر بار سے نکال دیں گے۔ اس پر ان کا جواب تھا کہ ہاں۔ تم جو پیغام لے کر آئے ہو اسے لے کر جو شخص بھی جب کبھی آیا ہے اسے عداوت اور دشمنی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ہاں اگر اس وقت تک میری زندگی نے وفا کی تو میں اپنی پوری طاقت لگا کر تمہاری مدافعت کی کوشش کروں گا۔

جناب ورقہ بوڑھے تو ہو ہی چکے تھے۔ جلد ہی ان کا آخری وقت بھی آگیا۔ اس عرصے میں وحی کا سلسلہ منقطع تھا جس کی وجہ سے دوبارہ ان سے مراجعت کی نوبت کبھی نہیں آئی[2]۔ یہ تاخیر نزول وحی

---

[1] بخاری، حوالہ سابق

[2] حوالہ مذکور

اور نبوت کے بعد کے واقعات ہیں۔ اصل کتاب عالموں اور راہبوں کی طرف سے اس نسبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتراف وپہچان کی مثالیں اس سے پہلے کی موجود ہیں۔ چنانچہ اپنے بچپن ہی میں اپنے چچا جناب ابوطالب کے ساتھ آپؐ نے شام کا جو تجارتی سفر کیا تھا اس موقع پر وہاں کے مشہور راہب بحیریٰ نے جسے اپنے مذہب نصرانیت کے سلسلے میں اس وقت مرجعیت کا مقام حاصل تھا، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات آپؐ کے طرز وانداز اور آپ کے سراپا کو دیکھتے ہی آئندہ کے لیے آپؐ کی نبوت کی خوش خبری سُنا دی تھی۔ ساتھ ہی اپنی انہی معلومات کی روشنی میں وہاں یہود کی امکانی شرارتوں کے پس منظر میں اس نے جناب ابوطالب کو اپنے بھتیجے کو یہاں سے جلد وطن واپس لیجانے کی تاکید کی تھی[۱] اسی طرح اس کے کافی عرصہ بعد حضرت خدیجہؓ سے شادی سے ذرا قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچ گوئی، امانت داری اور اخلاق عالیہ کی خبروں سے متاثر ہوکر اپنے سرمائے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجارت کی پیش کش کے معاملے کے طے ہوجانے کے بعد، ان کے غلام 'میسرہ' کے ہمراہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عازم سفر ہوکر شام پہنچے تو ایک نصرانی راہب کی کٹیا 'صومعہ' کے قریب ایک درخت کے سایے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فروکش ہوئے۔ اتفاق سے اس موقع پر اس راہب کا میسرہ کے پاس آنا ہوا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں جو اس درخت کے نیچے فروکش ہیں۔ اس کے جواب میں 'میسرہ' نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کرایا تو اس راہب کا جواب تھا:

قال له الراهب: ما نزل تحت هذه الشجرة قط الا نبي[۲] — اس راہب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اس درخت کے نیچے جو کوئی فروکش ہوا ہے تو وہ کوئی نبی ہی ہوا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس نصرانی راہب کا تبصرہ بھی یقیناً کسی کتابی پیشین گوئی اور

۱۔ سیرۃ ابن ہشام: ۱/۱۹۶-۱۹۸ - محولہ بالا

۲۔ حوالہ سابق: ۱/۲۰۳۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس کے ہاں کی معروف علامات و خصوصیات کے حوالہ سے ہی ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دولتِ اسلام سے سرفراز ہونے والے اہلِ کتاب علماء کعب احبار رضؓ اور حضرت عبداللہ بن سلام کی اپنی کتابوں کے حوالہ سے تفصیلی شہادتیں اس کے علاوہ ہیں جس کی تفصیل ہمارے یہاں کتب حدیث میں مذکور ہے[1] اور اسے تو آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی حقانیت کی دلیل ہی کہا جاسکتا ہے کہ تورات وانجیل میں ہزاروں برس کی یہود و نصاریٰ کی مسلسل اور لگاتار تحریفات کے باوجود آج بھی اس کے صفحات میں ایسے بے شمار شواہد موجود ہیں جو انگلیوں کے اشارے سے بتا رہے ہیں کہ ان کا مصداق اگر کوئی ہوسکتا ہے تو صرف اور صرف خدا کے آخری نبی حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوسکتے ہیں[2] اور اس سے بھی حیرت انگیز بات یہ کہ ہندوستان کی قدیم مذہبی کتابوں بالخصوص ویدوں میں جنہیں بظن غالب، جیسا کہ ایک سے زائد بار گزر چکا ہے، ہمارا الہامی ماننے کا رجحان ہے، ان کے اندر بھی آج ایسے مختلف اور متعدد نظائر پائے جاتے ہیں جن کا اگر کسی ہستی پر صحیح صحیح انطباق ہوسکتا ہے تو بس الٰہی 'انتم رشی' اور 'آخری

---

[1] اس کے ایک نمونے کے لیے ملاحظہ کیجئے: سنن الدارمی جلد ۱ مقدمہ الکتاب، باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الکتب قبل مبعثہ، صفحات ۱۶ – ۱۸ ۔ دار الریان للتراث، قاہرہ ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۷ء، طبعہ اولی تحقیق و تخریج: فواد احمد زمرلی اور خالد السبع العلمی۔

[2] اس کی بعض مثالوں کے لیے ملاحظہ کیجئے: مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی کی کتاب 'حجۃ الاسلام' صفحات ۱۱۰ تا ۱۱۸، مطبوعہ مدینہ پریس بجنور۔ نیز: قرآن مجید کا تعارف صفحات ۱۱۶ تا ۱۱۹۔ بحوالہ بالا۔ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق توراۃ وانجیل کی مزید پیشن گوئیوں کے لیے ملاحظہ ہو۔ تفہیم القرآن: ۵/۵۹ ۴ – ۶۳ ۴۔ مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند دہلی۔ بار اول ۱۹۷۲ء انجیل برنا باس جسے مسیحی دنیا نے عرصہ دراز تک چھپائے رکھنے کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھا اس میں یہ پیشین گوئیاں اور بھی صراحت سے ہیں اس کی ایک جھلک کے لیے تفہیم، حوالہ سابق ص ۴۱ تا ۴۴۔ بحوالہ بالا۔ آسی ضیائی کے ترجمہ کے ساتھ اب یہ انجیل اردو میں بھی دستیاب ہے مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی بار اول ۱۹۸۲ء

نراشنس، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی ہوسکتا ہے[1]

اتحاد مذاہب کی اصل حقیقت :

"وحدت ادیان" کے مروجہ ہندوستانی نظریے کے برخلاف اسی تفصیل سے اتحاد مذاہب کی اصل حقیقت بھی سامنے آجاتی ہے ۔ یہ بات بالکل درست اور واقعے کے مطابق ہے کہ آج مذاہب عالم کی نمائندہ کتابوں میں عقائد وعبادات سے لے کر معاملات زندگی تک بہت سی ایسی باتیں دیکھنے کو ملتی ہیں جن میں غیر معمولی مشابہت اور یکسانیت پائی جاتی ہے ۔ تورات اور انجیل میں تو یہ چیز نمایاں طور پر موجود ہے ہی جو قرآن کی صراحت کے مطابق آسمانی کتابیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دو جلیل القدر پیغمبروں حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر اتاری گئیں جبکہ یہ لوگ حقیقت اور واقعہ کے اعتبار سے اسی دین اسلام کے داعی اور اس کے نمائندے تھے جس کا سلسلہ پہلے پیغمبر حضرت آدمؑ

---

[1] تفصیل کے لیے ڈاکٹر وید پرکاش اپادھیائے: کلکی اوتار اور محمدؐ صاحب ۔ الہ آباد ۱۹۶۹ء (ھندی) نیز انہی کی: نراشنس اور انتم رشی، الہ آباد ۱۹۷۰ء (ھندی) ۔ نیز ان دونوں کتابوں پر مرحوم حافظ ابو محمد رام نگری کا تبصرہ جس میں اپادھیائے جی کے بعض بیانات کو صحیح سمت اور صحیح رخ دے کر راہ حق کو مزید واضح کر دیا گیا ہے ۔ کتاب بعنوان: وید کے رشی نراشنس، قرآن کے انتم ایشوردوت محمدؐ ۔ اسلامی ساہتیہ سدن، رام نگر، بنارس ۱۹۶۹ء ۔ اپادھیائے جی کی دوسری کتاب کا اردو ترجمہ بھی جناب وصی اقبال صاحب کے قلم سے مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی سے شائع ہو چکا ہے ، بار دوم ۱۹۹۲ء زیر عنوان: نراشنس اور آخری رسولؐ ۔ جس کا نصف سے زائد حصہ اس مضمون کے عہدنامۂ قدیم وجدید اور بودھ مذہبی صحائف کی تعلیمات وبیانات کی تفصیل پر مشتمل ہے ۔ بھارت کی مذہبی کتابوں میں حضرت محمدؐ کے ذکر کے مختصر جائزے کے لیے: مولانا محمد فاروق خاں صاحب ، آثار صداقت ، مطبوعہ اسٹوڈنٹس اسلامک پبلیکیشنز ، نئی دہلی بار اول ۱۹۹۱ء ۔ سکھ مت کے بانی بابا گورونانک کے یہاں بھی بعض ایسی بانیاں ملتی ہیں جن کے مطابق حق تعالیٰ کی خوشنودی اور جنت کے حصول کے لیے رسالت محمدیؐ کے اقرار کو لازم قرار دیا گیا ہے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں: پہلا نام خدا دا دوجا نام رسول تیجا کلمہ پڑھ لے نانک جو درگاہ پاوے قبول ۔ نیز یہ کہ: باجھ محمدؐ جنت نہیں ست گرو یہ فرمایا ۔ (محمدؐ کے بغیر جنت نہیں ہے سچے گروؤں نے یہ فرمایا ہے) ۔ نصیحت در بار صاحب حصہ اول پادشاہی ۔

سے لے کر آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام ہوتا ہے جسے بعد میں بدقسمتی سے ان کے نادان پیرودوں نے 'یہودیت' و 'عیسائیت' کے الگ الگ ناموں سے دو مختلف مذاہب کی صورت میں تبدیل کر دیا۔ نام نہاد پیروان موسیٰؑ و مسیحؑ کی تلبیسات و تحریفات کی زد سے بچ کر آج تورات و انجیل میں تو بے شمار چیزیں ایسی پائی ہی جاتی ہیں جن میں صاف طور پر اللہ کی آخری کتاب 'قرآن' کا عکس نظر آتا ہے۔ یہاں تک ان کا جو حصہ ان تحریفات سے محفوظ رہ سکا ہے اس کی ترتیب اور انداز بیان میں تو قرآن سے غیر معمولی مشابہت و یکسانیت محسوس ہوتی ہی ہے[1] دل پر اس کا اثر بھی نمایاں طور پر محسوس ہوتا ہے اور عبرت و نصیحت اور تذکیر و یاد دہانی کا بہت کچھ سامان آج بھی اس سے حاصل ہوتا نظر آتا ہے[2] تورات و انجیل میں قرآن کے مضامین سے یہ یکسانیت و ہم آہنگی تو ایک سامنے کی حقیقت ہے ہی، بظن غالب دوسری امکانی آسمانی کتابوں میں بھی یہ چیز مفقود اور نایاب نہیں ہے جس کی سب سے نمایاں مثال ویدوں، پرانوں، اپنشدوں اور سمرتیوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ چنانچہ مذہب کے بنیادی مسائل خدا و آخرت پر ایمان اور عبادت کے طور طریقے وغیرہ سے لے کر معاشرت و معیشت اور حکومت و سیاست کے پھیلے ہوئے معاملات زندگی کے مختلف و متنوع دائروں تک آج بھی ان کتابوں میں ایسی بے شمار چیزیں ملتی ہیں جن کو اسلام اور اس کی نمائندہ کتاب الٰہی 'قرآن' کا عکس اور اس کی صدائے بازگشت قرار دیا جا سکتا ہے[3] دوسرے امکانی الہامی

---

[1] اس کے نمونے کے لیے ملاحظہ کیجئے خاص طور پر عہد نامہ قدیم کی کتابیں ۱۔ پیدائش ۲۔ خروج ۳۔ احبار ۴۔ گنتی اور ۵۔ استثنا۔ جن کے مضامین میں جابجا قرآن سے غیر معمولی مشابہت نظر آتی ہے۔

[2] اس کی مثال کے لیے عہد نامۂ جدید کی اولین چاروں انجیلیں ۱۔ متی کی انجیل ۲۔ مرقس کی انجیل ۳۔ لوقا کی انجیل اور ۴۔ یوحنا کی انجیل جس کے مضامین کی اکثر مقامات پر قرآن سے مشابہت کے ساتھ عبرت و نصیحت کے پہلو سے ان کے اندر بلا کی تاثیر محسوس ہوتی ہے اور اس حیثیت میں ان سے آج بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ کتاب مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ۔ بائبل سوسائٹی ہند بنگلور ۱۹۸۶ء

[3] ویدوں میں اسلام کے مطابق عقیدہ توحید و آخرت سے متعلق تعلیمات کا حوالہ کتاب کے پہلے باب میں گزر چکا ہے۔ ان میں عالم آخرت اور برزخ کا جو بیان ملتا ہے اور دوزخ کے عذاب اور جنت کی نعمتوں کی جو تفصیلات ہیں وہ بھی قرآن کے بیان =

مذاہب کے سلسلے میں بھی یہی بات صادق آتی ہے اور ان کی نمائندوں سے بھی ایسے نمونے تلاش کر لینا کچھ مشکل نہیں ہے[۵]۔ لیکن اس یکسانیت وہم آہنگی کا یہ مطلب ہرگز ہرگز درست نہیں ہوسکتا کہ کسی فرق و امتیاز اور کسی ترجیح و انتخاب کے بغیر آج دنیا میں پھیلے ہوئے بلکہ آئے دن گھڑے اور ایجاد کیے جانے والے ان گنت اور بے شمار مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کی پیروی سے بھی کسی کور کسر کے بغیر مکتی اور نجات حاصل کی جاسکتی ہے، اور اس کائنات اور انسانوں کے خالق و مالک بزرگ و برتر خدائے واحد عزوجل کی خوشنودی اور رضامندی کا یکساں طور پر حصول ممکن ہوسکتا ہے۔ جبکہ صورت یہ ہے کہ غیر یقینی آسمانی مذاہب ہندومت، بدھ مت اور جین مت وغیرہ کو تو چھوڑئیے کہ اصلاً یہ آج شرک و بت پرستی، اوتار واد اور وحدۃ الوجود کے نمائندہ مذاہب ہیں اور انہی سے ان کی شناخت قائم ہے، یقینی آسمانی مذہب۔ اسلام۔ کی بگڑی ہوئی شکلوں یہودیت و عیسائیت، اور ان کی نمائندہ کتابوں تورات و انجیل، یعنی

---

[۵] کافی ملتی جلتی ہیں (محمد فاروق خاں: ویدک ادب (؟) ص ۱۲۱، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی بار اول ۱۹۸۲ء) اس کے علاوہ ان کتابوں میں پائی جانے والی دوسری جزوی تعلیمات سے قطع نظر منوسمرتی اور ویدوں میں نظام حکومت و سلطنت کے سلسلے میں پابند دین سیاست، حکومت کا شورائی نظام، حدود اللہ کا بے لاگ نفاذ، عدل و انصاف پر مبنی نظام حکومت اور جنگی اصولوں وغیرہ سے متعلق جو تعلیمات ملتی ہیں انھیں بھی قرآن کی صدائے بازگشت ہی کہا جاسکتا ہے۔ (ملاحظہ ہو: خالد حامدی: ویدک دھرم دیانند سرسوتی کے نقطۂ نظر سے، کی آخری بحث نظام حکومت و سیاست صفحات ۶۰ تا ۶۸۔ طبع مذکور۔ مزید تفصیل کے لیے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی کا مقالہ "اسلام اور ہندو مذہب کی بعض مشترک تعلیمات" مطبوعہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، اپریل ۱۹۵۲ء۔

[۶] یہودیت اور عیسائیت کے علاوہ بیرون ہند کے ماقبل اسلام کے الہامی دعوے کے علمبردار مذاہب کے مطالعے کا یہ دلچسپ نکتہ ہے۔ اس زاویۂ نظر سے مذاہب عالم کے مطالعے سے چونکا دینے والے حقائق سامنے آسکتے ہیں اور اسی مطالعے کی روشنی میں اتحاد مذاہب کی اصل حقیقت بھی سامنے آسکتی ہے۔ قرآن کی صراحت کے مطابق یقیناً خدا کے پیغمبر دنیا کے ہر خطے میں آئے ہیں اور قرآن میں مذکور الہامی کتابوں کے علاوہ دوسری ممکنہ الہامی کتابوں کے امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا لیکن ان سب کے اندر پائی جانے والی حقیقت جزوی ہے۔ قرآن اور آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خدائی دین کی صحیح معرفت اب صرف اور صرف اسی ایک واسطے سے ممکن ہے۔

کہ آج کے عہد نامۂ قدیم و جدید میں بھی نام نہاد پیروان موسیٰؑ و مسیحؑ کے ہاتھوں ایسی بنیادی اور جوہری تبدیلیاں ہوگئی ہیں اور ان کا چہرہ اس بری طرح سے مسخ ہوکر رہ گیا ہے کہ ان کے درمیان حق اور باطل اور اس کے انسانی اور الہامی حصے کے درمیان فرق و امتیاز کرنا مشکل ہی نہیں بالکل ناممکن ہوگیا ہے جس کے نتیجے میں آج 'یہودیت' نسل پرستی کا دوسرا نام ہے اور 'عیسائیت' عملاً حضرت مسیحؑ کو خدا قرار دے کر خدا پرستی کے بجائے انسان پرستی کا مذہب بن گئی ہے۔ پس اس صورت واقعہ کے باوجود اگر مذاہبِ عالم کی نمائندہ کتابوں میں آج یکساں اور مشابہ مضامین و مواد کا سراغ ملتا ہے تو اس سے کلام الٰہی کی سخت جانی کے ساتھ صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ضرور ایک سرچشمہ ہے جس سے یہ تمام سوتے پھوٹے ہیں اور ایک ہی بزرگ و برتر ہستی ہے جس نے مختلف ادوار اور مختلف زمانوں میں اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے انہی میں سے کچھ منتخب انسانوں کو اس کام کیلئے مامور کرکے انھیں اپنا مہبط وحی قرار دیا اور دوسرے تمام انسانوں کے لیے ان کی بے چون و چرا پیروی کو دنیا و آخرت کی فلاح اور حق تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کیلئے ناگزیر گردانا چنانچہ اسلام اسی حقیقت کا قائل ہے جو اپنے زمانوں کیلئے تمام آسمانی کتابوں کی صداقت و حقانیت کو کھلے دل سے تسلیم کرتے ہوئے 'قرآن' کو خدا تعالیٰ کی آخری کتاب قرار دیتا ہے۔ اپنے بندوں کے نام حق تعالیٰ کے پیغام کو آج محفوظ صورت میں صرف اسی کتاب کے صفحات میں دیکھا جاسکتا ہے: پچھلی آسمانی کتابوں میں آج بھی اس کتاب اور اس کے لانے والے آخری پیغمبر کے حق میں واضح بشارتیں موجود ہیں ہی، جن کی طرف اشارہ گزرا، اگر آج پچھلی آسمانی کتابیں اپنی واقعی اور اصلی صورت میں موجود ہوتیں تو خدا تعالیٰ کی آخری کتاب سے ان کا کسی ایک گوشے میں بھی فرق اور ٹکراؤ نہ ہوتا۔

پس بلاشبہ آج مختلف مذاہب اور ان کی نمائندہ کتابوں میں ایسی بے شمار باتیں اور چیزیں ملتی ہیں جن میں غیر معمولی یکسانیت اور ہم آہنگی نظر آتی ہے[1] لیکن اس سے اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ ان کا سرچشمہ ایک ہے

---

[1] ڈاکٹر بھگوان داس نے اپنی مشہور زمانہ کتاب (Essential Unity of All Religions) میں مختلف مذاہب کی اس پہلو سے جس طرح نمائندگی کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اس سلسلے میں صریح غلطیوں اور خامیوں سے قطع نظر جس کے بعض نمونوں کی نشان دہی ہم نے کتاب کے پہلے باب میں کی ہے، اس کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ مذاہب کی تعلیمات کو ان کے بنیادی فلسفے سے کاٹ کر بالکل مجرد اور علیحدہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ بزرگ ہندو رہنما آنجہانی ونوبا جی کی 'روح القرآن' کے ساتھ بھی یہی سانحہ ہے۔ بظاہر نیک مقصد سے مرتب کی گئی اس کتاب کی بھی اصل کمی یہی ہے کہ اس =

اور ایک ہی خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے ہوسکتی ہیں اور اسلام اسی کا قائل ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب لینا ہرگز ہرگز درست نہیں ہوسکتا مذاہب عالم کے درمیان پائے جانے یا پیدا کر دیئے جانے والے ان بنیادی اور جوہری اختلافات کے باوجود جن کی کسی قدر تفصیل کتاب کے پہلے باب میں گزر چکی ہے، ترجیح و انتخاب کی کوئی زحمت اٹھائے بغیر ان میں سے کسی ایک کی پیروی سے خدائے حی و قیوم کی خوشنودی و رضامندی یکساں طور پر حاصل کی جاسکتی ہے۔ اور توحید و شرک، خدا پرستی و انسان پرستی، اور خدا کے اقرار اور اس کے انکار ہر ایک سے اس عظیم ہستی کو خوش کیا جاسکتا اور ہر ایک کے حق میں اس کی یکساں سند اور تائید حاصل کی جاسکتی ہے۔

احترام مذاہب کی صحیح صورت :

اور اسی گفتگو سے احترام مذاہب کی صحیح صورت بھی واضح ہوجاتی ہے۔ 'وحدت ادیان' کے مروجہ ہندی فلسفے کا اصل مفاد اور اس کی اصل خوبی یہی بیان کی جاتی ہے کہ اس کے ذریعہ سے تمام مذاہب کا یکساں احترام قائم ہو کر انسانی بھائی چارے اور مفاہمت کی فضا قائم ہوتی ہے۔ اگر کوئی مذہب یا اس کے ماننے والے اس بات پر اصرار کرنے لگیں کہ تنہا انہی کا مذہب برحق ہے اور صرف اسی مذہب کی مخلصانہ پیروی سے دنیا و آخرت کی فلاح اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول ممکن ہے، تو اس سخت گیر رویے سے نفرت کی دیواریں کھڑی ہوں گی اور دوریاں بڑھیں گی۔ لیکن بظاہر یہ بات جتنی نیک اور معصومانہ نظر آتی ہے، اپنی حقیقت کے اعتبار سے، جیسا کہ اس باب کے آغاز میں ہے اس کی تفصیل کر چکے ہیں، یہ اتنی ہی خطرناک اور انسانیت کے لیے سم قاتل اور زہر ہلاہل ہے۔ اس لیے کہ ایسا کہنے کا

= میں آیات قرآنی کے سادہ ترجموں کو ان کے صحیح پس منظر اور کتاب اللہ کے اصل فلسفے سے کاٹ کر انھیں بے روح اور معنوی طور پر محرف کر دیا گیا ہے۔ اور اس لحاظ سے اس کتاب کا نام 'روح القرآن' کے بجائے 'مسخ القرآن' (Distortion of Quran) رکھنا مناسب ہے۔ 'روح القرآن' از دلونیا بست شائع کردہ اکھل بھارت سرو سیوا سنگھ پرکاشن۔ کاشی۔ ایڈیشن اول۔ جون ۱۹۶۳ء

دوسرا مطلب ہے کہ مذہب خدا کا کوئی عطیہ (GOD GIFTED) نہیں بلکہ انسانوں کا ساختہ و پرداختہ (MAN MADE) ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات اور اس کی شاہکار مخلوق انسان کو اپنی تمام تر نعمتوں اور آسائشوں سے بہرہ ور کرنے کے باوجود جنہیں کہ ہر شخص برت رہا اور ذاتی طور پر ان سے مستفید ہو رہا ہے، طریقۂ زندگی (WAY OF LIFE) کے بارے میں اس نے اس کو بالکل آزاد اور بے حساب (SCOT - FREE) چھوڑ دیا کہ کسی فرق و امتیاز کے بغیر اس مقصد سے وہ جس الہامی یا غیر الہامی مذہب کا انتخاب کرے، یا بعض مذاہب کے مطابق وہ سرے سے مذہب کی قید سے آزاد ہو کر لامذہب (नास्तिक) ہو جائے، حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی صحت پر اس سے کوئی اثر پڑتا ہے، نہ اس کی پیشانی پر اس سے کوئی شکن آتی ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ جس کسی کے اندر خالق کائنات خدائے بزرگ و برتر کی عظمت و کبریائی کا کسی درجے میں بھی احساس ہو وہ احترام مذہب کی مذکورہ صورت تسلیم کرکے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی اس بے قدری کو گوارا کر سکتا ہے۔ ہم بار بار کہتے آئے ہیں کہ مذہب (धर्म) کا معاملہ کوئی کھیل کود کا معاملہ نہیں، یہ زندگی کا سب سے سنجیدہ مسئلہ ہے۔ جس کے صحیح یا غلط انتخاب پر دنیا کی زندگی اپنی جگہ دوسری دنیا کی ہمیشہ کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار ہے۔ عجیب بات ہے کہ وہی انسان جو اپنی غیر یقینی چند روزہ زندگی میں مثال کے طور پر اپنی رفیقۂ حیات کے انتخاب میں ہزار جتن کرتا ہے، بازار سے معمولی سامان خریدتا ہے تو اسے دس بار ٹھونک بجا کر لیتا ہے اور ہمیشہ معیاری سے معیاری (STANDARD) کمپنی کا مال خریدنے کو ترجیح دیتا ہے، عجیب سانحہ ہے کہ وہی انسان انتخاب مذہب کے زندگی کے سب سے اہم ترین سودے میں اس لاپروائی اور سہل انگاری میں کوئی مضائقہ اور کوئی حرج محسوس نہیں کرتا ہے کہ آنکھ بند کرکے جس مذہب کی پیروی چاہو اختیار کرلو، نہ اس کی کوالٹی کو جانچو، نہ اس کے استناد اور معیار کو پرکھو، نہ اس کی کمپنی کے رجسٹرڈ یا غیر رجسٹرڈ ہونے کی تصدیق کرو بلکہ پوری بے پروائی سے اپنی قسمت کسی بھی مذہب کی جھولی میں ڈالدو، مکتی اور نجات کی کوئی نہ کوئی صورت حاصل ہو ہی جائے گی اور دھرم ساگر کسی نہ کسی کنارے پر تو تمہیں ڈال ہی دے گا۔ یہ الگ ہے کہ یہ کنارہ قرآن کے لفظوں میں ریت کا صحرائے ناپیدا کنار ہو جہاں سراب ہی سراب ہو، پانی کی تلاش میں آدمی جس قدر دوڑے اس کی پیاس میں اسی قدر اضافہ ہو۔ اور اسی بے مصرف کی تگ و دو میں اسے اپنے جسم و جان کے بندھن سے بھی رستگاری مل جائے۔ یا پھر وہ اس اتھاہ سمندر کی تاریکی سے نکلنے میں ہی کامیاب نہ ہو جو موجوں پر

موجوں کے تھپیڑے میں ہو اور اس کے اوپر سے بادلوں کی گھنی چھاؤں ہو اور اس طرح تاریکیوں کا یہ عالم ہو کر اس کے اوپر دوسری کی تہ چڑھی ہوئی ہو گھٹا ٹوپ تاریکی کے اس ناپیدا کنار سمندر میں وہ اپنا ہاتھ بھی نکالے تو وہ اسے نظر نہ آئے اور اسی میں گھٹ گھٹ کر اس کی جان تن سے جدا ہو جائے۔

پس احترام مذاہب کی یہ نقلی اور مصنوعی صورت، اسلام کی ناقدریت کے ساتھ کبھی بھی انسانیت کے لیے باعث خیر و برکت نہیں ہو سکتی کہ عام طور پر مذاہب عالم کی بنیادی اور جوہری خامیوں اور کمزوریوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہر ایک کو اپنی طرف سے یکساں استناد اور قبولیت کی سند عطا کی جائے اور خدا کے منہ میں اپنی بات کو ڈالتے ہوئے کسی ترجیح و انتخاب کے بغیر ان میں سے کسی بھی ایک کی پیروی سے یکساں طور پر اس کی رضا مندی اور خوشنودی کی امید باندھ لی جائے۔ ہرگز ہرگز وہ ڈاکٹر اپنے مریضوں اور ان کے سرپرستوں کا بہی خواہ نہیں ہو سکتا جو ان کے امراض کی پردہ پوشی کرتے ہوئے محض ان کو دل شکنی اور مایوسی سے بچانے کی غرض سے ان کو صحت مند اور کام کے قابل قرار دے دے اور وقفے وقفے سے ان کے حق میں اس صحت مندی (FITNESS) کی سرٹیفکیٹ بھی جاری کرتا رہے۔ اگر ایسا حکیم اور ڈاکٹر ایسے مریضوں کا بہی خواہ اور ہمدرد نہیں بلکہ ان کا سب سے بڑا بدخواہ اور بدترین دشمن ہے تو کسی فرق و امتیاز کے بغیر تمام مذاہب کی یکساں صحت مندی کا سرٹیفکیٹ جاری کرنے والوں کا معاملہ بھی اس سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔ مذہب کے ساتھ اہل مذہب کی اصلی اور حقیقی ہمدردی اور بہی خواہی اس میں ہے کہ انھیں خود اس کی تلاش اور جستجو تو ہو ہی کہ زندگی کا یہ سب سے زیادہ سنجیدہ اور اہم ترین مسئلہ ہے، ان کے سامنے تصور مذہب کی صحیح صورت کی ترجمانی کی جائے۔ اور مذاہب عالم کے اس ازدحام میں جہاں ترجیح و انتخاب کے مرحلے سے گزرے بغیر حقیقی اور سچے مذہب کی تلاش مشکل ہے، اس ترجیح و انتخاب کے آسان طریقے کی نشاندہی کر کے اہل مذہب کی اس سب سے بڑی مشکل کو آسان کر دیا جائے۔ اس سے ہٹ کر جہاں تک مذاہب کے واقعی مطلوبہ احترام کا تعلق ہے کہ کسی مذہب اور اس کے نمائندہ شخصیتوں اور ان کے مسلمہ شعائر کی بے حرمتی نہ ہونے پائے اور اس کے ذریعے اس کے پیروؤں کی دل آزاری اور دل شکنی سے اجتناب کیا جائے تو اس کا سب سے زیادہ لحاظ اسلام کو ہے۔ شرک و بت پرستی اسلام کے لیے جس قدر ناقابل قبول اور اس نسبت سے اس کے لیے ناگوار اور ناخوش گوار ہو سکتی ہے معلوم ہے لیکن اس کے باوجود قرآن اپنے ماننے والوں کو اہل شرک کے دیوی دیوتاؤں کو برا بھلا کہنے سے اجتناب کرنے کی تلقین کرتا ہے

اور انھیں صاف لفظوں میں اس کی ممانعت کرتا ہے[1] اسلام نے اپنے زیر سایہ غیر مسلم انسانیت کے اس نسبت سے جس فراوانی سے حقوق تسلیم کیے ہیں اور ان کے سلسلے میں جو غیر معمولی مراعات اس نے فراہم کی ہیں، اسی طرح بلالحاظ مذہب وملت دنیا کے تمام انسانوں کے ساتھ بحیثیت انسان کے وہ جس حسن سلوک کی تاکید کرتا ہے اور ان کے دکھ درد میں شریک ہونے کو اپنی مخلصانہ پیروی کا لازمی تقاضا قرار دیتا ہے، خدا کے آخری دین کا یہ روشن ترین باب ہے، اصولی حیثیت میں جس کی نظیر دنیا کا کوئی بھی دوسرا مذہب پیش کرنے سے یکسر قاصر ہے۔ احترام مذہب کے ساتھ احترام انسانیت اسلامی تعلیمات کا اہم ترین باب ہے جس سے صرف نظر کر کے اسلام کے نقطۂ نظر سے کوئی شخص مذہبیت و دین داری کا حق ادا کر سکتا ہے، نہ اس کے بغیر حق تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی کی امید باندھ سکتا ہے۔[2]

حرفِ آخر۔ شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات:

'وحدتِ ادیان' کے مروجہ ہندی فلسفے کے روبرو اسلام کے نقطۂ نظر کی تفصیل میں جو کچھ کہنا تھا ہم نے کہہ دیا۔ آخر میں ہم پوری دردمندی کے ساتھ تمام مذہب پسند بھائیوں اور بہنوں سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ ہماری معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ یہ کسی مناظرے کا یا ایک مذہب کی دوسرے مذہب پر بالاتری و بالادستی کا موضوع نہیں، سوال اس کا ہے کہ اس بامقصد کائنات کی سب سے بامقصد ہستی ہونے کے ناطے زندگی کے اس اہم ترین مسئلے میں ہمارے لیے کون سا رویہ بہتر اور مناسب

---

[1] انعام: ۱۰۸۔ ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم ... اور اے ایمان والو! اہل شرک وکفر ایک خدا کو چھوڑ کر جن دیوی دیوتاؤں کو پکارتے ہیں تم ان کو برا بھلا ہرگز مت کہو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے جواب میں نادانی میں وہ بڑے اللہ کو اسی طرح برا بھلا کہنا شروع کریں۔

[2] اس کی مثال کے لیے اسلام کے بھائی چارے اور اخوت ومساوات اور خدمت خلق کے تصورات کو پیش کیا جا سکتا ہے، جس کی تفصیل ہماری کتاب 'اسلام کا تصور مساوات' محولہ بالا اور مولانا سید جلال الدین عمری کی کتاب 'اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور' میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مطبوعہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ بار اول ۱۴۱۱ھ / ۱۹۹۰ء

اور دنیا سے آخرت کی ہماری ہمیشہ کی زندگی کو کامیابی وکامرانی سے ہمکنار کرنے میں مددگار اور معاون ہو سکتا ہے۔ زندگی کے دن گزر رہے ہیں اور ہر شخص انھیں اپنے اپنے انداز سے گزار رہا ہے، اصل مسئلہ مرنے کے بعد خدا کے حضور اس سوال کے جواب کا ہے کہ دنیا میں رہ کر ہم نے زندگی کس طریقے کے مطابق گزاری اور اس کیلئے خالق کائنات کی طرف سے کیا سند اور کیا تصدیق حاصل تھی۔ اپنی زندگی میں جس راستے کو خدا کی مرضی کے حصول کے لیے کافی سمجھ کر ہم اختیار کیے ہوئے تھے، کیا اس بڑی ذات کی طرف سے ہم کو اس کی اجازت اور حکم ملا ہوا تھا۔ کیا ایسا نہیں تھا کہ ابتدائے آفرینش سے اس نے دنیا کے تمام انسانوں دوسرے لفظوں میں اپنے تمام بندوں کے لیے زندگی گزارنے کا ایک ہی طریقہ تجویز کیا تھا۔ بعد میں نادان لوگوں نے اپنی اپنی مرضی سے اس میں بہت ساری تبدیلیاں اور تحریفات کر کے انھیں مختلف مذاہب میں تبدیل کر دیا۔ اگر ایسا تھا تو اس کا بتایا اور دکھایا ہوا زندگی گزارنے کا سیدھا اور سچا راستہ کون سا تھا اور دنیا کی زندگی میں ہم نے اس کی تلاش و جستجو کے لیے کتنی محنت کی اور اس کام کے لیے اپنا کتنا وقت صرف کیا یا اس سے ہٹ کر کسی دوسری سمت سے اس کی نشاندہی کی گئی تھی تو ہم نے کس قدر اس کو قابلِ توجہ سمجھا اور اپنی روایتوں اور قدروں کے گرداب سے نکل کر اس کی بے چون وچرا پیروی اختیار کی یا حقیقت سے آنکھیں پھیر کر کے قومی اور گروہی عصبیتوں کے جال میں پھنسے رہنے ہی کو اپنے لیے فائدہ مند اور نفع مند پایا۔ بھائیو اور بہنو! خدا تعالیٰ کا دکھایا ہوا سیدھا اور سچا راستہ ہمیشہ سے ایک ہی تھا۔ اور اسلام کے نام سے آج جو مذہب دنیا میں پایا جاتا ہے اور جس کے ماننے والوں کی ایک قابل لحاظ تعداد اس ملک میں بھی بستی ہے، اپنی حقیقت کے اعتبار سے یہ وہی مذہب ہے جو دنیا کے سب سے پہلے انسان کا مذہب تھا' اسی کا پیغام لے کر مختلف زمانوں میں خدا تعالیٰ کے فرستادے نبیوں اور رسولوں کی صورت میں دنیا کے مختلف خطوں میں آتے رہے۔

آج سے چودہ سو برس پہلے عرب کے دیس میں پیدا ہونے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی سلسلے کی آخری کڑی ہیں اور ان کے ہاتھوں آنے والی کتاب خدا تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور اب قیامت تک کے لیے اسی رسولؐ اور اسی کتاب کی پیروی اختیار کر کے اس دنیا کی کامیابی کے ساتھ دوسری دنیا کی کامیابی اور وہاں خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی کے حصول کی امید کی جا سکتی ہے۔ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں لوگوں کو یہ بات اچھی طرح بتا دی تھی اور اپنے بعد اپنے

ماننے والوں کی یہ ذمہ داری قرار دے گئے تھے کہ رہتی دنیا تک کے لیے وہ دنیا کے دوسرے تمام انسانوں تک ان کے اس پیغام کو پہنچاتے رہیں گے تاکہ لوگوں کے سامنے سچائی کا راستہ پوری طرح واضح ہو جائے اور قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے حضور کوئی انسان اپنا یہ عذر پیش نہ کر سکے کہ ہم تک تو تیرا پیغام پہنچا ہی نہیں، اس لیے اگر ہم جہالت اور تاریکی کے اندھیرے میں پڑے رہے، یا غلط مذاہب کی پیروی اختیار کی یا الحاد اور انکار خدا کے فتنے میں گرفتار ہو گئے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔

بھائیو اور بہنو!

اپنے پیغمبر حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ادنیٰ پیروکار اور نام لیوا کی حیثیت سے ہم آپ تک ان کا یہ پیغام پہنچا رہے رہیں۔ اب یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے کہ آپ 'وحدت ادیان' جیسے غیر عقلی اور غیر منطقی اور خلاف حقیقت نظریوں کی بھول بھلیوں میں پھنس کر اپنی زندگی گزارنی چاہتے ہیں یا قومی اور گروہی عصبیتوں سے اوپر اٹھ کر ہمیشہ سے اللہ کے ایک ہی دین کے آخری تکمیلی ایڈیشن کی حقانیت کا اعتراف کر کے دنیا و آخرت کی سرخروئی اور خدا تعالیٰ کی واقعی خوشنودی اور رضامندی کا سامان کرنا چاہتے ہیں۔ آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اپنے دین کے اس پیغام کے لیے اپنے بندوں کے سینوں کو کھول دے اور اس پیغام کو وہ کوئی اجنبی اور انوکھی چیز نہ سمجھ کر اسے اپنی چیز سمجھیں۔ خدایا ہم نے تیری امانت تیرے بندوں کے حوالہ کر دی اب اس کے ساتھ ان کا کیا معاملہ ہوتا ہے، اس کا معاملہ تیرے حوالہ ہے اور تو ہی سچائی اور انصاف کے ساتھ اس کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین صلاۃ وسلاما دائما کثیرا کثیرا عدد خلقہ ومداد کلماتہ کما یحبہ تعالیٰ ویرضیٰ۔

آمین یا رب العالمین

۲۴ رجب المرجب سنہ ۱۴۱۲ھ

۳۰ جنوری سنہ ۱۹۹۲ء

۱۲ بج کر ۱۰ منٹ دن

جمعرات

کتابیات

عربی:

۱۔ قرآن حکیم

۲۔ فخر الدین الرازی م ۶۰۶ھ: مفاتیح الغیب المشتہر بالتفسیر الکبیر، مطبعہ عامرہ، مصر ۱۳۰۸ھ، طبع اولیٰ۔ نیز: مطبعہ ازہریہ، مصر ۱۳۰۸ھ۔

۳۔ ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی م ۶۷۱ھ: الجامع لاحکام القرآن، الہیئۃ المصریۃ العامہ للکتاب ۱۹۸۷ء

۴۔ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر الدمشقی م ۷۷۴ھ: تفسیر القرآن العظیم المعروف بابن کثیر، مکتبہ تجاریہ کبریٰ، مصر ۱۳۵۶ھ

۵۔ جلال الدین محمد بن احمد المحلی م ۸۶۴ھ اور جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی م ۹۱۱ھ: تفسیر الجلالین، دار المعرفۃ، بیروت ۱۴۰۳ھ، طبع اولیٰ۔

۶۔ المعلم عبد الحمید الفراہی م ۱۳۴۹ھ: حواشی الفراہی علی القرآن المجید (غیر مطبوعہ)۔

۷۔ ابو القاسم حسین بن محمد الراغب الاصفہانی م ۵۰۲ھ: المفردات فی غریب القرآن، مطبعہ میمنیہ، مصر

۸۔ محمد بن اسماعیل البخاری م ۲۵۶ھ: صحیح البخاری، اصح المطابع، دہلی

۹۔ ابو الحسین مسلم بن الحجاج النیشاپوری م ۲۶۱ھ: صحیح مسلم، اصح المطابع، دہلی

۱۰۔ سلیمان بن اشعث ابو داؤد السجستانی م ۲۷۵ھ: سنن ابی داؤد، مطبع مجیدی، کانپور ۱۳۲۵ھ

۱۱۔ ابو عبد الرحمٰن احمد شعیب بن بحر النسائی م ۳۰۳ھ: سنن نسائی، مطبع مجتبائی، دہلی۔

۱۲۔ ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل م ۲۴۱ھ: مسند احمد بن حنبل، مطبعہ میمنیہ، مصر ۱۳۱۳ھ

۱۳۔ ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی م ۲۵۵ھ: سنن الدارمی، دار الریان للتراث، القاہرہ، طبع اولیٰ ۱۴۰۷ھ، تحقیق و تخریج: فواز احمد زمرلی اور خالد السبع العلمی۔

۱۴۔ شہاب الدین محمد بن حجر العسقلانی م ۸۵۲ھ: فتح الباری، مطبعہ خیریہ، مصر ۱۳۱۹ھ طبع اولیٰ۔ نیز دار المعرفۃ بیروت، طبع جدید

۱۵۔ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی م ۸۵۵ھ: عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری المعروف بالعینی، مصطفیٰ البابی الحلبی و =

= اولاده، مصر ۱۳۹۲ھ، طبع اولیٰ۔

۱۶۔ عبدالرؤف المناوی م ۱۰۲۹ھ: التیسیر بشرح الجامع الصغیر، دار الطباعۃ العامرہ، مصر ۱۲۸۶ھ

۱۷۔ ابومحمد عبدالملک بن ہشام م ۲۱۳/۲۱۸ھ: السیرۃ النبویۃ، دار الفکر، القاہرہ (بدون سنۃ) راجع اصولہا وعلق علی حواشیہا نخبۃ من العلماء۔

۱۸۔ ابوالفداء اسماعیل بن کثیر م ۷۷۴ھ: السیرۃ النبویۃ، دار المعرفۃ، بیروت ۱۴۰۳ھ، تحقیق مصطفی عبدالواحد۔

۱۹۔ ابوعمر یوسف بن عبدالبر القرطبی م ۴۶۳ھ: الاستیعاب فی اسماء الاصحاب، مکتبہ تجاریہ کبریٰ، مصر ۱۳۵۸ھ، ۱۹۳۹ء،

۲۰۔ ابن حجر العسقلانی م ۸۵۲ھ: الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، علیٰ ہامش الاستیعاب، محولہ بالا۔

۲۱۔ جلال الدین السیوطی م ۹۱۱ھ: الاتقان فی علوم القرآن، مطبعہ ازہریہ، مصر ۱۳۲۳ھ، طبعہ ثانیہ۔

۲۲۔ قاضی ابوبکر الباقلانی م ۴۰۳ھ: اعجاز القرآن علیٰ ہامش الاتقان، محولہ بالا۔

۲۳۔ شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم المحدث الدہلوی م ۱۱۷۶ھ: حجۃ اللہ البالغۃ، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی ۱۳۷۳ھ، طبع اولیٰ۔

۲۴۔ سعد الدین التفتازانی م ۷۹۲ھ: شرح العقائد النسفیۃ، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی۔

۲۵۔ عبدالحی بن عبدالحمید الشیخلی البغدادی ۱۳۲۲ھ: شرح العقیدۃ الطحاویۃ للامام ابی جعفر احمد بن محمد الطحاوی م ۳۲۱ھ، مکتبۃ الدعوۃ الاسلامیۃ، باب الازہر، حققہا وراجعہا: جماعۃ من العلماء، خرج احادیثہا: محمد ناصر الدین الالبانی

۲۶۔ احسان الٰہی ظہیر الشہید ۱۴۰۷ھ: القادیانیۃ، دراسات وتحلیل، ادارۃ ترجمان السنۃ، لاہور ۱۳۹۸ھ، طبعۃ ثالثۃ عشرۃ

۲۷۔ زین الدین الحلبی الحنفی م ۸۰۸ھ: مختصر المنار، مشمولہ مجموعہ متون اصولیہ، مکتبہ مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ طبع اولیٰ ۱۴۰۴ھ

۲۸۔ حسام الملۃ والدین محمد بن عمر الاخسیکثی م ۶۴۴ھ: الحسامی مع شرحہ النامی للفاضل المحقق المولوی عبدالحق، کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند باہتمام: مولوی محمد اسحاق صدیقی مالک کتب خانہ ہند، مطبوعہ مجددی پریس دہلی۔

۲۹۔ ظفر الاسلام خان: التلمود تاریخہ وتعالیمہ، دار النفائس، بیروت، ۱۴۰۲ھ، طبعۃ ثالثۃ۔

اُردو:

۳۰۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی م ۱۹۷۹ء: تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند ۱۹۷۱ء تیرہواں ایڈیشن

۳۱۔ مولانا امین احسن اصلاحی: تدبر قرآن، انجمن خدام القرآن، لاہور ۱۳۹۸ھ۔

۳۲۔ مولانا شبیر احمد عثمانی م ۱۹۴۹ء : تفسیر عثمانی، تاج کمپنی، دہلی

۳۳۔ کتاب مقدس (عہد نامۂ قدیم و جدید)، بائیبل سوسائٹی ہند، بنگلور ۱۹۸۵ء

۳۴۔ آسی ضیائی: انجیل برنا باس، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۱۹۸۲ء، بار اول۔

۳۵۔ منوسمرتی، مرتبہ لالہ سوامی دیال صاحب مطبع نول کشور، کان پور، طبع دوم

۳۶۔ شریمد بھگوت گیتا مع گیتا بودھ از مہاتما گاندھی۔ لالہ لاجپت رائے اینڈ سنس، تاجران کتب، دہلی

۳۷۔ مولانا سید سلیمان ندوی م ۱۹۵۳ء: سیرۃ النبیؐ، دار المصنفین، اعظم گڑھ ۱۹۸۰ء

۳۸۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی م ۱۹۷۹ء : الجہاد فی الاسلام، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔ بار پنجم ۱۹۸۸ء

۳۹۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی م ۱۹۷۹ء : اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی بار اول آفسیٹ ۱۹۷۷ء۔

۴۰۔ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی م ـــ : تاریخ اسلام، تاج کمپنی دہلی۔ (بلا تاریخ)۔

۴۱۔ " " " " : حجۃ الاسلام، مطبوعہ مدینہ پریس، بجنور۔

۴۲۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی م ۱۹۷۹ء: قادیانی مسئلہ، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور،

۴۳۔ مولانا مفتی محمد شفیع م ـــ: اسلام اور موسیقی، مکتبہ دار العلوم، کراچی، طبع اول ۱۴۰۳ھ، شرح و تحقیق: محمد عبد المعز

۴۴۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: قادیانیت، مطالعہ و جائزہ۔ مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ بار سوم ۱۹۷۶ء

۴۵۔ مولانا صدر الدین اصلاحی: قرآن مجید کا تعارف، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند، دہلی ۱۹۶۳ء، پہلی بار

۴۶۔ مولانا مناظر احسن گیلانی م ۱۳۷۵ھ : تدوین قرآن، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۶۹ء، مرتبہ غلام ربانی۔

۴۷۔ " " " " ، سوانح قاسمی، شائع کردہ: دار العلوم دیوبند

۴۸۔ مفتی عبد اللطیف رحمانی م ـــ: تاریخ القرآن، شاہ ابوالخیر اکیڈمی، دہلی ۱۹۸۳ء

۴۹۔ مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث م ـــ: فضائل قرآن مشمولہ تبلیغی نصاب عکسی جلد اول، ادارہ اشاعت دینیات نئی دہلی

۵۰۔ مولانا سید جلال الدین عمری: خدا اور رسول کا تصور۔ اسلامی تعلیمات میں۔ مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند، دہلی۔ بار دوم ۱۹۶۹ء۔

۵۱۔ مولانا سید جلال الدین عمری: معروف و منکر، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۵ء بار دوم۔

۵۲۔ " " " " : اسلام میں خدمت خلق کا تصور، ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ ۱۴۰۰ھ بار اول

۵۳۔ سلطان احمد اصلاحی : مذہب کا اسلامی تصور، ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ بار اول ۱۴۱۲ھ۔

۵۴۔ " " : اسلام کا تصور مساوات، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۱۹۸۵ء، بار اول۔

۵۵۔ " " : مومنانہ زندگی کے اوصاف، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۱۹۸۹ء۔ بار اول

۵۶۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی: دعوت دین کے علمی تقاضے، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۹۲ء۔ بار اول۔ ترجمہ و تحقیق: سلطان احمد اصلاحی۔

۵۷۔ عبدالوحید خاں : عیسائیت انجیل اور قرآن کی روشنی میں، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی بار اول ۱۹۸۱ء۔

۵۸۔ سوامی وویکانند : ترانۂ حق (منظومات وویکانند) ترجمہ دھرم سروپ، رام کرشن مشن نئی دہلی ۱۹۶۷ء، بار اول۔

۵۹۔ ونوباجی : روح القرآن، اکھل بھارت سرو سیوا سنگھ پرکاشن راج گھاٹ کاشی ایڈیشن اول ۱۹۶۳ء

۶۰۔ مولانا ابو محمد امام الدین رام نگری م ۔۔۔ : آواگون کی حقیقت، مکتبہ الحسنات، دہلی

۶۱۔ عباد اللہ صاحب گیانی: ہندو دھرم گورونانک جی کی نظر میں، الحمد پبلیکیشنز، دہلی ۱۹۹۱ء

۶۲۔ مولانا سید حامد علی م ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء: ہندو مت اور توحید، ادارہ شہادت حق، میرٹھ، ۱۹۶۳ء، طبع اول

۶۳۔ " : بدھ مت اور شرک، " " " "

۶۴۔ " : جین مت اور خدا پرستی، ادارہ شہادت حق، نئی دہلی ۱۹۸۸ء طبع دوم

۶۵۔ " : سکھ مت اور توحید، " میرٹھ ۱۹۶۳ء، نیز نئی دہلی ۱۹۸۹ء

۶۶۔ " : توحید اور عہد نامۂ عتیق، ادارۂ شہادت حق، نئی دہلی، طبع دوم ۱۹۸۹ء۔

۶۷۔ " : نسلی امتیازات مختلف سماجوں میں، ادارۂ شہادت حق، نئی دہلی ۱۹۸۸ء طبع اول

۶۸۔ پنڈت وید پرکاش اپادھیائے: نراشنس اور آخری رسولؐ، ترجمہ: وصی اقبال، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، طبع دوم ۱۹۹۲ء

۶۹۔ مولانا محمد فاروق خاں : تصور آخرت اور ہندوستانی روایات، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۱۹۸۸ء۔ بار دوم

۷۰۔ " : ہندو دھرم کی جدید شخصیتیں، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی بار اول ۱۹۸۳ء

۷۱۔ " : وید کا تعارف، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۱۹۸۶ء، بار اول

۷۲۔ " : آثار صداقت، اسٹوڈنٹس اسلامک پبلیکیشنز، نئی دہلی بار اول ۱۹۹۲ء

۷۳۔ خالد حامدی : ویدک دھرم سوامی دیانند سرسوتی کے نقطۂ نظر سے، ادارۂ شہادت حق، نئی دہلی طبع دوم ۱۹۸۸ء

۷۴۔ مولانا الطاف حسین حالی م ۱۹۱۴ء: حیات جاوید، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی ۱۹۸۲ء، دوسرا ایڈیشن

۷۵۔ مولانا اخلاق حسین قاسمی: مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت، مکتبہ رحمت عالم، لال کنواں، دہلی ۱۹۸۸ء

۷۶۔ مولانا ابوالکلام آزاد م ۱۹۵۸ء: جامع الشواہد فی دخول غیر المسلم فی المساجد، اعتقاد پبلشنگ کمپنی، دہلی، بار اول ۱۹۸۸ء

فارسی:

۷۷۔ کلمات طیبات (مشتمل بر مکتوبات حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید م ۱۷۸۱ء، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی و مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی و دیگر) مطبع مجتبائی دہلی

ہندی:

۷۸۔ مولانا محمد فاروق خاں: ایک ایشور کی کلپنا، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، طبع دوم ۱۹۸۳ء

۷۹۔ " " : پرلوک کی چھایا میں، " " ۱۹۸۷ء، دوسری بار

۸۰۔ " " : وید اور قرآن، " " ۱۹۸۹ء

۸۱۔ ڈاکٹر وید پرکاش: نراشنس اور انتم رشی (ھندی)، سارسوت ویدانت پرکاش سنگھ، پریاگ ۱۹۷۰ء

۸۲۔ " " : کلکی اوتار اور محمد صاحب (ھندی)، " " " " ۱۹۶۹ء

۸۳۔ مولانا ابو محمد امام الدین رام نگری: وید کے رشی نراشنس، قرآن کے انتم ایشور دوت محمدؐ، اسلامی ساہتیہ سدن رام نگر۔ وارانسی ۱۹۶۹ء

انگریزی:

84. Dr. Bhagwan Das: Essential Unity of All Religions The Kashi Vidya Pithe, Banaras 1939.

85. B.N. Pandey: Basic Onness of All Religions (with special Refrence to Hinduism and Islam). Sir Syed Academy A.M.U. ALIGARH. 1988

اخبارات ورسائل:

۸۶۔ ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ

۸۷۔ سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ

۸۸۔ ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ

۸۹۔ ماہنامہ آثار جدید، مئو

۹۰۔ ہفت روزہ ریڈینس۔ (انگریزی) دہلی

۹۱۔ سہ روزہ دعوت، نئی دہلی

ادارہ تحقیق و تصنیف کی گرانقدر مطبوعات

قیمت	صفحات	مصنف	تصنیف
۲۵/=	۲۱۶	مولانا صدر الدین اصلاحی	معرکۂ اسلام و جاہلیت
۴۰/=	۳۸۸	مولانا سید جلال الدین عمری	صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات
۲۵/=	۱۷۶	"	اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور
۳۵/=	۲۰۰	"	مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ
۸/=	۸۸	"	اسلام اور مشکلاتِ حیات
۱۰۰/=	۵۹۱	مولانا سلطان احمد اصلاحی	مذہب کا اسلامی تصور
۲۰/=	۱۰۲	"	مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام
۳۰/=	۱۳۶	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	عہدِ نبوی کا نظامِ حکومت
۲۵/=	۲۸۰	الطاف احمد اعظمی علیگ	ایمان و عمل کا قرآنی تصور
۲۵/=	۲۰۰	ڈاکٹر عبید اللہ فراہی	تصوف ـ ایک تجزیاتی مطالعہ
	۲۴۷	ڈاکٹر رؤفہ اقبال	عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا

ادارۂ تحقیق نے اپنی اردو اور انگریزی مطبوعات کے دیگر اہم مکتبوں کی علمی و دینی کتب کی فراہمی بھی انتظام کیا ہے ۔ فہرست کتب ایک خط لکھ کر طلب کی جا

مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی

پان والی کوٹھی ۔ دودھپور ۔ علی گڑھ